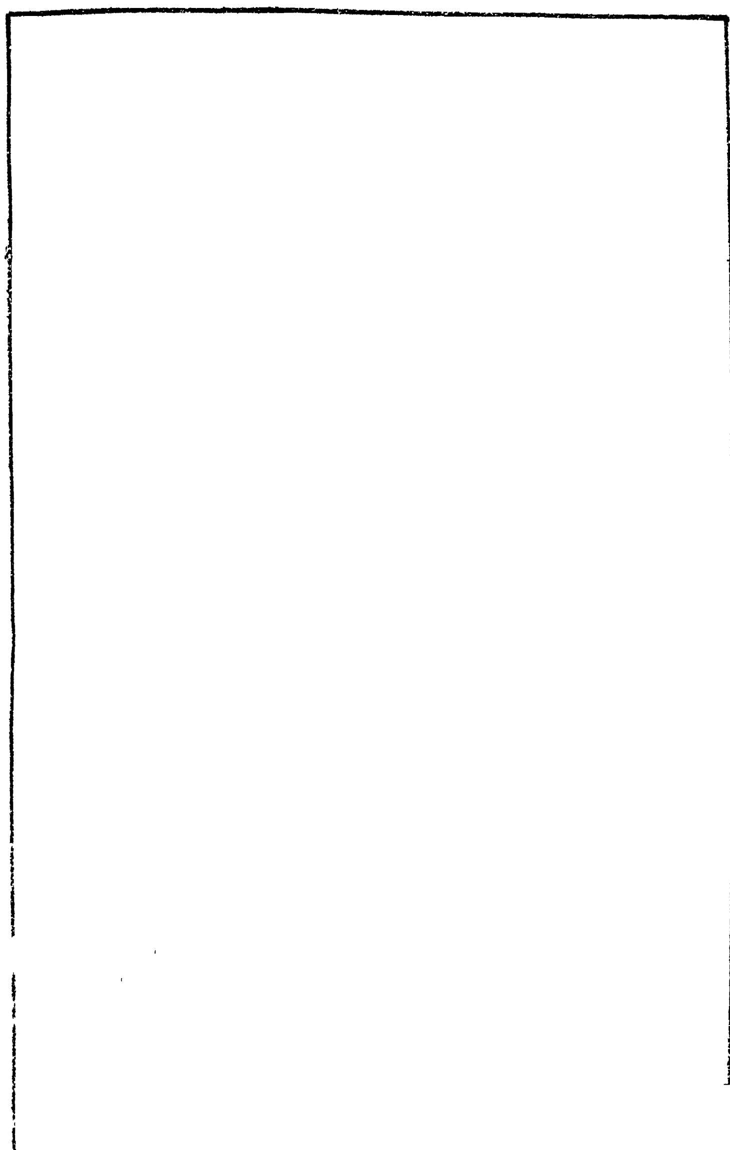
تذکرۂ امیر

یعنی

حالات و سوانح امیر عبدالرحمن خان



میں نے اِن چند اوراق میں زمانہ حال کے ایشیا کے سب سے نامور مسلمان مدبر اور سب سے زبردست اور قابل مسلمان امیر کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے یہہ بتانا میرا کام نہیں ہے کہ یہ حالات کیسے ہیں اور کسقدر محنت اور کوشش سے تلاش کر کے فراہم کیے گئے ہیں۔ سب سے بڑا نقص انمیں یہ ہے کہ مجھے اِس قصہ کے ہیرو یعنی حضور ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمن خان بہادر بالقابہ کی خدمت میں ذاتی نیاز رکھنے کی خوش نصیبی حاصل نہیں ہوئی۔ تاہم سوائے اُن چند حالات کے جو کتابوں اور اخباروں سے دستیاب ہوئے ہیں اُنمیں زیادہ تر ایسے معلومات ہیں جو اُن لوگوں سے براہ راست مجھے حاصل ہوئے ہیں کہ جنہیں اِس امیر نامدار کی خدمت میں مدت تک رہنے یا اُنسے مختصر ملاقات کرنیکا امتیاز حاصل ہے۔ اپنی طرف سے میں نے واقعات کو نہایت ایمانداری سے بلا کسی قسم کی رنگ آمیزی کے جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اگر اسمیں مجھے کسیقدر کامیابی ہوئی ہو تو یہی میری خدمت کا کافی صلہ ہے۔





امیر صاحب کا قدیم روپیہ





امیر صاحب کا شین کا بنا ہوا روپیہ

تذکرۂ امیر

یعنی

حالات و سوانح ضیاء الملت والدین امیر عبدالرحمن خاں

باب اوّل

خاندان اور ملک کے پولیٹیکل حالات

امیر دوست محمد و عبدالرحمن خاں کا زمانہ ولادت

امیر عبدالرحمن خاں کی ولادت کی صحیح تاریخ کی نسبت بہت کچھ اختلاف ہے تاہم یہ قول مرجح سمجھا جاتا ہے کہ یہ آفتاب برج اقبال کشور اجسام کے آسمان پر ۱۸۴۴ء میں طلوع ہوا۔ جو امیر افضل خاں کا سپوت اور امیر دوست محمد خاں کا پوتا ہے۔ امیر دوست محمد خاں کی پیدائش کی تاریخ ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ مگر بقول جان کے امیر موصوف ۱۷۹۲ء اور ۱۷۹۳ء کے درمیان کسی سال میں پیدا ہوا تھا۔ سردار پائندہ خاں[1] کا بیٹا امیر دوست محمد خاں بوجہ کثیر الاولاد ہونے کے حضرت آدم علیہ السلام

[1] سردار پائندہ خاں جس نے سرفراز خاں کے نام سے شہرت پائی تھا خود بھی ایک کثیر الاولاد شخص تھا۔ اسکی پہلی بی بی قوم بارک زئی افغان سے تھی کہ جس سے وزیر فتح خاں، سردار تیمور قلی خاں اور سردار محمد عظیم خاں جو مدت تک حاکم کشمیر رہا پیدا ہوئے۔ دوسری بیوی سے نواب صمد خاں و نواب جبار خاں پیدا ہوئے تیسری سے جو قوم قزلباش سے تھی سردار دوست محمد خاں کہ جسکی بدولت اس خاندان میں —

کا بہت بڑا لائق بیٹا تھا۔ ایک مصنف کا قول ہے کہ انسان کا سب سے پہلا فرض بقائے نوع انسانی ہے جو شخص لاولد ہو وہ پرلے درجہ کا نالائق اور جسکے بہت سے بچہ ہوں وہ بڑا لائق بیٹا حضرت آدم کا ہے۔ اگر اس مصنف کے قول کو سچ مانا جائے تو امیر دوست محمد خاں واقعی بڑا لائق پوتا حضرت آدم علیہ السلام کا تھا۔ امیر موصوف کی اولاد کی کسیقدر تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے جو چند زوجیوں سے پیدا ہوئی:-

امیر دوست محمد خاں کی اولاد

۱- امیر افضل خاں
۲- امیر اعظم خاں
} پہلی بی بی کے بطن سے جو بنگش قوم سے تہی-

۳- سردار علی اکبر خاں
۴- سردار غلام حیدر خاں
۵- امیر شیر علی خاں
۶- سردار محمد امین خاں
۷- سردار محمد شریف خاں
} دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہوئے-

۸- سردار اکرم خاں] تیسری بیوی سے پیدا ہوئے-

۹- [illegible]
۱۰- سردار فیض محمد خاں
} چوتھی بیوی کے شکم سے پیدا ہوئے-

۱۱- سردار احمد خاں [

حم حکومت کابل آئی اور سردار امیر محمد خاں پیدا ہوئے- ایک اور بیوی سے سردار یار محمد خاں سردار عطا محمد خاں اور سردار سلطان محمد خاں جو حاکم پشاور تہا اور جسکو مہاراجہ رنجیت سنگہ نے طلائی کا خطاب دیا تہا۔ سردار پیر محمد خاں اور سردار سید محمد خاں تولد ہوئے- پانچویں شادی سے سردار پردل خاں و سردار شیردل خاں و سردار کہندل خاں سردار رحمدل خاں و سردار مہردل خاں پیدا ہوئے چہٹی بیوی سے نواب جبر خاں اور ایک اور شادی سے سردار طرہ باز خاں اور ایک اور شادی سے سردار جمعہ خاں پیدا ہوئے-

۱۲۔ سردار محمد امیر خاں ۱۳۔ سردار محمد زمان خاں	}	پنجویں بیوی سے پیدا ہوئے۔
۱۴۔ سردار محمد اسلم خاں ۱۵۔ سردار محمد قاسم خاں ۱۶ سردار محمد حسین خاں ۱۷ سردار محمد حسن خاں	}	چھٹی بیوی سے پیدا ہوئے۔
۱۸۔ سردار محمد کریم خاں	}	ساتویں بیوی سے پیدا ہوئے۔
۱۹۔ سردار محمد یوسف خاں	}	آٹھویں بیوی سے پیدا ہوئے۔
۲۰۔ سردار حبیب اللہ خاں	}	نویں بیوی کے بطن سے۔
۲۱۔ سردار محمد ہاشم خاں	}	دسویں بیوی کے شکم سے۔
۲۲۔ سردار نیک محمد خاں	}	گیارہویں بیوی کے شکم سے۔
۲۳۔ سردار محمد شہامت خاں	}	بارہویں بیوی کے بطن سے۔
۲۴۔ سردار صادق خاں	}	تیرہویں بیوی کے شکم سے۔
۲۵۔ سردار محمد عظیم خاں	}	چودہویں بیوی کے بطن سے۔
۲۶۔ سردار محمد شعیب اللہ کمیل خاں	}	پندرہویں بیوی کے بطن سے۔

ان میں سے سوائے تین کے باقی سب وفات پا چکے ہیں۔ وہ تین جو اس وقت زندہ ہیں یہ ہیں۔

(۱) سردار یوسف خاں جو کابل میں ہے۔

(۲) سردار محمد عظیم خاں راولپنڈی میں مقیم ہے جنے ارک یعنی امیر صاحب کا جدید محل تعمیر کرایا۔

(۳) سردار عمر خاں۔ پشاور میں پناہ گزین ہے۔

امیر عبدالرحمن کا والد سردار افضل خاں ۱۸۱۱ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس وقت تک امیر دوست محمد خاں کو مسند سلطنت افغانستان حاصل نہیں ہوا تھا۔

سردار محمد افضل خاں اور سردار علی اکبر خاں کا خیبر پر قبضہ

میں محمد افضل خاں اور اسکے سوتیلے بھائی علی اکبر خاں کو امیر دوست محمد خاں
نے سکھوں کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ جنہوں نے درہ خیبر میں قلعہ جمرود پر قبضہ کر لیا تھا
جب سکھوں کے جرنیل کو معلوم ہوا کہ پٹھان مقابلہ کے لیئے آتے ہیں تو وہ بھی مستعد
ہوگیا اور خوب دل کھول کر داد شجاعت دکھائے۔ ادہر سے سردار محمد افضل خاں
نے بھی خوب ہی داد مردانگی دی۔ اس لڑائی میں سکھوں کا سپہ سالار کام آیا۔ جب خبر
مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پہنچی تو آگ بگولا ہوگیا اور کہنے لگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ افغان
نے کانوں میں غفلت کی روئی بھر لی ہے جس وقت اُس پر نازک وقت آیا اُس وقت
افسوس کی انگلی حسرت کے دانتوں تلے دبائیگا۔

امیر دوست محمد خاں کا انگریزوں سے بگاڑ

جس وقت سکھوں نے امیر دوست محمد خاں کو بہت تنگ کیا تو اُسنے شہنشاہ
روس کو لکھا کہ مجھے آکر مدد دو۔ چنانچہ کپتان وکسٹ میچ وہاں سے کابل آیا جب
انگریزوں کو یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے کپتان برنس کو بطور ایلچی کے روانہ کیا
اس نے امیر دوست محمد خاں کو خوب پٹی پڑھائی اور روسیوں کیطرف سے منحرف
کر دیا۔ مگر غضب یہ ہوا کہ جو تحفے کپتان برنس ساتھ لیگیا تھا وہ معمولی سے تھے افغانوں کو
[illegible] کے تحائف یاد تھے جو مسٹر الفنسٹن انگریزوں کیطرف سے لیکر گیا تھا۔ بھلا
اُنکی آنکھوں میں کپتان برنس کے تحائف کب جچتے تھے۔ یہ صرف ایک پستول اور ایک
دوربین اور چند آئینے حرم سرا کیلئے لیگیا جنکو دیکھکر والی کابل ~~خفا~~ ہوا آخر
بہت سے حیص و بیص کے بعد انگریزوں کی فوج بسرکردگی سر جان کین ۱۸۳۹ء میں
دوست محمد کو معزول اور شاہ شجاع کو تخت نشین کرنیکے لئیے آگے بڑھی تو امیر دوست محمد
خاں کو بخارا کیجانب بھاگنا پڑا۔ اس وقت سردار افضل خاں اپنے والد کے ساتھ تھا
دوسرے سال باپ بیٹا بخارا سے واپس آئے اور ۳۰ اگست ۱۸۴۰ء کو افضل خاں نے
انگریزوں کے پڑاؤ پر بمقام باجگہ حملہ کیا۔ اسکے بعد جو لڑائی ہوئی اُسمیں بھی افضل خاں

بڑی بہادری کے ساتھ شریک ہوا۔ اور ۲ نومبر ۱۸۴۰ء کو جرنیل سیل کی فوج کو شکست دی۔

اگرچہ امیر دوست محمد کی فوج مظفر و منصور ہوئی مگر پھر بھی فتح افغانوں کو نہ پھولی نہ پھلی اور چار و ناچار انہیں انگریزوں کا لوہا ماننا پڑا۔ آخر ایک دن دوست محمد صرف ایک ہمراہی کو ساتھ لیکر گھوڑے پر سوار ہوا اور کابل کے بازار کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہوا انگریزوں کے لشکرگاہ میں آیا اور اپنے آپ کو سر ولیم میگناٹن کے حوالے کر دیا۔

سردار افضل خاں نے جب دیکھا کہ افغانوں نے حوصلہ ہار دیا اور باپ انگریزوں کے تہہ آچکا ہے تو باپ کا ساتھ چھوڑنا جائز نہ دیکھا اور تقاضائے محبت سے اچھا سمجھا اور خود بھی باپ کے پاس چلا آیا۔

امیر دوست محمد گرفتار کرکے ہندوستان کو بھیجا گیا

انگریزوں نے دونوں باپ بیٹیں کو ہندوستان بھیج دیا۔ جو ۱۸۴۳ء کے شروع تک کلکتہ میں نظربند رہے۔ اس اثنا میں سردار علی اکبر خاں پسر امیر دوست محمد خاں نے جو بقول مارشمین مورخ کے تند مزاج جری اور امیر دوست محمد خاں کے سب بیٹوں سے زیادہ دلاور تھا اور درحقیقت امیر موصوف کے سب بیٹوں میں لائق اور خود باپ کے لئے مایۂ فخر و ناز تھا کابل میں فتنۂ محشر برپا کر دیا۔ بغاوت کا جھنڈا کھڑا کیا۔ اور کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔ آخرکار پھر شورش یہاں تک بڑھ گئی کہ ۱۸۴۳ء میں انگریزوں نے بھی مناسب سمجھا کہ امیر دوست محمد خاں کو پھر مسند کابل سپرد کر دیا جاوے۔ جب امیر دوست محمد خاں قید فرنگ سے رہا ہو کر امیر کابل ہوئے تو انہوں نے اپنے خلف الرشید اکبر خاں کو بلا کر دیدہ بوسی کی اور بڑی تعریف کرکے وزیر کابل کا خطاب دیا۔ اور سردار افضل خاں کو جس نے قید میں بھی انکا ساتھ چھوڑا تھا بلخ کا حاکم مقرر کرکے بھیج دیا کہ جو علاقہ تھوڑا عرصہ پیشتر فتح کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ اپنے باپ کی وفات تک اسی عہدہ پر متعین رہا۔

وزیر علی اکبر خاں کے کارنامے

علی اکبر خاں نے وزارت کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیا۔ لوگوں کے آرام و آسائش کے لئے بہت سعی کی چنانچہ جلال آباد اور کابل کے رستہ میں ایک پل اپنی والدہ کی یادگار میں بنوایا جو اب تک "پل وزیر یا درڈ" کے نام سے مشہور ہے۔ اور کابل خاص میں ایک عظیم الشان سرائے بھی اس نیکبخت لیڈی کی یادگار میں تعمیر کی۔

وزیر علی اکبر خاں کے انتقال کے بعد اُسکا چھوٹا بھائی غلام حیدر خاں وزیر مقرر ہوا مگر اس ہونہار نوجوان نے جلدی ہی داعی اجل کو لبیک کہا اور اُسکا جانشین شیر علی خاں ہوا۔

امیر دوست محمدؐ نے اپنی وفات سے پانچ سال پہلے ملک اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔ اور شیر علیخاں کو اپنا ولیعہد اور وارث مقرر کیا۔ اگرچہ شیر علی خاں سب سے چھوٹا بیٹا امیر دوست محمد خاں کا تھا مگر اُسکی والدہ شاہی خاندان سے تھی اور دوسری بیویاں امیر دوست محمد کی رتبہ میں اس سے کمتر تھیں اسلئے اُسی کو ولیعہد قرار دیا گیا افغانستان میں تخت حاصل کرنے کے لئے والدہ کا شاہی خاندان سے ہونا بڑا ضروری سمجھا جاتا ہے جسکی زیادہ تفصیل آگے چلکر بیان کیجائیگی۔

امیر دوست محمد خاں کا ملک اپنے بیٹوں میں تقسیم کرنا اور شیر علیخاں کو ولیعہد بنانا۔

امیر دوست محمد خاں جانتا تھا کہ میرے بیٹے بڑے بہادر اور جنگجو ہیں میری آنکھوں کے بند ہونیکی دیر ہے کہ آپس میں لڑ مرینگے اسلئے اُسنے سوچ سمجھکر لایق اور بڑے بڑے بیٹوں کو مندرجہ ذیل علاقوں میں حاکم کرکے بھیجدیا۔

سردار افضل خاں کو ترکستان میں۔ سردار اعظم خاں کو خوست کورم میں سردار محمد امین خاں کو قندھار میں سردار فتح محمد خاں پسر کلاں اکبر خاں مرحوم کو قلات میں سردار ولی محمد خاں اور فیض محمد خاں کو کچھ علاقہ غزنی میں اور دوسرے چھوٹے بیٹوں کو بھی علے قدر مراتب کچھ کچھ علاقہ دیدیا۔

شہر اور نواح ہرات کا نظارہ



سلطان جان برادر زادہ و نیز داماد امیر دوست محمد سے کہ جنے علی اکبر خاں کے ساتھ شریک ہوکر دوست محمد کی عدم موجودگی میں بہت کچھ مدد کی تھی کچھ اچھا سلوک نہ ہوا۔ علی اکبر خاں نے سلطان جان سے پختہ وعدہ کیا تھا کہ امن اور کامیابی کے بعد تمہارا حق الخدمت بطرز احسن ادا کیا جاویگا۔ مگر امیر دوست محمد نے قید بے زنجیر سے آزاد ہوکر اسکے احسان طاق نسیاں پر دھر دیئے۔ سلطان جان کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور وہ کشیدہ خاطر ہوکر ایران کو چلا گیا۔ شاہ ایران نے اسکے حال پر بہت کچھ نوازش اور مہربانی فرمائی اور چلتے ہوئے اسے ہرات بخشدی۔ امیر دوست محمد نے جب یہ خبر سنی تو بہت سٹ پٹایا۔ اور احمد علیخاں پسر کلاں امیر شیر علیخاں کو کابل میں چھوڑ کر بمع شیر علیخاں اور دیگر سرگردگان کے ہرات پر فوجکشی کی۔ سلطان جان نے خوب مقابلہ کیا۔ مگر آخر کار قلعہ بند ہونا پڑا۔ امیر دوست محمد اور شیر علیخاں نے بہت زور لگائے کہ کسیطرح قلعہ سر ہو مگر نہو سکا۔ اس اثناء میں سلطان جان اور اسکی بیوی دونوں قضاء الٰہی سے فوت ہوگئے اور انکے بیٹے شاہ نواز امیر دوست محمد خاں نے قید کر لیا۔

امیر دوست کا ہرات

اس موقعہ پر امیر دوست محمد خاں کے اس برتاؤ کا ذکر ضرور کرنا چاہئے جو اسنے گورنمنٹ انگریزی سے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ محشر کے وقت مرعی رکھا تھا۔ اس سے کچھ عرصہ پیشتر جبکہ میجر بعدازاں سر ہربرٹ ایڈورڈس پشاور میں کمشنر اور سر جان بعدازاں لارڈ لارنس پنجاب کے چیف کمشنر اور کلکتہ میں لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل تھے۔ ایڈورڈس صاحب نے امیر افغانستان سے دوستانہ عہدنامہ کرنے کی صلاح دی لارنس صاحب نے اس تجویز کی اس بنا پر سخت مخالفت کی کہ افغان امیر کو پہلے تو عہد کرنے پر آمادہ کرنا مشکل ہے اور جب اسنے عہد کر لیا تو اسکے عہد پر قائم رہنے کی ذرہ امید نہیں۔ لیکن گورنر جنرل نے ایڈورڈس صاحب کی رائے کی تائید کی۔ اور درہ خیبر کے سامنے بیٹھکر امیر افغانستان اور انگریزی کمشنر کے مابین اس مطلب کا

غدر ۱۸۵۷ء ایام میں دوست کی وفادار گورنمنٹ

عہدنامہ لکھا گیا کہ دونوں سلطنتوں کے مابین دائمی امن اور دوستی قائم رہے گی۔ اور دونوں قومیں ایک دوسرے کے "دوست کی دوست اور دشمن کی دشمن" رہیں اس عہدنامہ نے ایک دوسرے سے زیادہ مضبوط عہدنامہ کا راستہ کھول دیا اور لارڈ ڈلہوزی کے جانشین لارڈ کیننگ نے پشاور پہنچکر ۹ جنوری ۱۸۵۷ء کو امیر دوست محمد خاں سے ملاقات کر کے رشتہ اتحاد کو اور مضبوط کر دیا۔ کون جانتا تھا کہ اس سے چار ماہ بعد میرٹھ اور دیگر مقامات میں ہندوستان کی فوج غدر کر دیگی مگر یہ غدر ہو گیا اور امیر دوست محمد خاں اپنی بات پر قائم اور اپنے عہد پر مستقل رہا اور اگر وہ اس وقت اپنے عہد پر قائم نہ رہتا تو اس وقت کون جان سکتا ہے کہ ہندوستان کس کی حکومت ہوتی۔ ایک انگریز مصنف[1] اس واقعہ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے کہ "اگر امیر ایک مرتبہ علم اسلام بلند کر دیتا تو انگریز اپنے جہازوں کی طرف بھاگ جاتے۔ گو یہ دوسرا امر ہے کہ کتنے وہاں تک سلامت پہنچتے"۔ اس وقت جب افغان سرداروں کو غدر ہندوستان کا حال معلوم ہوا تو وہ غصہ سے بھرے ہوئے دربار میں پہنچتے اور اپنی پگڑیاں امیر کے پاؤں میں پھینک کر کہتے "دیکھو دلی سے کیا خبر آئی ہے۔ دیکھئے فرنگی کن مشکلات میں مبتلا ہیں۔ تو ہمیں کیوں نیچے جا کر پشاور واپس نہیں لینے دیتا" مگر پیر مرد امیر بڑے استقلال کے ساتھ جواب دیتا کہ "میرا انگریزوں سے اتحاد ہے اور خواہ کچھ ہو میں تا دم مرگ اس پر قائم رہونگا" اور افغان لیڈر نے انگریزی حکام کے خلاف امید اپنے عہد کو پورا کیا۔ ورنہ اگر پشاور کو افغان لے لیتے تو پنجاب بھی انگریزوں کے ہاتھ سے نکلجاتا۔ اور اگر پنجاب نکل جاتا تو بنگال بھی باقی نہ رہتا۔ یہ خود لارڈ لارنس کا قول ہے۔ جبکہ دہلی میں انگریزوں کو کامیابی ہوئی اور لاہور میں اسکی خبر پہونچی تو ایک بہت بڑے سکھ سردار کو انگریزی افسروں نے بڑی تعریف کے ساتھ بتلایا کہ دہلی فتح ہو گئی ہے۔ لیکن اس نے کچھ پرواہ نہ کی۔ بلکہ بے صبری سے

[1] میکملنس میگزین فروری ۱۸۹۱ء صفحہ ۲۹۔



امیر کبیر دوست محمدؐ خاں

دریافت کیا کہ پشاور کی کیا خبر ہے۔ جواب ملا کہ "بالکل خیریت اور امن ہے"۔
اور جب سکھ سردار سے پوچھا گیا کہ تم پشاور کی نسبت ہمیشہ کیوں اسقدر اضطراب
سے خبر پوچھا کرتے ہو؟ تو اُسنے تھوڑے سے تامل کے بعد اپنا رومال لیکر ایک
سرے سے لپٹنا شروع کیا اور کہا "دیکھو اگر پشاور چلا جاوے تو تمام پنجاب اسطرح
لپٹ جاویگا"۔ مگر پشاور کو امیر دوست محمد نے نہ لیا۔ اور انگریزوں کے شکرگذار
بنانے کے لیئے بہت بڑا سبب چھوڑ گیا۔

امیر دوست محمد خاں کا انتقال

امیر دوست محمد خاں بتاریخ ۹ جون ۱۸۶۳ء بمقام ہرات شاہنواز خاں کو
قید کرنیکے دو ہفتہ بعد جاں بحق تسلیم ہوا۔ امیر دوست محمد ایک مستعد اور لائق حاکم
تھا۔ اُسکی جوانمردی اور شجاعت کے دوست دشمن قائل تھے اور اُسکی سادگی اور
انصاف پسندی کو لوگ بہت پسند کرتے تھے۔ اگرچہ اُسنے ہوشمندی سے انگریزوں
کی دوستی کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ مگر حتی المقدور اُسنے اپنے ملک میں انکا قدم نہیں
آنے دیا۔ ایک انگریز جسنے اُسے کلکتہ میں ایام جلاوطنی میں دیکھا تھا بیان کرتا
ہے کہ اُسکی گفتگو نہایت شستہ تھی اور وہ اخلاق اور اہلیت کا پتلا تھا اور
اُسکے اطوار ایسے تھے کہ اُنہیں دیکھکر خواہ مخواہ انسان کے دل میں دوست محمد
کی دوستی اور محبت پیدا ہو جاتی تھی۔

اہل افغانستان دوست محمد کو "امیر کبیر" کہا کرتے تھے۔ اور اسی نے پہلے پہل اپنے
لیئے امیر کا خطاب تجویز کیا تھا۔ بڑی تدبیر اور لیاقت سے اپنے خاندان کے لیئے
تخت افغانستان حاصل کیا۔ اور چھوڑ مرا۔

جس سال امیر دوست محمد بمع اپنے فرزند ارجمند سردار افضل خاں کے ہندوستان
سے واپس آیا اُس سے بارہ ماہ بعد یہ مولود مسعود عبدالرحمن خاں افضل خاں
کے گھر میں تولد ہوا۔ مارچ ۱۸۶۳ء میں امیر دوست محمد نے افضل خاں کو حاکم

بلخ سفر کر دیا۔ عبدالرحمن کی والدہ ماجدہ نواب سمندخاں کی دختر بلند اختر تھی جو نواح کابل کے کوہستانی خانزادوں سے ایک ممتاز شخص تھا جب امیر کبیر دوست محمد کا مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا تو امیر شیر علی خاں مسند حکومت پر جلوہ آرا ہوا۔ اعظم خاں اس وقت حاکم کورم تھا۔ امیر شیر علیخاں نے عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ایک معمولی شخص محمد رفیق خاں کو اپنا رفیق بنایا۔ اُسے خطاب سرداری عطا کیا اور قلمدان وزارت حوالہ کر دیا چنانچہ محمد رفیق والی کابل کا معتمد الیہ ہو گیا۔

امیر شیر علیخاں کا تخت نشین ہوکر بھائیوں سے جنگ شروع کرنا

سردار محمد رفیق کو امیر شیر علی خاں نے پشاور بھیجا کہ سرکار انگریزی سے مقررہ وظیفہ لے آوے۔ اُس وقت جیمس صاحب کمشنر پشاور تھا جب یہ مطالبہ اُسکے کانوں تک پہنچا تو اُس نے ٹکا سا جواب دیا اور کہا کہ جبتک تمام بھائی امیر شیر علی خاں کی حکومت تسلیم نہ کرلیں گے یہ روپیہ نہیں مل سکتا۔ یہ جواب سنکر امیر شیر علیخاں کو ضرورت لاحق ہوئی کہ کسیطرح تمام افغانستان پر تسلط حاصل ہو۔ سب سے پہلے اُسکو افضل خاں کا خیال آیا جو اُسکا سب سے زبردست اور بارسوخ بھائی تھا اور جسکے پاس فوج بھی باقاعدہ تھی۔ اس وقت تک افضل خاں نے کسی طرح کا اظہار سرکشی نہیں کیا تھا البتہ اعظم خاں غافل نہ تھا جونہیں دوست محمد خاں کا تابوت سنا کہ گور کی قبر میں کھا گیا وہ ہرات سے غائب ہو گیا اور اپنے علاقہ میں جا کے چپکے چپکے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ افضل خاں کے معاملہ میں ابتدا شیر علیخاں کیطرف سے ہوئی محمد رفیق کے پشاور سے واپس آنے پر شیر علیخاں نے قندھار سے ترکستان پر فوجکشی کی۔ اُس وقت افضل خاں نے ایک معتبر شیر علیخاں کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ ہر چند کہ میں بڑا بیٹا اور مستحق تخت کابل ہوں مگر قبلہ گاہ جیتے جی وہ نہیں بخش گئے ہیں اور میں لہو کا گھونٹ پی کر خاموش ہو رہا ہوں۔

امیر شیر علیخاں کا افضل خاں کو قید

اب تمہیں کچھ وجہ نہیں ہے کہ اس جاگیر پر جو والد نے مجھے دی ہے - دندان آز
دراز کرو - امیر شیر علی نے سردار افضل خاں کے جواب پیغام کا کچھ جواب دیا -
جس پر افضل خاں خود سر ہو بیٹھا اور اعلان کر دیا کہ در اصل ملک کا جائز وارث
میں ہوں - چنانچہ خطبہ بھی اُسی کے نام پر پڑھا جانا شروع ہو گیا - ان ایام میں
سر ولیم لارنس بہادر قائم مقام گورنر جنرل تھے انہوں نے شیر علی خاں کو دوست محمد
کا جانشین تسلیم کر لیا تھا - امیر شیر علی خاں کو جو فتح اعظم خاں کے مقابلہ میں
نصیب ہوئی تھی اُس سے اُسکا دماغ آسمان پر پہونچ گیا تھا - چنانچہ جون ۱۸۶۴ء
میں دونوں سوتیلے بھائی ایک دوسرے کے مقابلہ میں میدان میں آئے عبد الرحمن خاں
اُس وقت اپنے باپ کے ہمراہ نہ تھا - افضل خاں اُسے تخت پل میں جو مزار شریف سے
دو میل کے فاصلہ پر ہے چھوڑ آیا تھا - جہاں یہ روز و شب سیر و شکار میں مشغول رہتا تھا مقام
باجگہ پر جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو پہلے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں
پھر امیر شیر علیخاں نے صلح کا پیغام بھیجا اور بظاہر یقین دلایا کہ مجھے تمہارے علاقہ
سے کچھ واسطہ نہیں ہے - اور اپنے بھائی کو زیادہ یقین دلانے کے لئے خاص مزار شریف میں
(جو حضرت علی کا روضہ مشہور ہے) قرآن شریف منگا کر علانیہ اُسپر قسم کھائی کہ میں
سردار افضل خاں کی قدر و منزلت کرونگا - اُسکے ساتھ بدسلوکی سے پیش نہیں
آؤنگا اور نہ اُسکے علاقہ سے کچھ سروکار رکھونگا - جس وقت شیر علیخاں نے ایسی قسم
کھائی تو افضل خاں کو اُسپر اعتبار آگیا اور وہ فوراً شیر علیخاں کے پاس چلا آیا
شیر علیخاں نے اُس وقت سوچا کہ افضل خاں تو اب میرے اختیار میں ہے اب اسکے
بیٹے عبد الرحمن خاں کو بھی گرفتار کرنا چاہیئے - مگر جب عبد الرحمن خاں کو اس واقعہ کی
خبر ہوئی وہ فوراً جان بچا کر بخارا کی طرف بھاگ گیا - اور شاہ بخارا کے آپ
جا کر پناہ لی ۔

امیر شیر علی بہتیجے کے جان بچا کر بہاگ جانے سے بہت خفا ہوا اور حکم دیا کہ اسی وقت افضل خاں کو پابجولاں ہمارے روبرو لاؤ۔ ایک بارکزئی سردار وہاں موجود تھا۔ امیر شیر علی نے اُسکو حکم دیا کہ تم اسیوقت جاؤ اور اسکو پابجولاں کرکے ہمارے سامنے لاؤ۔ اُسنے تامل کیا۔ اسپر امیر کا غصہ اور بہی بہڑکا اور اُس بارکزئی سردار کو بہت سرزنش کی۔ پہر ایک جرنیل کو کہا کہ تم جاؤ اور اُسکو ہتہکڑی لگا کر ہمارے روبرو پیش کرو۔ جرنیل طوعاً وکرہاً وہاں سے روانہ ہوا۔ اور افضل خاں کے سامنے مودب استادہ ہوکر حکم حاکم سے مطلع کیا۔ افضل خاں نے سر جہکا لیا اور کہا مشیت ایزدی میں کیکو یارا ہے۔ دم زدن نہیں ہے۔ پہر اپنی ریش کو ہاتھ سے پکڑا تین دفعہ اُسپر تہوکا اور پہر پاؤں لمبا کر دیا کہ لو اسمیں بیڑیاں ڈالدو۔

سنہ ۱۸۶۴ء میں سردار افضل خاں قید ہوا۔ اور دوسرے روز امیر شیر علیخاں نے سردار اعظم خاں کی فوج کو شکست دی۔ اعظم خاں خود بہاگ کر ہندوستان میں چلا آیا۔ اور سرکار انگریزی نے اسکی خدمات زمانہ غدر کو یاد کرکے ایک معقول پنشن مقرر کردی

سردار اعظم خاں کا شکست کہا کر ہندوستان کو بہاگ جانا

امیر شیر علیخاں نے اپنے بہائی فیض محمد خاں برادر سردار ولی محمد خاں کو بلخ کا حاکم مقرر کرکے کابل کی راہ لی۔ اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ افضل خاں بہی پابزنجیر ہمراہ تہا۔ مگر شیر علیخاں کے اس فعل سے کوئی خوش نہ ہوا۔ عوام الناس اُس سے نفرت کرنے لگے متشرع اور متقی افغان اُسکی خلف وعدگی سے سخت ناراض ہوئے۔ بہت لوگ کہتے تہے کہ اسنے جہوٹا قرآن اُٹھایا ہے اسکے سر پر کوئی نہ کوئی عذاب نازل ہوگا۔ بی بی مروارید زوجہ افضل خاں کو جو عبدالرحمن خاں کی سوتیلی والدہ تہی۔ اپنے خاوند کے قید ہونیکا اسقدر قلق ہوا کہ اُسنے مبلغ پچیس ہزار روپیہ اعظم خاں کے پاس ہندوستان کو بہیجا اور



پیغام دیا کہ اگر مرد ہے تو اس روپیہ کو کام میں لا اور اپنے بھائی کو قید دشمناں سے نجات دلوا۔ اور اگر حمیت یا غیرت تجھہ میں نام کو نہیں ہے تو اس روپیہ کا تکلف کفن اپنے لیئے سلوا چھوڑنا۔ اعظم خاں نے اس روپیہ کو نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔ مگر ۱۸۶۵ء تک چپکا بیٹھا ہوا تجاویز سوچا کیا۔

عبد الرحمن بخارا میں غافل نہ تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں اسکو راتوں نیند نہیں آتی تہی۔ ان دنوں مظفر الدین حاکم بخارا تھا۔ یہ اُسی شخص کا بیٹا تہا جسے انگریز "نصر اللہ" یعنے قصاب لکھتے ہیں۔ کیونکہ اُسنے نہایت بیرحمی سے دو یورپینوں مسٹر کانولی اور سٹاڈہرٹ کو قتل کیا۔ اُن ایام میں ابہی روسیوں کے قدم بخارا میں نہیں آئے تہے اسلیئے حاکم بخارا بہی صاحب اقتدار رہتا۔ مظفر الدین بڑا متعصب اور پکا مسلمان تھا اور ہمیشہ پابند شریعت رہتا تھا۔ جس وقت اُسے یہ خبر ہوئی کہ شیر علیخاں نے قرآن شریف کا بھی پاس و لحاظ نہیں کیا تو بہت ناراض ہوا پہر اُسنے تمام علماء کو جمع کیا اور وہی قرآن اُنکے روبرو پیش کیا کہ جسپر امیر شیر علیخاں نے حلف دروغی کی تہی۔ علمائے دین نے شیر علی خاں کی اس حرکت کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھا اور سوگند کھائی کہ ایسے شخص کو ضرور سزا ملنی چاہیے غرض مولویوں نے شیر علی خاں کے [illegible] خارج از مذہب قرار دیا۔

۱۸۶۵ء میں عبد الرحمن خاں نے کل بخارا [illegible] اور پشت پناہ سے یہ ارادہ تسخیر کابل بخارا سے روانہ [illegible] اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ جب میں کابل کی طرف بخارا سے روانہ ہوا تو [illegible] صرف دو سو ہمراہی تہے میں شیر آباد کی راہ ہوتا ہوا اکشہ کی پاس آیا اور فیض محمد کو [illegible] پایا اور جسطرف گیا لوگوں نے میری اطاعت قبول کی

ف در اصل [illegible] مت حلیوں میں ایک سے زیادہ مرتبہ مسلمان متخاصمین سلاطین میں قرآن صرف [illegible] لیئے اُٹھایا گیا ہے۔ ہندوستان میں ہمایوں اور شیر شاہ سوری کا [illegible] ۱۲۰

عبد الرحمن خاں بخارا کی مدد سے اپنے باپ کو چھڑانا چاہتا ہے

اور میں بلا کسی قسم کی رکاوٹ کے بلخ میں چلا آیا۔ جہاں فیض محمد خاں نے زاد راہ اور کمک میں اسکے باپ کے وقت کی فوج دیکر اسے مزار شریف کیطرف روانہ کیا۔ جہاں سے تاشکرغان حضرت سلطان، خنجان وغیرہ مقامات ہندوکش کو گذر کر حدپنج شیر میں داخل ہوا۔

یوں امیر شیر علیخاں اپنے حقیقی بھائیوں امین خاں و شریف خاں کے ساتھ بھی قندھار میں سرگرم پیکار رہا۔ ان دونوں بھائیوں نے قرآن بیچ میں رکھکر قسم کھائی تھی کہ ہم شیر علی خاں کی بیخکنی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھینگے۔

جس وقت ان بھائیوں میں فتنہ و فساد کی آگ زوروں سے بھڑک رہی تھی۔ سر جان لارنس کشور ہند کے گورنر جنرل تھے۔ انہوں نے امیر شیر علیخاں کے خط کی جواب میں لکھا کہ ہم امید کرتے ہیں کہ قادر مطلق کوئی ایسے اسباب بہم پہنچا دیگا کہ جس سے بھائیوں میں صلح اور آشتی ہوجاویگی۔ مگر اب معاملہ دگرگون ہو چکا تھا اور مقدمہ صلح اور راضی نامہ کی حد سے گذر چکا تھا۔ ادہر سے عبدالرحمن خاں بخاراسی فوج لیکر بڑھا اور ادہر سے شیر علی خاں نے کابلی فوج سے امین خاں اور شریفخاں کی قندھاری فوج کے سامنے پڑاو ڈالدیا۔ غرض ۵ جون ۱۸۶۵ء کو موقعہ کجباز پر بڑے گھمسان کا رن پڑا اور چار گھنٹہ تک دوست دشمن میں کچھ تمیز نہ ہوئی۔ آخر کار فتح امیر شیر علیخاں کے ہاتھ ہی رہا اور قندھاری لشکر نے دندان شکن شکست کھائی۔

اگرچہ امیر شیر علیخاں فتحیاب ہوا مگر یہ فتح شدت سے بڑھکر اسکے حق میں فوبن ہوئی۔ کیونکہ جس وقت دونوں لشکروں کے جانباز جوش و خروش سے حق نمک ادا کر رہے تھے۔ امیر شیر علیخاں کو معلوم ہوا کہ لشکر حریف کا پلہ غالب ہے۔ امیر نے اپنے نور بصر محمد علیخاں کو جو اسکا ولیعہد تھا روبرو بلایا اور کہا کہ بہتر ہے تم زنانہ کپڑے پہن لو۔ کاش تمہارے بدلے اینٹ پتھر پیدا ہوتے کہ اس وقت میں ان

پتھروں کی بوچھاڑ ان دشمنوں پر کرکے اُنکا مُنھہ پھیر دیتا۔
محمد علی خاں کو باپ کا طرنہ تیر کیطرح لگا۔ باپ کو تو کچھہ جواب دیا۔ مگر چند
جان نثاروں کو ساتھہ لیکر قلب لشکر میں گھس گیا۔ اور دم زدن میں سینکڑوں
کو خاک و خوں میں ملا دیا۔ آخر لڑتا لڑتا وہاں جا پہونچا۔ اُس کا چچا امین خاں
کھڑا تھا۔ امین خاں جو محمد علی کی دلاوری دیکھکر بار دُم بریدہ
کیطرح پیچ و تاب کھا رہا تھا بھتیجے کو اپنے قریب دیکھکر شہباز کیطرح جھپٹا اور
تلوار سوت کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ محمد علی نے ادب بزرگی اور امین خاں نے پاس خوردی
بالائے طاق رکھدیا۔ اور دونوں پے در پے ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ امین خاں
نے فوراً بھانپ کر حریف زبردست ہے اسلیئے جان بچانی فرض ہے۔ کمر سے پستول
نکالا اور بلا سوچے سمجھے بھتیجے کے سر پر جھونک دیا۔ ایک تڑاقے کی آواز ہوئی
اور محمد علی بیجان ہوکر زمین پر گر پڑا۔ محمد علی کے چند جان نثار جو پاس موجود
تھے اپنے آقا کا یہ حال دیکھکر کمرے دیلے حملے کرتے ہوئے قاتل پر جا پڑے اور دم زدن
میں اُسکی بوٹی بوٹی بانٹ لی۔ محمد علی مرنے کو تو مر گیا مگر دشمن کی فوج کا کام
تمام کر گیا۔ اِسکی جوانمردی دیکھکر دشمنوں کے جی چھوٹ گئے۔ پاؤں اُکھڑ گئے اور
بیحواس ہوکر میدان سے بھاگے۔ اور امیر شیر علیخاں کی فتح ہوگئی۔ مگر جب اُسکو معلوم
ہوا کہ محمد علیخاں اُسکا لایق اور جوان بیٹا قتل ہوگیا ہے تو اُسے سخت صدمہ ہوا
بے محابا بچوں کیطرح واویلا کرنے لگا اور تمام جہان اُسکی آنکھوں میں تیرہ
و تار ہوگیا۔ اپنے پرائے سے وحشت ہونے لگی اور اُس نے یک قلم لوگوں سے ملنا
جلنا ترک کردیا۔

امیر شیر علیخاں کو لایق بیٹے محمد علی کے مارے جانے سے سخت صدمہ پہونچنا

شیر علی خاں کو محمد علی کے مرنے کا اسقدر صدمہ ہوا کہ اُسنے سرڈی اور دیوانوں
کیطرح ایک دن خودکشی کا ارادہ کرلیا اور خنجر لیکر اپنے حلق پر پھیرنے لگا پہلو کو

ایک سردار اس وقت موجود تھا جسنے زبردستی خنجر اسکے ہاتھ سے چھین لیا۔ پھر ارکان
امیر شیر علیخان بیٹھا بیٹھا ایسا گھبرایا اور سلطنت سے ایسا دل برداشتہ ہوا کہ اعیان سلطنت
کو جمع کرکے کہنے لگا کہ اب میرا دل حکومت سے بیزار ہے میں چاہتا ہوں کہ یا تو مکہ
معظمہ کیطرف ہجرت کر جاؤں یا علاقہ انگریزی یا ممالک روس میں جا کر زندگی کے
باقی دن آرام سے گذاروں - امیر شیر علی اس ارادہ پر اسقدر مستعد تھا کہ سرداروں
نے بڑی مشکل سے اسکو قایل کیا اور اس ارادہ سے باز رکھا - ایک دن آدھی رات
کے وقت امیر شیر علی اُٹھکر ایک تالاب میں جا گھسا اور جب اسکے خدام نے اسے
سر پیٹ کر باہر نکالا - اور دریافت کیا کہ اس وقت تالاب میں حضور کیا تلاش کرتے
تھے تو اسنے جواب دیا کہ میں محمد علیخاں کی نعش ڈھونڈھنے گیا تھا - امیر شیر علی
کی ان حرکتوں کا چاروں طرف لوگوں میں چرچا ہونے لگا - اور عوام الناس تو یہ
سمجھ بیٹھے کہ ہمارا امیر ضرور سودائی اور مجنون ہو گیا -

ایک دوسری روایت اس لڑائی کی نسبت جو ایک واقفکار شخص کی زبانی
معلوم ہوئی ہے یہ ہے کہ محمد علیخاں نے خود اپنے باپ امیر شیر علیخاں سے درخواست
کی کہ مجھے اپنے چچا امین خاں سے لڑنے کی اجازت دیجیے اُسے معلوم تھا کہ امین خاں
قلات غنڈ (چوٹی) پر مقیم ہے - محمد علی خاں اردل کے تھوڑے سے سپاہی لیکر شیر کے
کھال کی وردی میں ملبوس اس چوٹی پر چڑھ گیا جب امین خاں کو معلوم ہوا کہ یہ مجھے
گرفتار کرنے آیا ہے تو اسکے ہمراہیوں نے محمد علیخاں پر باڑھ ماردی - ادھر سے محمد علیخاں
کے آدمیوں نے بھی بندوقیں سر کیں - اور چچا بھتیجے آن کی آن میں سرد ہو گئے جب
دونوں لاشیں اٹھا کر امیر شیر علیخاں کے پاس لائی گئیں تو اُسے سخت صدمہ ہوا - اسنے
سردار رفیق خاں اپنے وزیر کو خفا ہو کر کہا کہ مجھے تو انگریزوں کے لاکھ روپیہ ملا ہوگا
خوب حق ملگیا ہے اور دور غم سے فرش پر لوٹ کر کہا محمد علیخاں کی بجا محمد امین خاں کا

بار بار کھتا رہا۔ غرض امیر شیرعلیخاں کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب امیر شیر علیخاں اپنے لایق اور ہونہار بیٹے کے غم والم میں دیوانہ ہو رہا تھا عبدالرحمن خاں بخارا سے علاقہ افغان ترکستان میں پہنچگیا۔ اور فیض محمد خاں نے اسکی اعانت کرنی شروع کی۔ ایک دوسرا بیان ہے کہ فیض محمد خاں نے ہی عبدالرحمن خاں کو تاکیدی خط لکھکر بخارا سے بولایا تھا۔ دوسری طرف سردار رفیق خاں نے امیر شیر علی خاں سے ناراض ہو کر اعظم خاں کو خط لکھا کہ تم جلدی چلے آؤ ہم تمہیں کابل سپرد کر دیں گے اس واقعہ کے مفصل حالات مجھے ایک ایسے شخص کی زبان سے معلوم ہوئے ہیں کہ جو راولپنڈی سے سردار اعظم خاں کے ساتھ ہو لیا تھا اور کابل پہنچنے تک ہمراہ رہا

سردار اعظم راولپنڈی کابل کو روانہ ہوتا ہے

۳۰ نومبر ۱۸۶۹ء کو سردار اعظم خاں راولپنڈی سے روانہ ہو کر علاقہ یوسفزئی سے گذر کر اخون صاحب کی خدمت میں سوات پہنچا۔ اخون صاحب نے ایک خیمہ حسب الطلب غنیمت سے انکے پاس بھاسعہ قریب پانصد روپیہ نقد کے بطور زاد راہ کے دیکر دعا کی کہ خدا کامیابی بخشے۔ وہاں سے روانہ ہو کر براہ باجوڑ دیر چترال سے گذر کر بدخشاں گئے۔ وہاں کے خان یعنی امیر بدخشاں نے اپنی لڑکی کا عقد سردار اعظم خاں سے کر دیا۔ وہاں سے گذر کر علاقہ کوہ پنج شیر میں پہونچے۔ یہ خبر سنکر سردار فیض محمد خاں حاکم ترکستان نے سردار عبدالرحمن خاں کو بھی کیقدر جمعیت دیکر پنج شیر کو روانہ کیا۔ کہ جہاں دونوں چچا بھتیجے اکٹھے ہو گئے۔ اس وقت سب کا خرچ ختم ہو گیا تھا۔ اس علاقہ میں بر ہمہ خانی توت خشک بکثرت کیمو ملتے ہیں جو کثرت سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ سات روز فوج اور امیروں نے صرف یہی توت کھا کر گذارہ کیا۔ پھر جو ہی سردار رید نے دو لاکھ روپیہ کابل سے انکے پاس بھیجا۔

* اس علاقہ کے لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ توت قوت رجولیت کے لئے مفید ہیں یہ پٹ دیرمیں بہت بکثرت پیدا ہوتے ہیں ۱۲

روپیہ ہاتھ میں آگیا تو سب کی امید بندہ گئی۔ وہاں سے براہ درہ توتم گذر کر علاقہ جہرکار میں داخل ہوئے۔ وہاں سردار نور محمد خاں المعروف بہ سکین پسر سردار سلطان محمد خاں طلائی[1] حاکم قندہار بیس ہزار روپیہ کی لنگی اور شال فوج کو انعام دینے کے لئے لیکر حاضر ہوا۔ اس وقت حاکم کابل محمد شریف خاں برادر شیر علیخاں اور محمد ابراہیم خاں المعروف بہ چارڑہ[2] پسر امیر شیر علیخاں دونوں تھے۔ جب فوج کابل کو وہ روپیہ دیدیا گیا اور کیقدر اور روپیہ بیوی مرواریدنے اپنی گرہ سے فوج میں تقسیم کیا تو فوج کابل ان سے ملگئی اور ۲۴ فروری ۱۸۶۶ء کو کابل پر انکا تسلط ہوگیا۔ امیر محمد ابراہیم خاں برقعہ پہنکر گھوڑے پر سوار ہو بھاگ گیا اور محمد شریف خاں بھی بھاگ گیا۔ اس وقت کاروبار ریاست سردار اعظم خاں سردار محمد رفیق خاں سردار ولی محمد خاں سردار شمس الدین خاں اور سردار نور محمد خاں کیا کرتے تھے۔ اور کل فوج کے کمان سردار عبد الرحمن خاں کے متعلق تھے۔

اعظم خاں اور عبد الرحمن خاں کا کابل پر تسلط ہوگیا۔

اس واقعہ کو دیکھکر امیر شیر علی خواب خرگوش سے بیدار ہوا اگرچہ چڑیاں کھیت چگ چکی تھیں۔ اب کیا ہوسکتا تھا۔ پھر بھی اُسنے رہی سہی جمعیت کو اطراف غزنی سے فراہم کیا۔ اور عبد الرحمن اور اعظم خاں کی متحدہ طاقت کے مقابلہ میں آ کھڑا ہوا۔ لیکن تھوڑی سی لڑائی کے بعد ۱۰ مئی ۱۸۶۶ء کو شکست فاش کھاکر بھاگ گیا۔ اور چالیس توپیں اور ہزاروں خیمے اور گھوڑے اعظم خاں اور عبد الرحمن خاں کے ہاتھ آئے۔ امیر شیر علیخاں قندہار سے آتے وقت فضل خاں و شہنواز خاں پسر سلطان جان دو دوں قیدیوں کو بھی ہمراہ لایا تھا جنھیں بھاگتے ہوئے جلدی میں وہاں چھوڑ گیا تھا۔ قید سے نکالکر فضل خاں کو تو کابل میں لاکر امیر بنایا گیا اور سکہ اسکے نام پر ہوا۔ اور اعظم خاں اُسکا وزیر بنا۔

امیر شیر علیخاں کی شکست

[1] مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ملازمت میں بالکل طلائی کوٹ پہنتا تھا۔ اسلیے اُسنے یہ نام دیا تھا۔
[2] پشتو میں چارڑہ گنگے یا تتلے کو کہتے ہیں۔

امیر عبدالرحمٰن اس فتح کا حال یوں لکھتا ہے۔ "خدا کے فضل و کرم سے شیر علی نے شکست کھائی اور میرا والد اور اسکے ہمراہی جو غزنی میں قید تھے میری فتح اور نصرت کی خبر سنکر قید سے باہر نکل آئے۔ میں اپنے والد بزرگوار کو ہمراہ لیکر کابل آیا۔ اور وہیں تخت پر بٹھا دیا۔ شیر علی ہزیمت کھاکر اور توپیں ہاتھی۔ گھوڑے وغیرہ کھو کر قندھار کیطرف بھاگ گیا تاکہ اپنی حالت کو درست کرے اور اپنے دامن عزت سے اس شکست کی بدنامی کے داغ کو دھوئے"

امیر افضل خاں کی تخت نشینی

۲۱ مئی ۱۸۶۶ء کو سردار افضل خاں نے امیر افضل خاں ہوکر تخت کابل پر جلوس فرمایا۔ رسوم تخت نشینی قلعہ بالاحصار میں عمل میں آئیں۔ تمام شہر میں رات کو روشنی ہوئی اور لوگوں نے جابجا جشن کیئے اور خوشیاں منائیں۔

باب دوم

ابتدائی حالات

وھیلر صاحب سابق ایڈیٹر اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے جو امیر صاحب کی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ انھیں اس بات سے شروع کیا ہے کہ امیر صاحب کے تذکرہ نگار کو ابتدا ہی میں ایک ایسی مشکل پیش آتی ہے کہ جس سے مفر نہیں۔ کیونکہ اس عظیم الشان شخص کی تاریخ پیدائش اور مقام ولادت کسیکو معلوم نہیں۔" ایک بیان کے مطابق تو یہ ۱۸۳۰ء میں تولد ہوا اور سکھوں کی پہلی لڑائی میں انگریزوں کے خلاف لڑائی بھی تھا۔ مگر یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ ایک روسی جو امیر عبدالرحمٰن خاں سے سمرقند میں واقف تھا بیان کرتا ہے کہ وہ ۱۸۴۴ء میں تولد ہوا۔ اور یہی بات زیادہ قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے۔ بیشک یہی امیر صاحب نے خود بھی کہا تھا اور کئی

سال بعد نپے انگریز معالج کو بھی بالکل بھی اطلاع دی تھی"۔

امیر عبدالرحمن خاں کے زمانہ طفولیت کے حالات بہت کم دستیاب ہوتے ہیں تحریری مصالح تو اسکے متعلق بالکل نہیں ملتا تاہم بعض ان لوگوں سے کہ جو بچپن میں امیر صاحب کے ساتھ ملکر کھیلے ہیں اور بعض دوسروں سے کہ جنہیں امیر صاحب کی ملازمت اور مصاحبت کا شرف مدت تک حاصل رہا ہے جسقدر زبانی باتیں معلوم ہوئی ہیں انمیں سے دو ایک اختصار کے ساتھ قلمبند کیجاتی ہیں۔

مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروے کے پات چکنے ہوتے ہیں اور ہونہار بچے بچپن ہی میں اپنی طبائع کا میلان ظاہر کردیتے ہیں امیر عبدالرحمن نے بچپن ہی میں کئی باتوں میں اپنی آیندہ عظمت ارادہ کے استقلال اور نہ جھنپنے اور نہ ہارنے والی ہمت کے ثبوت دیدیئے تھے مگر اس وقت کون ان باتوں سے یہ نتیجہ نکال سکتا تھا کہ امیر دوست محمد خاں نے جس سلطنت کو قایم کیا ہے اسپر اسکے بیشمار بیٹوں اور پوتوں میں اسکا خوش نصیب جانشین سردار افضل خاں کا کابل کی گلیوں میں آوارہ پھرنے والا لڑکا ہوگا جو اس رعب و شوکت اور جلال و جبروت سے حکومت کریگا کہ احمد شاہ اور نادر سے لیکر افغانستان کے کسی بادشاہ نے نہیں کی۔ اس زمانہ میں بھی افغانستان میں ایسی ہی تعلیم تھی جیسی کہ آجکل ہے لیکن آجکل کے شہزادگان کو یورپین تعلیم اور اطوار حاصل کرنے کے کئی موقعے حاصل ہیں جو امیر عبدالرحمن کے بچپن کے زمانہ میں نہیں تھے اسلیئے امیر صاحب کی تعلیم بہت کم درجہ کی ہے تاہم فن شہسواری اور نیزہ آزمائی میں اعلے استعداد بہم پہونچائی کہ جسکا ثبوت بعد کی زندگی میں زمانے اس کثرت سے دیکھ لیا۔

امیر عبدالرحمن خاں کی طفولیت

امیر صاحب کی عمر سولہ سترہ سال کی ہوگی کہ انہیں ایک عجیب شوق پیدا ہوا۔ ایک لکڑی کو دونوں طرف سے ڈنڈوں سے باندھ کر چار آدمی کندھوں پہ اٹھاتے تھے اور نوجوان سردار عبدالرحمن بندوق لیکر اسمیں ٹانگیں پھیلا کر سوار ہوجاتے

اور یہاں ہیبت کہ ذاتی کابل کی گلیوں میں کتے مارا کرتے - سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتے اس عجیب شکاری کی بندوق کا شکار ہو گئے - لوگ اور خصوصاً شاہی خاندان کے لوگ ہنستے ہونگے کہ یہ لڑکا کیسا اُٹھلاہٹ - مگر تقدیر اُنپر ہنستی ہوگی کہ دیکھ لینا کچھ مدت کے بعد اِسے لڑکے سے ایسے ایسے کام بن پڑینگے کہ امیر دوست محمد کی نسل کا فخر سمجھا جاویگا - اور ایشیا کے نہیں بلکہ یورپ کے انیسویں صدی کے اس آخری حصہ کے مدبر اور پولیٹیکل دقیقہ فہم اسکی صائب رایوں اور پُر مغز تجویزوں پر عش عش کر اُٹھینگے -

چھٹپن سے ہی میر عبدالرحمٰن کو خوشامد اور متابعت سے نفرت تھی - اور یہ کسی اتالیق کی حکومت نہیں مانتے تھے - انکی طبیعت میں ایک قدرتی شوخی تھی اور مثل سیماب کے انکو ایک جگہ قرار نہ تھا - جب سردار افضل خاں ترکستان کے گورنر تھے تو انکے مشیر و ملازم عبدالرحمٰن کی خودسری کے باعث اکثر اُس سے کشیدہ خاطر رہا کرتے تھے آخر اُنہوں نے ایک دن موقع پا کر چغلی کھائی کہ آپکا بیٹا شراب بہت پیتا ہے - سردار افضل خاں کو ان نامردوں کی بات پر اعتبار آگیا اور حرم سرائے میں جا کر اہل خانہ یعنی والدہ عبدالرحمٰن خاں سے کہا کہ مجھے معتبر آدمیوں سے خبر ملی ہے کہ تیرا بیٹا بدچلن ہو گیا ہے - ہر روز شراب پیتا ہے - اور روز و شب نشہ میں سرشار رہتا ہے - امیر عبدالرحمٰن خاں کی والدہ نے کہا شاید ایسا ہو مگر مجھے عبدالرحمٰن کی عادات و اطوار سے یہ امر بعید معلوم ہوتا ہے - سردار افضل خاں نے کہا خیر میں آج اُسکو بلا کر اِس معاملہ کی تحقیقات کروانگا - قریب پانچ بجے شام کے حکم ہوا کہ عبدالرحمٰن خاں کو بلاؤ - افضل خاں اُس وقت حرم سرائے[1] میں تھا - چنانچہ وہیں طلبی ہوئی -

---

[1] افغان امیروں اور سرداروں کی بیویاں چار ہی ہوتی ہیں مگر کنیزیں اور سرتیاں (کہ جن سے بلوا بیچ کر نکاح پڑھا جاتا ہے اور دولہا کی موجودگی ضروری نہیں ہوتی) بیسیوں ہوتی ہیں - اِس لئے حرم سرائے بہت وسیع اور فراخ ہوتا ہے - م

جب عبدالرحمن حرم سرائے میں داخل ہوا تو جا بجا راستہ میں کنیزیں کھڑی ہوگئیں
اور انہوں نے یکے بعد دیگرے الائچیاں عبدالرحمن کو دیں کہ اگر شراب پیتا ہے
تو انکی خوشبو شراب کی بدبو پر غالب آجائیگی اور سردار افضل خاں تمیز نہ کرسکیگا کہ وہ
اسوقت مخمور ہے مگر عبدالرحمن خاں چغلخوروں کی کاستانی سے بالکل غافل تھا پہلے تو
اُسنے ایک دو سے الائچیاں لیکر کھائیں مگر اسکو تعجب ہوا کہ سب خلاف معمول الائچیاں
کیوں لائے ہیں۔ پھر اسنے سبب دریافت کیا تو انہوں نے متفق ہوکر جواب دیا کہ
تمہارے والد کو تم پر مے نوشی کا شبہہ ہے شاید تمہارے مونہہ سے بدبو نہ معلوم
کرلے۔ عبدالرحمن خاں سب الائچیاں لیکر جیب میں ڈالتا ہوا باپ کے حضور میں
پہنچا اور سلام علیکم کرکے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سردار افضل خاں نے کہا عبدالرحمن
میرے قریب آکر بیٹھو اور مُنہ سے ہف کر۔ عبدالرحمن خاں نے بلا تامل والد کے حکم
کی تعمیل کی۔ وہ پاک تھا۔ اُسے کسی کا کیا باک تھا۔ اس لیے مُنہ سے کسی قسم کی بو نہ نکلی
تھوڑی دیر ٹھہر کر سردار افضل خاں نے کہا کہ عبدالرحمن یہیں آرام کروگے یا جاؤ گے
نوجوان مگر آزاد مزاج سردار نے دلمیں سوچا کہ ایک خروار[*] تو اسکی بیویاں ہیں
میں یہاں کہاں آرام کرسکونگا۔ چنانچہ اسنے بلند آواز سے کہا میں یہاں نہیں رہونگا۔
اسکے بعد اسکے باپ کے ملازموں نے اس پر ایک اور حملہ کیا۔ عبدالرحیم آخونزادہ
نے جو ابتک زندہ ہے اور امیر صاحب نے آجکل اسکو میمنہ کا گورنر بنایا ہے۔ دیگر مصاحبان
سردار افضل خاں سے ملکر شکائتیں کرنی شروع کیں کہ عبدالرحمن خاں نے چرس پینی شروع
کی ہے۔ ہر روز پاؤ بھر پیتا ہے اور دیوانہ ہوگیا ہے۔ اگر جلدی کوئی انتظام نہ کیا گیا
تو لوگوں کو نقصان پہونچائیگا۔ باپ نے بلا مزید تحقیقات کے بیٹے کو دیوانہ تصور کرکے
قید کردیا۔

مے نوشی کا شبہہ

باپ کی قید میں

---

[*] ایک خروار مساوی ہے ۸۰ سیر کے اور ایک سیر مساوی ہے ۲ سیر انگریزی کے ۱۲

عبدالرحمن خاں کو قید میں چھ ماہ گذر گئے۔ اس آزاد نوجوان کو یہہ قید کی زندگی کتنی شاق گذری تھی۔ کبھی کبھی سخت گھبراتا تھا اور طیش میں آ کر کپڑے پھاڑ ڈالا کرتا تھا۔ اسی اثناء میں بیوی مروارید[1] جو سردار افضل خاں کے حرم کی سردار تھی اور کابل میں رہتی تھی بلخ میں جا پہنچی۔

جب بی بی مروارید علاقہ ترکستان میں داخل ہو کر حرم سرا میں پہونچی تو سب بیبیوں نے استقبال اور دست بوسی کے بعد بجواب خیریت کے گریبان چاک کر ڈالے اور رونے لگیں۔ بیوی مروارید حیران ہوئی کہ یہہ کیا ماجرا ہے اور وجہ گریہ بکا دریافت کی۔ انہوں نے رو کر جواب دیا کہ صرف ایک چراغ اس اندھیرے گھر کا اجالا تھا۔ اسی کو دشمن گل کیا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمن کو چھ ماہ سے چغلخوروں اور بدخواہوں نے قید کرا رکھا ہے اور ہمیں بے اولاد کر دیا ہے۔ پہلے اسے قید سے نکلوا پھر خیر و عافیت دریافت کرو۔

عبدالرحمن کے والد بزرگوار بھی اپنی زبردست بیگم کی سفر سے آنے کی خبر پاکر حرم سرا میں ملاقات کو آئے۔ جب سردار صاحب نے خیر و عافیت پوچھی تو بیوی

[1] بی بی مروارید قلعہ حشمت خاں میں جو اسکے باپ کی وراثت تھی اور پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی اب بھی آمدنی سے رہتی تھی۔ یہ بیوی امیر دوست محمد خاں کی حقیقی بھتیجی تھی اور اسکا امیر دوست محمد کی طرف سے علیحدہ مواجب مقرر تھا۔ یہی بی بی مروارید ہے جسنے افضل خاں کے قید ہونے پر جیسا کہ میں پہلے باب میں لکھہ چکا ہوں۔ مبلغ پچیس ہزار روپیہ سردار اعظم خاں کے پاس ہندوستان میں بھیجا تھا۔ اسکی بطن سے صرف ایک بیٹی شاہ بو جان امیر صاحب کی چھوٹی بہن پیدا ہوئی۔ جو چار پانچ سال گذرے ہیں امیر عبدالرحمن خاں نے کابل سے خارج کر کے ہندوستان کو بھیجدی تھی جہاں پہلے سے اسکا شوہر پناہ گزین ہے اور ایک سال کے بعد پھر منگوالی۔ اسکی وجہہ صرف یہہ تھی کہ امیر صاحب کو شبہہ ہوا تھا کہ شہزادہ حبیب اللہ خاں اسکے مکان پر دعوتیں مرتبہ گیا تھا۔ سردار افضل خاں کی ان دو بیٹا بیٹی کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی۔ بہرحال بی بی مروارید افغانستان کی زبردست عورتوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔

مروارید نے نہایت خشمناک ہوکر کہا کہ تمہارے وزیروں کی ڈاڑھی میں پیشاب
کیا یہ تم نے کیا حرکت کی ہے۔ سردار صاحب نے کہا کہ وہ واقعی دیوانہ ہے میں نے اِسلئے
اُسے قید کر رکھا ہے کہ کسیکو مار نہ دے۔ بیوی مروارید نے جو اپنے شوہر پر خوب
حاوی تھی حکم دیا کہ سردار عبدالرحمن کو فوراً رہا کر کے لاؤ۔ جب عبدالرحمن خاں
کو رہا کر کے حرم سرائے کے دروازہ پر لائے تو اُسنے حرم سرائے میں قدم رکھنے سے
انکار کیا اور کہا کہ میں دیوانہ ہوں سرداری اور سودائی کا ہوشمندوں کے
سامنے کیا کام۔ جب عبدالرحمن کا جواب حرم سرائے میں پہونچا تو بیوی مروارید نے
کہا دیکھو سردار تیرا بیٹا کیسا ہوشیار اور زیرک ہے۔ بھلا کبھی دیوانہ بھی ایسی باتیں
کرتا ہے۔ اُس وقت سردار افضل خاں کو یقین ہوا کہ میں غلطی پر ہوں۔ بیوی صاحبہ
نے فوراً خلعت فاخرہ عبدالرحمن کے لئے ارسال کیا۔ اور حمام سے فارغ ہوکر
عبدالرحمن خاں اپنی ماؤں کی خدمت میں سلام کے لیئے لائے گئے۔ بیویوں نے جس وقت
عبدالرحمن کی صورت دیکھی تو اُنہیں چاند سا چڑھ گیا۔ بلائیں لینے لگیں اور ہزاروں
روپیہ اِس نور بصر کے اوپر سے تصدق کر کے غربا کو تقسیم کیا۔

عبدالرحمن کے دشمنوں نے جب دیکھا کہ دوسرا وار بھی خالی گیا تو وہ ایک اور
چال چلے۔ سردار افضل خاں کو سمجھانے لگے کہ چشم بددور آپکا صاحبزادہ اب جوان ہوا
ہے۔ اُسکو بیکار نہیں رکھنا چاہیئے۔ کوئی خدمت اُسکے سپرد کرنی چاہئیے۔ افضل خاں
نے پوچھا کہ کیا خدمت سپرد کیجائے تو اُنہوں نے عبدالرحمن کی شجاعت دلاوری
اور شہسواری کی حد سے زیادہ تعریف کی اور کہا کہ اس سے بہتر کوئی شخص باغیوں
کی سرکوبی کے لیئے نظر نہیں آتا۔ سردار افضل خاں پھر اپنے مصاحبوں کے بہرے
میں آگیا اور عبدالرحمن خاں کو جرنیل کا خطاب دیکر علاقہ قطغن کیطرف روانہ کیا
جہاں کی رعایا میں اندنوں شورش برپا تھی۔ عبدالرحمن خاں کے قطغن کیطرف

قطغن کو فوج کشی



روانہ کرنے میں اُسکے دشمنوں کی یہہ غرض تہی کہ یا تو یہہ باغیوں کی لڑائی میں مارا جاویگا اور یا اوزبک اسے قید کرکے غلام بنا کر بیچ ڈالیں گے۔ مگر سچ ہے کہ ع خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد ✦ خدا کے فضل و کرم سے عبدالرحمٰن مظفر و منصور واپس آیا۔ لاریب جب خدا مہربان ہو تو شور بختوں کی حسد سے مقبلوں کو کچھ نقصان نہیں پہونچ سکتا۔

جب باغیوں کا قرار واقعی قلع قمع کرکے عبدالرحمٰن خاں واپس آیا تو باپ نے نہایت محبت سے گلے لگایا۔ زر سُرخ و سپید اُسکے سر پر سے نثار کیا اور کہا بیٹا مجھے خبر نہیں تھی کہ تو جیسے رستم ہے اور تمہاری شجاعت لوگوں کی آنکھ میں کانٹا ہوکر کھٹک رہی تھی۔ نوجوان سردار کی اس فتح کا چارو نطرف شہرہ ہوگیا اور اُسکے مخالف کے دلپر ایسا رُعب چھایا کہ پھر اُنکو مخالفت کا حوصلہ نہ پڑا۔ یہہ زمانہ تھا کہ جبکہ امیر شیر علیخاں نے حِیل و مکر سے سردار افضل خاں کو قید کر لیا اور کچھ مدت بعد عبدالرحمٰن خاں نے مردانہ وار اپنے باپ کو قید سے رہا کرکے سردار افضل خاں سے امیر افضل خاں بنایا تھا۔

باب سوم

انقلاب

دوسرا باب ایک جملہ معترضہ سمجھنا چاہئیے کہ جسمیں امیر صاحب کے بچپن کے چند متفرق حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اب میں پھر اصل سلسلہ واقعات کی جانب متوجہ ہوتا ہوں کہ جسمیں نوجوان عبدالرحمٰن نے شروع ہی سے کابل کی تاریخ بنانے میں بہت بڑا حصہ لینا شروع کر دیا تہا ✦

اگرچہ امیر افضلخاں اپنے بیٹے کی ہمت اور بہادری کی بدولت قید سے نکلکر

والی کابل ہوگیا۔ مگر سر جان لارنس نے جو ان دنوں گورنر جنرل ہند تھے اُسے بجائے امیر افغانستان کے صرف والی کابل لکھنے پر اکتفا کیا۔ وہ خط بجنسہ حسب ذیل ہے:-

"یہ ہمارا فرض ہے کہ آپکو آگاہ کردیں کہ موجودہ صورت میں ہماری شہرت اور حمیت سے بعید ہے کہ ہم امیر شیر علیخاں سے بگاڑ پیدا کریں۔ وہ ابھی تک قندہار اور ہرات پر قابض ہے جو افغانستان کا بڑا حصہ ہے۔ مشفق من تمکو واضح ہو کہ ہماری گورنمنٹ کا تعلق اصلی والی افغانستان سے ہے۔ اگر خدا تمہیں توفیق دے اور تم تمام افغانستان کے مالک ہو کر انگریزوں کے خیر خواہ اور ہوا خواہ دوست بنے رہو تو ہم فوراً تمہیں اپنا دوست قبول کرلیں گے۔ مگر موجودہ حالت میں ہم امیر شیر علیخاں سے رابطہ اتحاد جو مدت سی قایم ہے توڑ نہیں سکتے اور اُسے اُس حصہ کا جائز والی تسلیم کرتے رہینگے جسپر کہ وہ حکمران رہیگا۔ صداقت نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم صاف صاف الفاظ تمہارے پاس لکھکر بھیجدیں۔"

امیر افضل خاں کی بیہوشی اور سردار اعظم خاں کے مظالم

ان دنوں میں اگرچہ امیر افضل خاں کابل کا حکمران تھا مگر در اصل وہ برائے نام امیر تھا۔ تمام سیاہ و سپید کا مالک سردار اعظم خاں تھا۔ جسے افضل خاں نے اپنا وزیر مقرر کیا ہوا تھا۔ اعظم خاں کو امیر افضل خاں نے اسقدر سر چڑھایا ہوا تھا کہ اُسکے مشورہ کے بغیر کچھ کام نہ کرتا تھا۔ معمولی باتوں میں بھی اُسکی صلاح لے لیتا تھا یہانتک کہ خود امیر افضل خاں تو بالا حصار کے اوپر ایک مکان میں مقیم تھا اور امیر دوست محمد کے اعلےٰ درجہ کے مکانات اور محلات سردار اعظم خاں کے قبضہ میں تھے۔

سردار عبد الرحمن یہ حال دیکھکر اندر ہی اندر کڑھتا تھا مگر اُسے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ اُسنے ایک دو دفعہ والد بزرگوار کو سمجھانا چاہا مگر والد نے اُسکی طرف توجہ نہ کی۔ ناچار وہ خاموش ہو رہا اور بطور ایک مہمان کے قلعہ بالا حصار کے

باغ میں رہنے لگا۔ کبھی کسی فوج کو دیکھ لیا کرتا تھا۔ ورنہ روز و شب باغ میں ہی رہتا تھا۔ جب سردار اعظم خاں نے کاروبار سلطنت سنبھال لیا تو سردار افضل خاں شراب خوری اور آرام طلبی کے ہاتھ بک گیا۔ ترکی میں ایک مثل ہے کہ "شراب اعتدال سے پیو تاکہ تم شیروں سے جنگ کر سکو اور بے قدر نہ پیو کہ کتے آکر تمہاری آنکھیں نکال لیں" مگر افضل خاں نے اِس مثل کی کچھ پرواہ نہ کی اور ہر وقت نشہ میں چور رہنے لگا۔ یہ شعر گویا اُنکا تکیہ کلام ہو گیا تھا ؎

شراب کہنہ کہ روشن گر روان ست
مصاحب من و پیر من و جوان من ست

سردار افضل خاں یہانتک نشہ میں غرق رہنے لگا کہ جب سہپر کے چار بجتے تھے تو اُسکو سر و پا کی ہوش نہ رہتی تھی اور اِس قابل نہ رہتا تھا کہ حرم سرا سے باہر آسکے۔ امیر کا تو یہہ حال تھا اور وزیر نے سخت گیری ظلم جبر اور تعدی شروع کر دی۔ ذرہ ذرہ سی بات پر لوگوں کا گھر بار لوٹنا اور مال و اسباب ضبط کر لینا تو اُسکے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو گیا۔ لوگوں سے جبراً قرض لینا تہا اور اگر حیلہ و حجت کرتے تو انہیں ذلیل اور رسوا کرتا تہا۔

محمد رفیق کا مارا جانا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ محمد رفیق خاں پر آپ ناراض ہو گئے۔ یہہ وہی شخص ہے جو انگریزوں کا ہوا خواہ تھا اور انگریزوں کے پاس امیر شیر علیخاں کی طرف سے روپیہ لینے پشاور گیا تھا۔ ناراض آپ اِس شبہ پر ہو گئے کہ وہ انگریزوں سے ملا ہوا ہے اور اُسی کی شرارت سے سر جان لارنس نے مراسلہ میں بجائے "امیر افغانستان" کے "والی کابل" لکھکر سردار افضل خاں کی سخت تحقیر کی ہے۔ اُس بیچارہ نے ہر چند واویلا کی کہ میں بیگناہ ہوں مگر کون

سنتا تھا۔ اگست ۱۸۶۶ء میں اعظم خاں نے محمد رفیق کو[1] پکڑ کر شارع عام میں گلا گھونٹ کر مار دیا۔ مگر اسپر بھی صبر نہ کیا۔ اسکا گھر بار بھی لوٹ لیا اور اسکی عورتوں کو ننگے سر بازاروں میں تشہیر کیا۔ پھر اس مظلوم کی نعش کو کابل کی موریوں میں پھینکا گیا۔ اعظم خاں نے صرف محمد رفیق ہی کا یہ حال نہیں کیا بلکہ قریب ڈیڑھ سو کے معزز سردار ایسے کر دیئے۔ اور انمیں سے چند ہی زندہ قیدخانہ سے برآمد ہوئے۔ اعظم خاں نے جفا و جور کا بازار گرم کیا ہوا تھا اور افضل خاں نشۂ شراب خانہ خراب میں دنیا و مافیہا سے مدہوش تھا مگر شیر علیخاں دن رات اس فکر میں تھا کہ کسی طرح پھر کابل کو فتح کرے۔ وہی شریف خاں جسنے جانبازی پر سردار محمد علی متوفی کے ہاتھ سے شکست کھائی تھی۔ اب اپنی حرکت پر پشیمان ہو کر شیر علی خاں سے آملا تھا۔ اس وقت بقول انگریز مورخان کے قندہار کے ساہوکاروں نے امیر

امیر شیر علیخاں کا کابل پر بڑھنا

---

[1] محمد رفیق کے قتل کے دردناک واقعہ کو ہم میں ایک شخص کی زبانی لکھتا ہوں جو اس بد نصیب کے گلا گھونٹے جانے کے وقت پاس موجود تھا۔

سردار شاہنواز خاں پسر سلطان جان و سردار جلال الدین خاں پسر سردار اکبر خاں نے سردار اعظم خاں سے شکایت کی تھی کہ محمد رفیق لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرتا ہے چنانچہ ایک روز دس بجے صبح کے قریب محمد رفیق خاں سردار اعظم خاں کے سلام کیلئے دربار میں حاضر ہوا یہ دربار امیر دوست محمد خاں کی خوابگاہ میں لگا ہوا تھا۔ چائے سامنے رکھوا کر سردار اعظم خاں پاس سے اٹھ گیا اور اتنے میں شہباز خاں خواصی ہاتھ میں پھانسی کی رسی لئے ہوئے داخل ہوا۔ محمد رفیق خاں نے دریافت کیا کہ یہ رسی مجھکو پھانسی دینے کیلئے لائے ہو۔ اسنے کہا ہاں۔ تو رفیق خاں نے کہا کہ مجھے غسل کرکے پاک ہو لینے دو۔ اسپر شہباز خاں نے گلے میں رسی ڈالدی اور دو آدمیوں نے دونوں طرف سے کھینچکر اسکا گلا گھونٹ دیا۔ ابھی جان نہیں نکلی تھی کہ سردار محمد اسمٰعیل خاں والد سردار محمد امین خاں نے یہ کہکر ایک پیش قبض اسکے پیٹ میں گھونپ دی کہ تم نے مجھے کابل قندہار کے رستہ میں کہا تھا کہ تمہارے باپ کے منہ میں پیشاب کیا۔ اس بیچارہ کا پیشاب پاخانہ اور انتڑیاں خون میں ہوگئیں اسکی جائداد ضبط کی گئی اور اسکے مکان سے علاوہ دیگر مال و اسباب کے چار ہزار بندوق نکلی۔ لاش کو پاخانوں میں پھینکا دیا گیا۔ اور ملاؤں نے غسل دیکر دفن کر دیا۔ (محبوب عالم)

شیر علیخاں کو ایک لاکھ روپیہ اسی واسطے قرض دیا تھا کہ تم کابل پر چڑہائی
کرکے قسمت آزمائی کرو۔ غرض اسنے بڑی ہمت کرکے ایک ہزار سوار
بہم پہونچائے اور ۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء کو کابل کیطرف روانہ ہوا۔ ادہر سے سردار
عبدالرحمن خاں اور وزیر اعظم خاں اُسکے مقابلہ کے لیئے بڑہے۔ امیر شیر علی نے
بڑی دلاوری سے مقابلہ کیا مگر شکست و فتح نصیبوں سے ہوتی ہے۔ ۱۲
جنوری ۱۸۶۷ء کو امیر شیر علیخاں کا لشکر ہزیمت کھا کر پسپا ہوا۔ اور وہ
خود ہرات کیطرف بھاگ گیا اور فتحیابوں نے قندہار پر بھی قبضہ کرلیا۔ اِس
فتح کی نسبت امیر عبدالرحمن خاں نے ایک جگہہ یوں لکھا ہے:۔ "خدا ہماری طرف
تھا اسلیئے امیر شیر علی پہر شکست یاب ہوا اور میری فوج نے ۱۸۶۷ء کے سوم
غرہ اں میں قندہار پر قبضہ کرلیا"

اسکے بعد ۲۵ فروری ۱۸۶۷ء کو سرجان لارنس نے ایک اور خط امیر فضلخاں
کے نام لکھا جسکا مضمون مفصلہ ذیل ہے۔ سر جان نے لکھا:۔

افغانستان کے دو امیر

"مشفق من۔ ہمنے اپنے پہلے خط میں آپکو لکھا تھا کہ ہم اُسکے دوست ہیں
"جو واقعی والی افغانستان ہو۔ مگر جب تک امیر شیر علی ہرات پر قابض
"ہے اور ہماری دوستی پر کمربستہ ہے۔ ہم اُس سے بگاڑ نہیں سکتے۔ لیکن اُسی
"اصول پر ہم آپکو بہی امیر کابل و قندہار تسلیم کرنے پر مستعد ہیں اور اسی
"حیثیت میں ہم سرکار انگلشیہ کی خیرخواہی کا تمہاری نسبت اظہار
کرتے ہیں"

اس خط میں سرجان لارنس نے جیسا کہ پہلے خط میں تھا سردار افضل خاں کو
والی کابل نہیں لکھا تھا بلکہ امیر کابل و قندہار لکھا تھا جس خطاب کی اعظم خاں کو سخت تمنا تھی

ٍ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکتی کہ جبکہ جیسا لاکھ کا محاصل کا علاقہ فرح اور قندہار اور ہرات و تعلقات وغیرہ
اسکے قبضہ میں تہے پہر اسکو ایک لاکھ قرضہ کی کیا ضرورت تھی۔ لاکھ روپیہ اس صورت میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا

لکھتے ہیں کہ ایک دن عبدالرحمن خاں نے اپنے والد اور چچا کو لکھا کہ انگریز دوستی کے
پکے ہوتے ہیں تم خط و کتابت کرکے اُن سے سلسلہ یگانگت قائم کرو۔ اس پر اعظم خاں
نے تند ہوکر جواب دیا کہ راولپنڈی میں مجھے انگریزوں نے بہت تنگ کیا تھا وہ
کم ظرف ہیں ایسے لوگوں سے دوستی روا نہیں ہے۔ افضل خاں خود تو صم بکم تھا مگر اسنے اپنے
بھائی کی تائید کی۔ اور عبدالرحمن خاں سے سوائے خاموشی کے اور کچھہ بن نہ آیا۔

فیض محمد خاں سے جسنے ۱۸۶۵ء میں عبدالرحمن خاں کی بخارا سے آتے ہوئے
مدد کی تھی۔ عبدالرحمن نے یہہ وعدہ کیا تھا کہ اگر کابل مجھے ملا تو ترکستان تمہارا ہے۔
اب کابل لینے کے بعد اعظم خاں نے فیض محمد خاں کو لکھا کہ تم ہمارے ماتحت ہو مالیہ ہمیں بھیجا کرو تمکو
تنخواہ بھیجا کرینگے۔ اسنے جواب دیا کہ مجھہ سے عبدالرحمن خاں نے اُس کڑی وقت میں عہد کیا تھا کہ ترکستان
تمہیں دونگا۔ یعنی بخارا سے اُسے بلاکر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ جب یہ پیغام کابل میں پہنچا تو اعظم خاں نے
ولی محمد خاں برادر فیض محمد خاں کو قید کر لیا اور عبدالرحمن خاں سے کہا کہ تم
فیض محمد خاں پر چڑھائی کرو عبدالرحمن خاں کو اپنا عہد یاد آگیا اور کہا
کہ میں عمم اسیر لشکر کشی نہیں کرتا۔ اگر وہ کابل پر چڑھ آیا تو اُس سے لڑونگا
وزیر اعظم خاں یا اسکا بیٹا سردار جان اُسکے مقابل میں جائیں۔ اس اثنا میں
فیض محمد خاں امیر شیر علی سے جا ملا جو شاہ ایران سے اور روسیوں سے
امداد طلب کر رہا تھا۔ ان دنوں کثرت مے نوشی سے امیر افضل خاں بستر مرگ پر
لیٹا ہوا تھا عبدالرحمن خاں اسکے پاس گیا اور کہا کہ آپ مجھے اپنا ولیعہد
مقرر فرمائیں مگر کثرت مے نوشی سے افضل خاں کے حواس بجا نہ تھے۔ اُسنے یہی
جواب دیا کہ اعظم خاں قندھار میں ہے اُسکے آنے کے بغیر کچھہ نہیں ہو سکتا۔ اس واقعہ
کے ایک دن بعد اعظم خاں نے نہایت وحشیانہ طور پر عبدالرحمن خاں کو لکھا
کہ میں جانتا ہوں تمہارا باپ بیمار ہے۔ لیکن وہ حالت نزع میں ہے اور

اعظم خاں کے باقی کارنامے

عبدالرحمٰن خاں کا شیر علیخاں اور فیض محمد سے مقابلہ

تم مردے کو نہیں جلا سکوگے۔ کیوں نہیں غنیم کی سرکوبی کے واسطے آتے۔ ناچار عبدالرحمٰن باپ کو بیمار چھوڑ کر دشمن کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ اس واقع کی نسبت امیر عبدالرحمٰن خاں یوں تحریر کرتا ہے۔ "ناچار باپ کو بیمار چھوڑ کر میں دشمن کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اور میرا مقابلہ امیر شیر علی اور فیض محمد کی فوج سے درہ نیجسر پر ہوا۔ لڑائی تمام رات ہوتی رہی علی الصبح فیض محمد ہماری توپوں کا نشانہ ہوگیا اور شیر علی ہرات کو بھاگ گیا"۔ امیر عبدالرحمٰن نے بلخ پہنچکر اُس پر قبضہ کر لیا اور سب جگہ اپنا تسلط بٹھایا۔ یہ لڑائی ۱۳ ستمبر ۱۸۶۶ء کو ہوئی اور شروع اکتوبر میں عبدالرحمٰن خاں کابل لوٹ آیا۔ اعظم خاں قندھار سے پہلے ہی کابل آچکا تھا اور اُسنے کہا کہ اب مردہ میں جان ڈالنا ناممکن ہے۔ واقعی افضلخاں کی بیماری کثرت مے نوشی سے حد علاج سے گذر چکی تھی چنانچہ عبدالرحمٰن کے کابل پہنچنے سے تین دن بعد وہ جاں بحق تسلیم ہوا۔ امیر افضل خاں نے سولہ ماہ تک کابل میں حکومت کی اور جب اُسنے وفات پائی تو اُسکی عمر[۵] چھپن سال کی تھی۔ ہرچند کہ مدت حکومت بہت قلیل ہے۔ لیکن تاریخ میں افضل خاں افغانستان کا دوسرا امیر شمار ہوتا ہے۔

سردار افضل خاں کا انتقال

امیر افضل خاں کی وفات کے بعد سردار عبدالرحمٰن خاں کو امید تھی کہ لوگ مجھے امیر بنائینگے۔ کیونکہ امیر مرحوم کا میں ہی بیٹا اور جانشین ہوں مگر اُسکے چچا اعظم خاں کا رسوخ زبردست تھا اور بہوسی سرداریہ بھی اُسکی طرف تھی۔ اُسنے عبدالرحمٰن کو بلا کر کہا کہ تمہاری دال سردار اعظم خاں کے مقابلہ میں نہیں گلنے کی۔ بہتر ہے کہ تم دعوائے تخت نشینی سے دستبردار ہو جاؤ۔ ایک دوسرا بیان ہے کہ اعظم خاں نے علیحدہ ہو کر عبدالرحمٰن سے کہا کہ مجھے کچھ عذر نہیں تم تخت و تاج سنبھالو۔ لیکن عبدالرحمٰن نے دانائی سے یہ عطیہ نامنظور کیا۔

[۵] بقول دیگر اڑھائی سال افضل خاں کی اور ڈیڑھ اعظم خاں کی کل ملا کر چار سال رہی ۱۲۔

اُنے خود اعظم خاں کو دربار عام میں تخت پر بٹھایا اور شمشیر امارت اسکی کمر
باندھی اور اپنے لیئے منصب سپہ سالاری پسند کیا۔[1] ایک تیسرا بیان جو مجھے زبانی
ملا ہے یہہ ہے کہ سردار عبدالرحمن خاں نے اپنے باپ کی دستار، عصا اور تلوار سردار
اعظم کو اپنے ہاتہہ سے سپرد کرکے کہا کہ یہ میرے باپ کی ہیں اور میں تمکو اپنے باپ
کی بجائے سمجھتا ہوں اور میں خود اپنے باپ کی ریاست میں بلخ کو چلا جاتا ہوں۔
جب افضل خاں کا چالیسواں ہوچکا تو عبدالرحمن خاں کے دل میں یہ
سمائی کہ شیر علیخاں کو بالکل نیست و نابود کردینا چاہیئے۔ چنانچہ یہ عزم کرکے
وہ پہر ہندوکش سے گذرا۔ جب شیر علیخاں کو اُسکے آنے کی خبر ہوئی تو وہ ہرات
کو چلا گیا۔ اور عبدالرحمن اکشہ اور میمنہ پر حملہ آور ہوا۔ اور اول الذکر جگہہ کے
دو سرداروں کو زندہ دفن کردیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں اُسکی دہشت
بیٹھ جائے۔ میمنہ میں اُسے خاطر خواہ کامیابی نصیب ہوئی۔ وہاں کے حاکم
نے قلعہ بند ہوکر شرائط منظور کرلیں اور عبدالرحمن کے ہاتہہ بہت سا روپیہ
اور ایک جہانگیر کے وقت کی توپ آئی جو اُس وقت ایک قابل قدر تحفہ
سمجھی جاتی تہی۔ وہاں سے عبدالرحمن تختہ پل کو چلا گیا۔
امیر عبدالرحمن خاں نے اپنی توزک میں لکہا ہے کہ جب میں تختہ پل میں
تہا تو میرے پاس دو ایلچی بخارا سے آئے۔ ظاہرا تو وہ ماتم پرسی کو آئے مگر در اصل
اُنکا مطلب یہہ تہا کہ مجہہ سے روسیوں کے مقابلہ کے لیئے بارہ ہزار سوار لیویں
مگر میں نے اُنکی بات کو نہ مانا اور کہا کہ میرا ارادہ روسیوں سے دوستی قائم رکہنے کا

---

[1] البتہ عبدالرحمن خاں نے ایک انگوٹہی چاندی کی اپنے باپ کی اپنے پاس رکہلی اور وہ
اب تک امیر عبدالرحمن خاں کے پاس ہے جسکو وہ اپنے مہر کے ساتہہ پاکٹ میں رکہتے ہیں۔ اور
اسمیں بہت چہوٹا سا نگینہ لگا ہوا ہے جس پر افضل خاں کا نام کندہ ہے۔ امیر صاحب
کہا کرتے ہیں کہ باپ کی جائداد سے مجھے فقط یہ چیز ملی تہی ۔ ۱۲

ہے۔ لیکن دوسرا مورخ لکھتا ہے کہ عبدالرحمن نے حاکم بخارا سے مدد کا اقرار کیا
مگر ساتھہ ہی اسکے یہہ بھی کہا کہ جب تک میمنہ فتح نہ ہولے میں مدد نہیں دیسکتا
سردار عبدالرحمن خاں تو میمنہ کے بکھیڑے میں گرفتار رہا۔ ادہر امیر شیرعلیخاں
کو موقع ملگیا۔ اسنے اپنے لایق بیٹے سردار یعقوب خاں کو قندہار فتح کرنیکے لیئے
روانہ کیا۔ کابل میں اعظم خاں سے لوگ خوش نہ تہے رعایا اسکی سخت گیری اور
ظلم کے باعث اُس سے نفرت کرتے تھے۔ امیر شیرعلیخاں تو کابل لینے کی فکر میں
شب و روز غلطاں و پیچاں تہا اور اعظم خاں ایک شخص مسمی رومی سید سے
جو قسطنطنیہ کا باشندہ تھا اور جسے لوگ روس کا جاسوس سمجھتے تھے مشوروں میں
مشغول تہا جب شیرعلیخاں ہرات سے فوجکشی کرکے غزنی میں داخل ہوگیا تو
اسکی آنکھ کھلی۔ اور کابل سے غزنی کو روانہ ہوا۔ اور ساتھہ ہی عبدالرحمن خاں کو
لکھا کہ محمد اسمعیل پسر امین خاں کو ہماری کمک کو بہیجو اور خود بھی جلد پہنچو۔
محمد اسمعیل جب آیا تو کابل کو خالی دیکھکر وہیں اکڑ بیٹھا اور غزنی کو نہ
گیا۔ عبدالرحمن خاں تختہ پل سے روانہ ہوا اور بامیان سے گزر کر غزنی کیطرف
آیا۔ جنرل نصیر خاں کو جو اعظم خاں کی کل فوج کا کمانڈر تھا حکم دیا گیا کہ رستہ
کی قلعبندی کرکے فوج جھلادی۔ مگر اُس بیفکرے نے شراب پیکر توپوں کے گھوڑے
آٹھ کوس آگے بہیجدیئے اور خود رات بھر افغانی عیش و عشرت میں مشغول رہا۔
طلوع آفتاب کے وقت عبدالرحمن خاں اوس مورچہ پر پہنچا جہاں جان محمد خاں فرامرز خاں
اور پروانہ خاں وغیرہ موجود تہے۔ عبدالرحمن نے دریافت کیا کہ تمنے توپیں کہاں
لگائیں۔ نصیر خاں نے کہا کہیں نہیں اب جہاں چاہو لگالو۔ عبدالرحمن خاں نے
کہا گھوڑے کہاں ہیں۔ لوگوں نے بتلایا وہ تو آٹھ کوس آگے بہیج دیئے گئے ہیں
اسنے کہا دشمن سر پر آگیا۔ اب کیا کیا جاوے۔ سلطنت چلی جاویگی۔ نصیر خاں

میدان غزنی امیر شیرعلی سردار عبدالرحمٰن

نے کہا[1] مجھے سلطنت ایسی تھی میں مجھے کیا۔ یہاں یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دشمن کیطرف سے سرور خاں شاہ قاسی کا باپ پانچ سو سوار سمیت سر پہ آپہنچا اور یہ سب اپنی اپنی جان لیکر تتر بتر ہو گئے۔

جب امیر شیر علیخاں کابل آیا تو اسمٰعیل خاں نے فوراً کابل اُسکے حوالے کر دیا۔ اور ۸ ستمبر ۱۸۶۸ء کو امیر شیر علیخاں نقارہ فتح و ظفر بجاتے کابل میں داخل ہو گیا۔ سر جان لارنس نے فوراً تہنیت نامہ ارسال کیا اور لکھا کہ یہ فتح تمہیں نصیب ہوئی ہے محض تمہاری شجاعت۔ لیاقت اور استقلال کا نتیجہ ہے علاوہ اس تہنیت نامہ کے گورنر جنرل نے چھ لاکھ روپیہ نقد اور تین ہزار پانچسو بندوقیں امیر شیر علیخاں کو ارسال کیں۔

کابل امیر شیر علیخاں کے قبضہ میں۔

اس شکست کے بعد اعظم خاں خستہ و خراب ہوتا ہوا مشہد مقدس کو چلا گیا اور وہیں بیکسی اور گمنامی کی حالت میں اُسنے قضا کی۔ مگر عبدالرحمن خاں جنگلوں میں مارا مارا پھرتا اور بیحد سختی اوٹھاتا ہوا بے سروسامانی کی حالت میں وزیرستان[2] میں جا پہونچا وہاں سے اُسنے انگریزوں سے پناہ مانگی۔ اُن دنوں لارڈ میو گورنر جنرل تھے۔ یہاں سے یہ جواب گیا کہ اگر تم ہندوستان میں آتے ہو تو بیشک آؤ مگر شرط یہ ہے کہ پھر تمہیں حدود ہندوستان سے باہر جانیکی اجازت نہ ہوگی۔ اس شرط کو عبدالرحمن خاں نے منظور نہ کیا اور بخارا کیطرف چلا گیا۔

سردار اعظم خاں مشہد کو اور سردار عبدالرحمن خاں بخارا کو بھاگ گئے۔

میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ سردار اعظم خاں شکست کھاکر مشہد کیطرف چلا گیا اور وہیں گمنامی کی حالت میں اُسنے قضا کی۔ ایک اور مورخ لکھتا ہے کہ بیچارہ مشہد

---

[1] سنا گیا ہے کہ یہی النصیر خاں تا بکس امیر عبدالرحمن خاں صاحب کی خدمت میں ہے جو محترم ہے اور حاکم پنجاب کے کل انتظام کا منتظم ہے۔ امیر صاحب اسکی عزت کرتے ہیں کیونکہ یہ فنون جنگ میں انکا استاد مشہور ہے۔ ۱۲

[2] یہ بیان بھی بالکل غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ غزنی سے وزیرستان اتنی دور ہے کہ جہاں تک ایسی بے سروسامانی اور دشمن کی سلطنت کے بیچ میں تنہا پہنچنا مشکل ہے۔ ۱۲

بھی پہنچنے نہیں پایا بلکہ شاہ ہرو تک ہی گیا تھا کہ ۶ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو بحسرو بے سامانی کی حالت میں جان دی۔ سر جان لارنس کا قول ہے کہ اگرچہ اعظم خاں کا چچا افضل خاں سے بہتر تھا مگر وہ حکومت کرنا قابل تھا اوسنے سمیں نبرد آزمائی کی لیاقت اور قابلیت نہ تھی۔

باب چہارم

جلاوطنی

غزنی کے میدان نے جب سردار عبدالرحمن اور سردار اعظم خاں کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا تو جان بچانے کی گھبراہٹ میں جدھر کسیکا منہ آیا چلدیا۔ امیر عبدالرحمن خاں نے ہزیمت غزنی کے بعد کی سرگذشت کابل میں لوٹکر اس طرح تبلائی تھی جو گو زبانی میرے پاس پہنچی ہے۔ مگر چونکہ واقعات قرین قیاس ہیں۔ اور راوی[1] معتبر آدمی معلوم ہوتا ہے جو مدت تک امیر صاحب کی مصاحبت میں رہا ہے۔ اسلیئے بجنسہ اس کیفیت کو ذیل میں درج کرتا ہوں۔

---

[1] اس شخص کا نام شیخ محمد حسن خاں جدید الاسلام ہے جو دراصل باشندہ ضلع راولپنڈی کا ایک سکھہ تھا۔ اسکو امیر عبدالرحمن خاں نے اپنی زبان سے کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا اور اسکی بیوی اور دو بیٹیوں کو امیر صاحب کے حرم سرا نے کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا۔ امیر صاحب اس شخص پر بے حد مہربان تھے کیونکہ اسکے باپ نے کئی سال امیر صاحب کے باپ کی خدمت میں بسر کئے۔ اور یہ شخص خود بھی چار سال جلاوطنی سے پہلے اور چودہ سال سلطنت کابل اختیار کرنیکے بعد انکی خدمت میں رہا۔ وہ بار ریس اسکو معزز رتبہ ملا ہوا تھا اور امیر صاحب اسکو برادر دینی کہا کرتے تھے۔ کہ ایک مرتبہ نواب افضل خاں سابق سفیر انگریزی متعینہ کابل یہاں ڈپٹی کمشنر گجرات سے اسنے قلعہ رشتم خاں کے پاس گھوڑی سے اترکر مصافحہ کیا۔ یہ خبر جیسا کہ ہر ایک خبر کابل کے امیر صاحب کی پاس پہنچ جاتی ہے انہیں پہنچ گئی اور انہوں نے اسکا مال اسباب ضبط کرکے معہ زن و بچہ ہندوستان کو بھیجدیا۔ مگر کئی سال بعد اب شیخ محمد حسن کا صرف قصور معاف کیا ہے ۱۲

امیر صاحب لکھتے ہیں:-

"جب غنیم کی فوج مقام غزنی میں ہمارے سر پر پہونچ گئی تو میں بھاگا۔ اُس وقت میرے ساتھ صرف جان محمد خاں (غلام بچہ) تھا جسکی عمر شائد بارہ تیرہ سال کی تھی اُس وقت ایسی کھلبلی پڑ گئی کہ ہم رستہ بھول کر بے آب و علف جنگلوں میں بھٹکنے لگے۔ اِس طرح ہم خراب ہوتے ہوتے بیس کوس پر چلے گئے۔ وہاں پروانہ خاں (غلام جو نائب سالار کابل رہچکا ہے) اور اب مر گیا ہے۔ اور فرامرز خاں بھی (جو سپہ سالار ہرات رہچکا ہے اور اب مر گیا ہے) ہم سے آملے۔ دوسرے دن جب کوچ کیا تو قربان علی خاں چاہ والا اور ۳۰ تیس چالیس سوار بھی آپہونچے مینے اُنسے دریافت کیا کہ چچا اعظم خاں کا کیا حال ہے اور وہ کدھر گیا ہے اُنہوں نے کہا کہ وہ مشہد کیطرف بھاگا ہے اور آپکی بخارا کیطرف جانے کی خبر تھی کہ ہم پوچھتے پوچھتے آپسے آملے ہیں۔ اسیطرح پانچ چھہ روز میں دو سو آدمی کے قریب میرے ہمراہ ہو گئے مگر خرچ کی بڑی تنگی تھی۔ کسی کسی کے گھوڑے کی گردن میں جو پوزی میں سونے چاندی کا عراق تھا وہ بیچا گیا۔ اور جان محمد کی خورجی میں پانسو طلا رکھا تھا۔ اِسی طرح قطع منازل و طے مراحل کرتے ہم ایک گاؤں میں پہونچے۔ اُس گاؤں کا ملک جو قوم کا ازبک تھا مجھے آملا۔ اور اُسنے میری اور میرے کل سواروں کی دعوت کی۔ میرا حال دیکھکر بہت رویا اور پوچھنے لگا کہ اب کدھر کا ارادہ ہے۔ مینے کہا ارادہ تو ہمارا آگے کا ہے آگے جدھر قسمت لیجائے۔ پھر مینے کہا کہ تمہاری بڑی شفقت ہوگی اگر کسی طرح مجھے سرحد بخارا میں پہنچا دو۔ اُسنے رحم کھا کر ایک ہزار روپیہ گھر سے لا کر مجھے دیا اور کہا کہ اگر تم بادشاہ ہو گئے تو مجھے ادا کر دینا ورنہ مینے تمہیں بخشا۔ پھر اُسنے کہا کہ بخارا یہاں سے بیس روز کی راہ ہے زاد راہ ساتھ لیلو۔ راہ میں آذوقہ نہیں

غزنی سے بخارا تک مصائب سفر

ملیگا۔ مینے اپنے واسطے مغز بادام قریب دس سیر انگریزی کے ایک خورجین میں
ساتھ بندھوا لیئے۔ اور توکل برخدا اُس ملک کے ہمراہ ہو لیا۔ راہ میں ہمکو ایسے
ایسے جنگل اور ریگستان ملے کہ کابل میں کبھی اُنکا نام بھی نہ سُنا تھا۔ اِن
ریگستانوں میں گھوڑے بمشکل جان بر ہوتے تھے۔ کسی کسی روز تو روٹی پک جاتی
تھی اور کسی کسی روز آہو شکار کرکے کباب بنا کر کھا لیا کرتے تھے۔ کیونکہ آہو اُدھر
بہت تھے۔ میں کوئی الغصف پاؤ بادام کے مغز پانی میں بھگو کر چھلکا اوتار کر
کھا لیتا۔ اور کباب آہو بھی کھاتا تھا۔ روٹی بہت کم کھاتا تھا۔ آخر اس قسم
کی مصیبتیں جھیلتے ایک ماہ کے بعد سرحد بخارا میں پہونچے۔ اور یہاں ہمیں سب کچھ
دستیاب ہونے لگا۔ بخارا میں پہنچکر مینے شاہ بخارا سے ملاقات کی۔ اُسنے مجھے
ایک نفیس سرائے میں فروکش کیا اور مجھے کہا کہ تمہارے ساتھ کچھ کام ہی ہے۔ ابھی
آگے نہ جاؤ بلکہ ایک ماہ یہاں ٹھرو۔ پھر ایک دن شہر سے باہر مجھے تنہا طلب کیا۔
تمسے باتیں کرنی ہیں مجھے رات کو ایک مخبر نے خبر دی تھی کہ شاہ بخارا کا
ارادہ تمہیں امیر شیر علیخاں کے حوالہ کرنیکا ہے۔ کیونکہ اُسکا بیٹا تورا خاں
باپ سے منحرف ہوکر سرحد کابل میں چلا گیا ہے۔ اور آجکل ایبٹ آباد علاقہ
ضلع ہزارہ میں موجود ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں بھیجکر اپنے بیٹے کو منگالے۔
اپنا انتظام کرلو ورنہ شیر علی خاں تمہیں زندہ نہیں رکھیگا۔ اُدھر یہ اپنے بیٹے
کو مار ڈالیگا۔ جسوقت امیر تمہیں بلائے تمنے تنہا نہ جانا۔ مینے اس بات کو
گوش ہوش سے سُنا اور صبح میں بمع اپنے تمام سواروں کے جو قریب ۳۰ کو
مسلح جوان تھے امیر بخارا کے پاس گیا۔ جو شہر سے ایک منزل باہر خیمہ زن
تھا۔ مینے خیمہ کے قریب تک اپنی آدمیوں کو لیجاکر سمجھا دیا کہ اگر مجھپر کسی نے
ہاتھ ڈالا تو تمنے بھی بہیں مار کر ڈھیری ہو جانا۔ اور اگر ممکن ہوسکے تو مجھے

امیر بخارا سے مخلصی

چھوڑ الینا۔ امیر بخارا نے خیمہ سے باہر نظر ڈالی تو میرے سوار اور پیادے دیکھ لینے پانے کے بعد کہا کہ آپنے جو مجھ سے گفتگو کرنی تھی اب کیجیے۔ کیونکہ میں اب بخارا سے سمرقند کیطرف جاتا ہوں۔ امیر بخارا نے دیکھا کہ مینے حکم نہیں کھایا اور میرے ہمراہی دلیر افغان ہیں جو قیامت برپا کر دینگے۔ اسلئے کہا بہ درود خدا حافظ۔ میں وہاں سے روانہ ہوکر سبز شہر کو گیا سبز شہر میں پہنچکر اُس ملک کو کہ جسنے یہاں تک ہمارا ساتھ دیا تھا رخصت کیا۔ اُس پیر مرد نے جاتے وقت مجھے دعا دی اور رخصت ہوگیا۔ پھر میں سمرقند کو گیا۔ اور روسی گورنر سے ملاقات کی۔ اُسنے میری بے سروسامانی دیکھکر ایک ہزار روپیہ ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا۔ رفتہ رفتہ میرے پاس چار ہزار کے قریب افغانوں کی جمعیت ہوگئی اور گذارہ مشکل ہونے لگا۔[1] اعظم خاں کا بیٹا سرور خاں محمد عیسیٰ خاں حاکم ترکستان۔ عزیز خاں شوہر بوجان (امیر صاحب کا بہنوئی) نصیر خاں جرنیل بھی منجملہ اوروں کے میرے پاس پہنچگئے تھے۔ آخر کار آدمیوں نے صلاح کی کہ ہمیں محنت مشقت کرکے شکم پُری کریں۔ کچھ تو وہیں کام کرنے لگے۔ کچھ شاہ بخارا کے پاس جاکر ملازم ہوگئے۔ چند سال وہاں گذر رہے تھے کہ پھر قاضی قادر خاں نے مجھے وہاں سے نکلوا دیا۔ اور بہانہ یہ کیا کہ امیر شیر علیخاں آتا ہے۔ وہاں سے میں تاشقند میں گیا۔ وہاں چند روز ٹھہرا تھا کہ شاہ روس کا بھتیجا مع اپنی بیوی کے اُس علاقہ میں سیر کے لئے آیا۔ وہ میرے مکان میں مع اپنی بیگم کے میری ملاقات کو پہنچا۔ اسکی بیگم کو

روسی وظیفہ

[1] ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ اسوقت گذارہ کی تنگی کا یہ حال تھا کہ امیر صاحب نے جان محمد خاں خزانچی مرحوم اور پروانہ خاں مرحوم کو جو دونوں غلام بچے تھے تاشقند میں فروخت کر دیا تھا اور جب روسی وظیفہ پانیکے بعد انکی حالت اچھی ہوگئی تو انہیں واپس خرید لیا۔ چنانچہ ایسی ہی جان نثاریوں کے صلہ میں کابل میں آکر امیر صاحب ان شخصوں کو دو دو تنخواہیں یعنی ایک عوض خدمت حال اور دوسری عوض خدمت سابقہ دیتے رہے ۱۲

مینے اپنے حرم سرائے میں بھیجا۔ میری بیگم جہاندادشاہ اوزبک کی لڑکی تھی جسکی ایک کنیز کے بطن سے شہزادگان حبیب اللہ خاں و نصراللہ خاں پیدا ہوئے۔ میری بیگم نے روسی بیگم کی بہت خاطر و تواضع کی اور ان لوگوں کی سفارش سے میرے وظیفہ میں تین ہزار روپیہ کا اضافہ ہوگیا۔ اسمیں سے میں ان لوگوں کو بھی روپیہ دیا کرتا تھا جو افغانستان سے میرے پاس آگئے تھے پھر جب اعظم خاں جان بحق تسلیم ہوا تو اسکے بعض آدمی بھی بھاگتے بھاگتے میرے پاس پہونچگئے اور مجھے انکا بھی گذارہ کرنا پڑا۔ میں شکار میں اپنا وقت گذارتا تھا۔ اور جب موسم شکار کا نہ ہوتا تھا تو اپنی کوٹھی کے گرد کے باغ کو ٹھیک کرایا کرتا تھا میں کرسی پر بیٹھ جاتا تھا اور آدمیوں کو کہتا تھا کہ اسطرح پانی دو اسطرح کاٹو اس طرح چھانٹو۔ بعض اوقات اپنے ہاتھ سے بھی مٹی درست کیا کرتا تھا۔"

"انہیں ایام میں وہی نصیر خاں جرنیل پانسو آدمیوں کا خط لیکر آپہونچا کہ تم کابل کو لوٹ آؤ۔ لیکن مینے دیکھا کہ وہ سب ایک ہی دستخط کے لکھے ہوئے ہیں۔ اسلیئے مینے اسپر اعتبار نہ کیا۔ آخر وہ بعد ایک سال کے خفا ہوکر چلا گیا۔ اور امیر بخارا کے پاس ملازم ہوگیا۔"

یہ حالات تو امیر صاحب کے اپنی زبان سے بیان کیئے گئے منسوب ہوتے ہیں اب میں اس بارہ میں ایک یورپین مورخ کی تحریر کو درج کرتا ہوں جو خالی از لطف نہیں ہے۔ اور اسمیں سے زیادہ تر ایام جلاوطنی کے حالات کی صراحت ہوتی ہے جس وقت امیر شیر علیخاں نے دوبارہ مسند کابل پر جلوس فرمایا تو اپنے مصاحبوں سے کہا کہ میں ایک چوبی پیالہ ہوں اور عبدالرحمن ایک کاسہ چینی ہے۔ میں چاہے سو بار زمین پر گروں مجھے کچھ آسیب نہیں پہونچیگا

اور وہ اگر ایکبار بھی زمین پہ گرا تو ریزہ ریزہ ہو جائیگا۔ واقعی عبد الرحمن
کی حالت اُس وقت ایسی ردّی ہو گئی تھی کہ پھر اُسکے سرسبز ہونے کی کسیکو امید
نہ تھی جسوقت وہ غزنی سے جان بچا کر بھاگا تو بہت سے مصائب اُٹھا کر خیوا
میں پہونچا۔ ان دنوں خیوا کا حاکم سید محمد رحیم خاں تھا جو ۱۸۶۹ء میں خود مختار
تھا۔ یہہ وہ شخص ہے جسپر روسیوں نے الزام لگایا تھا کہ اسنے کنوئیں خراب
کردیئے ہیں اور اُنمیں زہر ڈلوا دیا ہے۔ خیوا سے عبد الرحمن خاں بخارا کو گیا۔
امیر بخارا اُس وقت وہی مظفر الدین تھا لیکن اُسکی نیت میں فرق آگیا تھا
اور اس وقت وہ امیر شیر علیخاں کا معاون ہو گیا تھا۔ اسلیئے دسمبر ۱۸۶۹ء میں
عبد الرحمن خاں نے ایک خط جرنیل کافمین کے نام علاقہ روس میں بھیجا۔ اُس
خط کا مضمون یہہ تھا۔

روس سے استمداد

"آپکو معلوم ہے کہ ہمارا ملک اب انگریزوں کی حفاظت میں ہے اسلیئے میں
اپنی امیدوں کا ملجائے و ماولئے آپکو سمجھتا ہوں۔ کیونکہ مجھے علم ہے کہ آپکی سلطنت
اسقدر وسیع کہ اگر جرمنی۔ فرانس اور انگلستان کو باہم ملا یا جاوے تو بھی اسکے
برابر نہیں ہو سکتیں جب میں مشہد میں تھا تو مینے سنا تھا کہ ایران بھی روس کا
تابع فرمان ہے۔ اسلیئے میں اسقدر دور و دراز جگہ سے اس واسطے آیا ہوں
کہ آپکا ظل عاطفت میسر ہو۔"

اس خط کا جواب بقول روسی مصنف ٹرنٹیف کے حسب ذیل مضمون کا
جرنیل کافمین کیطرف سے وصول ہوا۔

"موجودہ والی افغانستان کو انگریزوں نے جو ہمارے دوست ہیں
امیر افغانستان تسلیم کر لیا ہے اور تاوقتیکہ شیر علی سرحد بخارا پر شورش بپا کرے
ہم اُسے سلطنت روس کا دشمن تصور نہیں کر سکتے۔

اِن خطوں کے بعد زبانی پیغام و سلام ہوتے رہے آخر کار فروری ۱۸۷۰ء میں سردار عبد الرحمٰن خاں دو سو ہمراہیوں کے ساتھ جنمیں اُسکا چچا زاد بھائی اسحاق خاں بھی تھا سمرقند کو چلا گیا اور وہاں سے روسی ترکستان کے دار الخلافہ تاشقند میں روسی گورنر جنرل کی ملاقات کو گیا۔ ہنگام ملاقات عبد الرحمٰن خاں نے روسیوں کو کہا کہ آپ مجھے سات ضرب توپیں اور تین ہزار بندوقیں دیں تا کہ میں فوج بھرتی کر کے امیر شیر علیخاں پر حملہ کروں اور زور اِس بات پر دیا کہ شیر علیخاں روسیوں کا ہرگز دوست نہیں ہے۔ اِسلیئے اُسکا کچھ لحاظ نہیں ہونا چاہیئے لیکن روسیوں نے اُسکی بات نہ مانی اور صرف اٹھارہ ہزار روبل جو ایک سکہ ہے اور اٹھارہ سو پونڈ کے قریب ہوتا ہے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ اِس رقم میں بعد ازاں اضافہ کر دیا گیا تھا چنانچہ ۱۸۷۳ء میں عبد الرحمٰن کو مبلغ پچیس ہزار روبل یعنی دو ہزار پانچسو پچیس پونڈ دیئے گئے ۱۸۷۴ء میں چوبیس ہزار تین سو روبل یعنی دو ہزار چار سو ستر پونڈ اور ۱۸۷۸ء میں دو ہزار پانچسو پونڈ دیئے گئے۔

روسی وظیفہ میں اضافہ

۲۸ مارچ ۱۸۷۰ء کو روسیوں نے امیر شیر علیخاں کے نام مفصلہ ذیل خط لکھا۔

"آپکو شاید معلوم ہوا ہوگا کہ آپکا بھتیجا ہمارے پاس تاشقند میں آکر مقیم ہوا ہے اور ہم نے اُسکے ساتھ مروت اور اخلاص سے برتاؤ کیا ہے لیکن یہ خط ہم آپکی طرف اس لیئے لکھتے ہیں کہ آپکو کسی قسم کی بدگمانی نہ ہونی چاہیئے ہماری سلطنت اور آپکے ملک میں فاصلہ بہت ہے۔ درمیان میں بخارا حائل ہے اسلیئے آپ سے ہماری کسی طرح مٹھ بھیڑ نہیں ہو سکتی اور نہ ہمارے دل میں آپکی طرف سے کچھ کدورت ہے۔ ہمکو آپسمیں صلح ہی رکھنی چاہیئے۔ ہم نے عبد الرحمٰن کو اِسلیئے پناہ دی ہے کہ ہمارے مذہب میں مہمان نوازی واجب ہے اور مصیبت زدہ کو ضرور پناہ دینی چاہیئے۔ اِس سے زیادہ اُسکو ہم سے کسی قسم کی توقع

"نہیں رکھنی چاہیئے"

مسٹر سکلر سیاح امریکہ بیان کرتا ہے کہ "میں نے ۱۸۷۳ء میں عبدالرحمٰن خاں کو علاقہ روس میں دیکھا تھا۔ اُس وقت وہ نہایت کفایت شعاری سے زندگی بسر کرتا تھا اور بمشکل پانسو پونڈ سالانہ صرف کرتا تھا۔"

کفایت شعاری اور پس انداز

۱۸۷۸ء یا ۱۸۷۹ء میں پروفیسر اوج فلوی اور اُسکی بیوی کی ملاقات امیر عبدالرحمٰن خاں سے سمرقند میں ہوئی۔ یہ پروفیسر فرانس کا باشندہ تھا۔ پروفیسر مذکور کی بیوی بیان کرتی ہے کہ عبدالرحمٰن خاں قابل رحم حالت میں اوقات بسری کرتا تھا اور اُسنے دو معمولی تلواریں ہمارے پاس بڑی گراں قیمت کو فروخت کیں۔

جرنیل سکوبولیف بیان کرتا ہے کہ ۱۸۸۱ء کے موسم بہار میں عبدالرحمٰن خاں نے مجھے کہا کہ تم میری سفارش جرنیل ابراموف گورنر زرفشاں کے پاس کردو کہ مجھے شیر علیخاں کے مقابلہ میں مدد دے اور میرا وظیفہ چھ ہزار پونڈ کردیا جاوے تاکہ میں جی کھول کر شیر علیخاں کے ساتھ نبرد آزمائی کروں۔ اور ایکدفعہ دل کی حسرت نکال لوں۔ جنرل موصوف نے کہا بہت بہتر میں سفارش کرونگا۔ مگر مجھے امید نہیں کہ کچھ فائدہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور عبدالرحمٰن خاں خون جگر پیکر خاموش ہورہا۔ بیچارہ اُس وقت گردش زمانہ کا شکار ہورہا تھا۔ خاموش نہ ہوتا تو اور کیا کرتا۔ وہ ہی مثل "قہر درویش برجان درویش" کی اسپر صادق تھی۔

اور وظیفہ بڑھنے کی آرزو

۱؎ اسی زمانہ کی ایک خبر یہ بھی امیر صاحب سے منسوب کیجاتی ہے کہ جس وقت میں سلطنت روم و روس میں جنگ جاری تھی گورنر جنرل روس نے عبدالرحمٰن خاں کو کہا کہ اگر تم فوج ہمراہ لیکر ترکوں پر حملہ کرو تو ہم بہت سی فوج ہمراہ کردیتے ہیں۔ عبدالرحمٰن خاں نے جواب دیا کہ ترکوں پر جو مسلمان اور میرے ہم مذہب ہیں میں ہرگز فوج کشی نہیں کرونگا انکے علاوہ اور جس عیسائی ملک آسٹریا جرمنی۔ فرانس انگلینڈ وغیرہ سے کہو میں لڑنے کو آمادہ ہوں۔ ۱۲

عبدالرحمن خان کا بھائی اسحاق خان اسکے پاس ہی رہتا تھا۔ مگر اُسکا دماغ بہت کمزور تہا اور عقل بہت کم تہی۔ سادہ لوح سا آدمی تہا۔ وہ سمرقند کی گلیوں میں لڑکے اُسکے پیچھے تالیاں بجایا کرتے تہے اور "سادہ لوح خان" کہتے تہے۔

قابل لینے کی ہوس کبھی نہ چھوڑی۔

اگرچہ عبدالرحمن خان روسیوں کا وظیفہ خوار تہا مگر ابہی تک اُسکی امیدیں خاک میں نہیں ملگئیں تہیں اور وہ حتی المقدور کابل لینے کے لیئے ہاتھ پاؤں مارتا تہا۔ ۱۸۷۳ء میں اسکا ایک معتمد کابل میں شیر علیخاں کے ہاتھ آگیا۔ شیر علیخاں نے اسکو طرح طرح کا عذاب دیا آخرکار اُسنے اقبال کردیا اور کہا کہ عبدالرحمن کی چند افغان سرداروں سے خط وکتابت ہے۔ اور مجھے اُسنے ایک خط عظیم الدین کے نام دیا ہے۔ عبدالرحمن کے خط کا مضمون جو اس شخص کے پاس سے برآمد ہوا تھا یہہ ہے:-

"چونکہ مجھے اطلاع ہوئی ہے کہ تم کو مجھ سے محبت اور دوستی ہے اسلیئے میں یہہ خط تمہارے نام بھیجتا ہوں۔ اگر تم دین اسلام کی اشاعت چاہتے ہو تو بہادر بنو اور علانیہ اپنے دوستوں کو لیکر مجھ سے آملو۔ دنیا چند روزہ ہے اور ہمیشہ ایک طرح پر نہیں رہتی۔ شیر علیخاں تو انگریزوں کا نمکخوار ہے اور عنقریب تمہیں اور مسلمانوں کو خاک سیاہ کردیگا۔ اگر اس وقت کوشش نہ کروگے تو پیچھے خدا کو کیا منہ دکہاؤگے۔ تمہیں چاہیئے کہ جوش وخروش سے کوشش کرو تا کہ دنیا اور عاقبت دونوں سنور جائیں۔ شیر علی کی ملازمت میں تمہیں کچھ حصول نہیں ہوتا۔ اگر تم چند دن کے لیئے میری خدمت کرو تو دنیا میں مرتبہ اعلےٰ پاؤگے اور عاقبت میں خلد بریں تمہیں ملیگا۔"

یہہ خط دیکھکر شیر علی نے فوراً ایک خط معرفت نائب عالم خان حاکم بلخ روسی گورنر جنرل کے نام تحریر کیا۔ اُس خط کا مضمون یہہ ہے:-

"اگرچہ سردار عبدالرحمن ہماری قلمرو سے دور ہے مگر وہ اس بات کے درپے ہے کہ

تمہاری ہماری دوستی میں فرق آئے اور ہماری سلطنت کے امن میں خلل عظیم واقع ہو۔ اُسنے ایک خط نہایت نامناسب الفاظ میں ہمارے سردار عظیم الدین خاں کے نام لکھا ہے جو ہم بجنسہ آپکے ملاحظہ کے لیئے ابلاغ کرتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ تم اِس بات کا قرار واقعی انتظام کروگے تاکہ آئندہ عبدالرحمٰن ایسے لغو خطوط نہ لکھنے پاوے۔ جانبین میں سلسلۂ اتحاد قائم رہے اور دونوں سلطنتوں کے امن میں خلل واقع نہ ہوئے

امیر شیر علیخاں کی خفگی۔

حاکم بلخ نے روسیوں کو یہہ بہی صلاح دی کہ آپ عبدالرحمٰن کو یوروپ بہیجدیں تاکہ تمام فتنہ و شر مٹ جاوے۔ پہلے تو روسیوں کی یہہ صلاح ہوئی کہ اوسے یورپ کو بہیجدیں لیکن بعد میں یہہ صلاح ملتوی ہوگئی اور عبدالرحمٰن سمرقند میں مقیم رہا۔ بہر حال روسی وزیر اعظم نے جنوری سنہ ۱۸۷۰ء میں لارڈ آگسٹس لافٹس کو اطلاع دی کہ ہمنے عبدالرحمٰن خاں کو قرار واقعی فہمائش کردی ہے کہ شیر علی کے برخلاف آئندہ کسی قسم کی سازش نہ کرے اور اگر ہماری بات اُسے منظور نہیں ہے تو سمرقند سے رخصت ہوجائے اور اب اگر اُسنے اِس حکم امتناعی کی عدولی کی تو فوراً یہاں سے نکال دیا جاویگا۔ غرض عبدالرحمٰن خاں نے صبر و شکر کرکے دس سال جلاوطنی میں کانٹوں پر لوٹ کر گذارے۔ جس وقت وہ پہلے سمرقند میں گیا اُس وقت اُسکی عمر چہبیس سال کی تہی اور وہ خدا کی درگاہ سے کسی وقت ناامید نہ ہوتا تہا۔ تعجب کی بات ہے کہ وسط ایشیا میں جتنے نامور شخص ہوئے ہیں اُنہوں نے کم و بیش اسی عمر میں عروج پکڑنا شروع کیا ہے۔ مثلاً نادر شاہ چالیس سال کی عمر تک محض قزاق تہا۔ سلطان بابر چالیس برس کی عمر میں دربدر بہٹکتا پہرتا تہا۔ امیر تیمور چہتیس سال کی عمر میں دشمنوں کے نرغہ میں تہا۔ چنگیز خاں نے چوالیس سال کی عمر میں عروج پکڑنا شروع کیا۔

تہوڑی مدت کے لیئے ہی امیر عبدالرحمٰن خاں کو اسکی روسی جلاوطنی کے آخری زمانہ میں



امیر محمد یعقوب خاں

چہوڑکر امیر شیر علیخاں کیطرف متوجہ ہوتا ہوں۔ ۱۸۶۹ء میں امیر شیر علیخاں گورنر جنرل کی ملاقات کے لیئے انبالہ میں پہونچا کہ جہاں لارڈ میو۔ وائسرائے سے ملاقات کرکے واپس گیا۔ سردار اسمعیلخاں کو معہ دیگر دو برادران صالح خاں وغیرہ کے لاہور بہجوا دیا۔ سردار فتح محمد خاں پسر وزیر اکبر خاں کو حاکم ہرات کرکے بہیجدیا اور سردار جلال الدین خاں جو دس ہزار طلا لیکر شنواریوں میں فوج جمع کرکے ہرات پر بلوہ کر نیکو گیا تھا۔ اور وہاں سے شکست کہا کر راولپنڈی آگیا تہا وہ بہی ہندوستان میں پناہ گزین ہوگیا۔ امیر شیر علیخاں اپنے ولیعہد عبد اللہ خاں کو انبالہ ہمراہ لایا تہا۔ اسپر سردار یعقوب خاں کو ناراضگی پیدا ہوئی وہ چار ہزار سوار کے ہمراہ کابل سے بہاگ کر قندہار کو چلا گیا۔ اور وہاں جب کسی نے نہ گہسنے دیا تو ہرات گیا۔ ہرات پر لڑائی ہوئی جہاں سردار فتح محمد خاں برادر سردار جلال الدین خاں پسر وزیر علی اکبر خاں اور اسکا بیٹا دونوں مارے گئے۔ سردار یعقوب خاں حاکم ہرات ہوگیا۔ امیر شیر علیخاں نے عصمت اللہ خاں غلزئی و میر آخور احمد خاں کو ہرات بہیجکر یعقوب خاں سے قسم قولداری حاصل کی۔ مگر جب وہ کابل آیا تو امیر شیر علیخاں نے اُسے قید کرلیا۔ قاضی قادر خاں ساکن پشاور جو کسی مقدمہ میں انگریزی علاقہ میں سزا پانے لگا تھا بہاگ کر کابل پہنچا۔ اور امیر شیر علیخاں کا وزیر جا بنا۔ جب امیر کچھہ رائے دریافت کرتا تو وہ روس سے دوستی کی صلاح دیتا اور انگریزوں کی نسبت کہتا کہ بڑے بے وفا ہیں۔ آخر روس سے دوستی پیدا ہوگئی۔ اسی اثنا میں عبد اللہ جان ولیعہد مرگیا تو روس کا ایک جرنیل ماتم پرسی کو آیا اور انگریزوں کا سفیر بہی گیا جو علی مسجد سے واپس بہیجا گیا کیونکہ فیض محمد خاں غلزئی جو سردار جلال الدین خاں کا خسر ہوتا ہے اور آجکل سوات میں رہتا ہے اُسنے حکم امیر سے اُنہیں آگے نہ گذرنے دیا۔ اسی اثنا میں امیر

امیر شیر علیخاں کا انبالہ میں لارڈ میو سے ملنا

سردار یعقوب خاں کا باغی ہوکر ہرات پر قابض ہونا

لے سردار حسن خاں کی اقامت آجکل گوجرانوالہ میں ہے اور بڑے قابل ہوشمند اور نیک نیت سردار ہیں جو افغانی خاندان کا اچہا نمونہ ہیں۔ ۱۲

شیر علیخاں کو ایسی پریشانی لاحق ہوئی کہ اپنے بیٹے سردار یعقوب خاں کو حاکم کابل کر کے خود ترکستان کو بھاگ گیا۔ جہاں پہنچکر ناحق نادمخاں کو سمرقند (روس) کیطرف بھیجا کہ میں خوشنگ کرنیکو سمرقند آتا ہوں اگر تجھے مدد دو تو انگریزوں سے جنگ کیجاوے۔ وہاں سے روس نے سردار عبد الرحمن خاں کو نکالکر تاشقند میں بھیجدیا۔ مگر اسی اثنا میں امیر شیر علیخاں مزار شریف میں فوت ہوگیا۔ اس سمرقند سے نکالے جانے کے عوض میں جب امیر عبد الرحمن خاں راولپنڈی کے دربار میں آئے تھے تو انہوں نے سب بارک زئیوں کو پشاور اور راولپنڈی سے نکلوادیا تھا۔ چنانچہ سنا ہے کہ اب بھی جب کبھی امیر صاحب اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں "ما کر رغنیم بدل گرفتیم"

پہلے تو جب ۱۸۷۱ء میں سردار یعقوب خاں کی اپنے باپ امیر شیر علیخاں سے اَن بن ہوگئی تو عبد الرحمن خاں نے اس کھلبلی میں سے فایدہ اٹھانا چاہا۔ پھر جب امیر شیر علیخاں اور سرکار انگریزی کے تعلقات بگڑ گئے تو امیر عبد الرحمن کا کام ہی بن گیا۔ امیر عبد الرحمن کی جلاوطنی میں مفصلہ ذیل مشہور واقعات پیش آئے کہ جن سے کم و بیش اسکو فایدہ پہونچا۔

۱۸۷۰ء میں روسیوں نے بحیرہ خضر کے کنارہ پر سر اٹھایا اور ترکمانوں کو زیر کیا۔ ۱۸۷۲ء میں روسیوں نے امیر یعقوب بیگ حاکم کاشغر سے عہدنامہ کیا اور مشرقی ترکستان کو خودمختار تسلیم کیا۔ ۱۸۷۳ء میں روسیوں اور انگریزوں نے افغانستان کی شمالی حدبندی کی۔ پھر اسی سال روسیوں نے خیوا پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۷۵ء میں روسیوں نے الحاق خوقند یا فرغانہ کیا۔ ۱۸۷۷ء میں امیر یعقوب بیگ کو زہر دیدیا گیا۔ اور اُسکا ملک چین کے تصرف میں آیا۔ ۱۸۷۸ء میں روسیوں اور انگریزوں کے درمیان ناچاقی سی ہونے لگی مگر عہدنامہ برلن سے یہ فتنہ فرو ہوا۔ فروری ۱۸۷۹ء میں امیر شیر علیخاں فوت ہوگیا۔

امیر شیر علیخاں کا انگریزوں سے بگاڑ اور سمرقند کو جانا

باب پنجم

مراجعت

امیر شیر علیخان کی وفات

جس وقت امیر شیر علیخان کی وفات کی خبر ۱۸۷۹ء میں سردار عبدالرحمن خان کو پہنچی تو اُسنے کابل جانیکے لئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن روسیوں نے اسکی امیدوں پر اوس ڈالدیا اور یہ خشک جواب دیا کہ تم مختار ہو جہاں مرضی ہو چلے جاؤ لیکن پھر دوبارہ تمکو یہاں پناہ نہیں ملیگی۔ اگر تمہیں کامیابی نہ ہوئی تو پھر یہاں نہ آنا۔ اس جواب سے سردار عبدالرحمن خان کا دل شکستہ ہوگیا۔ اور وہ روسی علاقہ ہی میں مقیم رہا۔ اُدھر امیر یعقوب خان پسر شیر علیخان انگریزوں سے نہایت محبت سے پیش آرہا تھا اور سفارت انگریزی کے استقبال کے لئے تیاریاں کر رہا تھا۔ سینٹ پیٹرسبرگ میں یہ افواہ تھی کہ وزیر اعظم انگلستان لارڈ بیکنسفیلڈ کی پالیسی کو بہت کامیابی ہوئی ہے اور افغانستان کو با علاقہ انگریزی سمجھنا چاہیے مگر یہ افواہ نری افواہ ہی نکلی۔ ۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو افغانوں نے نہایت سفاکی کے ساتھ انگریزی سفیر سر لوئس کیونگیری اور اسکے ہمراہیوں کو تہ تیغ کیا[1] اور تمام مال و اسباب

کابل میں سفیر انگریزی کا قتل ہوا

[1] سر لوئس کیونگیری انگریزی سفیر کے ہمراہ ایک یورپین ڈاکٹر ایک اسسٹنٹ اور کچھ سپاہی رسالہ گائڈز کے تھے۔ قلعہ بالا حصار میں مقیم تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک پلٹن جنڈولوں کی تنخواہ لینے آئی جسکا ایک کرنیل شیعہ تھا۔ یعقوب خان نے کہا ایک ماہ کی تنخواہ دیجاویگی۔ انہوں نے دو کی مانگی۔ یعقوب خان نے فوج کو بالا حصار کو بھیجا کہ سفیر انگریزی سے مانگو۔ جب یہ قلعہ کو گئے۔ تو سفارت نے ڈر کر بندوقیں چلائیں جس سے عام بلوہ ہو کر لوگ جمع ہوگئے اور بار بار کے حملوں سے گو بہت سے پٹھان کام آئے مگر سفارت کا ایک آدمی زندہ نہ بچا۔ اسپر سرکار انگلشیہ نے برافروختہ ہو کر کابل سے جنگ شروع کی۔ امیر محمد یعقوب خان نے کہا کہ میں بے قصور ہوں فوج بگڑ گئی تھی۔ مگر انگریزوں نے اُسے قید کر کے ہندوستان کو بھیجدیا۔ اور صدہا آدمی پھانسی دیئے گئے۔ قلعہ بالا حصار اُڑا دیا گیا۔ فوج انگریزی شیرپور میں جو امیر شیر علیخان نے چھاونی بنائی تھی جا کر مقیم ہوگئی مگر حکومت انگریزی تیس کوس کابل سے آگے نہ بڑھی۔ کوہستان وردک ہندوکش وغیرہ مقامات اُنسے باغی رہے اور چہرکا سے آگے انکی حکومت کی روشنی ۴۴

لوٹ لیا۔ جب یہ خبر دارالخلافہ روس میں پہونچی تو ایک اخبار نے عبدالرحمن کو مخاطب کرکے لکھا کہ کیوں تم اب ہرات جاکر اپنے حقوق پیش نہیں کرتا۔ ۱۸۷۹ء میں تاشقند میں ایک تار خبر آئی کہ یعقوب خان جو ۲۷ ستمبر ۱۸۷۹ء میں انگریزوں کے کیمپ میں مقید تھا اب ہندوستان میں بھیج دیا گیا ہے۔ جب یہ خبر تاشقند میں پہنچی تو جرنیل کاف میں وہاں موجود نہ تھا مگر اُسکے سکرٹری نے عبدالرحمن خاں سے کہا کہ اب تم کابل جاسکتے ہو۔ عبدالرحمن خاں تین دن تک اِس معاملہ پر غور کرتا رہا۔ چوتھے دن سکرٹری نے اُسے کہا کہ پھر ایسا موقع ہاتھ نہیں آئیگا پھر کسطرح ہاتھ ملتے رہجاؤگے۔ عبدالرحمن کی سمجھ میں بھی یہ بات آگئی وہ تو خدا سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ جلدی وطن کا منہ دیکھنا نصیب ہو چنانچہ توکل بر خدا علاقہ روس سے روانہ ہوا۔ چلتے ہوئے روسیوں نے اُسے پانچہزار طلائی قریباً پچیس ہزار کے روپیہ اور دو سو بندوقیں دیں۔ عبدالرحمن خاں کے پاس دو لاکھ روپیہ اپنا تھا جو اُسنے پنشن میں سے بڑی کفایت شعاری کے ساتھ جمع کیا تھا جب وہ

امیر عبدالرحمن خاں نے کابل کو لوٹنے کی تیاری کی

نوٹ از مصنف صفحہ ۵۵

نو پڑی۔ اسی اثنا میں اخون زادہ ملا مشک عالم اور رجان محمد کرنیل نے لوگوں میں جہاد کا وعظ شروع کیا۔ اور سات افغان عورتوں نے مصلح ہوکر اپنے ہمقوموں کو کہا کہ اگر تم ڈاڑھیاں منڈوا دو تو ہم جنگ کو جائینگے اور کافروں کو زندہ نہ چھوڑینگے۔ حال میں جب اسحاق خان باغی ہوا تو انمیں سے پانچ عورتیں امیر عبدالرحمن خاں صاحب کی دربار میں آکر کھڑی ہوگئیں۔ کیونکہ دو فوت ہوچکی تھیں۔ امیر صاحب نے دریافت کیا کہ یہ مردانہ لباس میں مسلح کون عورتیں ہیں۔ لوگوں نے کہا یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے انگریزوں پر پہلے پہل غزا کی کمر باندھی تھی۔ امیر نے پوچھا اب کیوں آئی ہو۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمکو سرکار اسحاق خاں کے مقابلہ میں جانیکی خدمت دے۔ امیر صاحب نے ایک ایک سرکاری گھوڑا اور دو دو خدمتگار خدمت کو دیئے اور دو سو روپیہ انعام گھر بھیجنے کو دیا۔ یہ پیرانہ سال عورتیں جب امیر صاحب ترکستان کو گئے تو ہر روز کمر بستہ ہوکر دربار میں آکھڑی ہوتی تھیں۔ یہ قصہ جو اطلاقاً تذکرہ یہاں بیان کیا گیا ہے اِس سے پتہ لگتا ہے کہ افغانستان کے مرد ہی جنگجو اور نبرد آزما نہیں بلکہ عورتیں بھی ایسی ہیں۔ اور بارہا اِن عورتوں نے مردوں کو جنگ اور خونریزی کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

سمرقند سے روانہ ہوا اور رستے میں چند نفر ایک ساتھ ہمراہی تھے عبدالرحمن نے راہ راست اختیار نہ کیا بلکہ اور اُس نے حصار و تلات کے رستے کابل کو روانہ ہوئی ۱۸۸۰ء میں انگریزوں کو خبر پہنچی کہ عبدالرحمن خان دریا عبور کر کے علاقہ غور بند پر قابض ہوگیا ہے اور سلطان مراد خان حاکم قندز اُس سے ملگیا ہے۔ رفتہ رفتہ تمام سردار عبدالرحمن کے جھنڈے کے تلے جمع ہونے لگے۔ بدخشاں کے تمام امیر بجز شہزادہ حسن کے اُسکی حمایت پر کھڑے ہوگئے اور ترکستان کا حاکم غلام حیدر خان بخارا کیطرف فرار ہوگیا۔

گورنمنٹ انگریزی نے امیر عبدالرحمن خاں کو سلطنت سپرد کرنا چاہی

۱۴ مارچ ۱۸۸۰ء کو لارڈ لٹن گورنر جنرل ہند نے وزیر ہند کو انگلستان میں تار دیا کہ عبدالرحمن خان کو جو جائز وارث امیر دوست محمد خان کا ہے والی کابل بنانا چاہئیے اور اُس سے بہتر کوئی شخص حکومت کابل کے لائق نظر نہیں آتا۔ اِسکے بعد وائسرائے نے چاہا کہ ایک ڈیپوٹیشن سرداروں کا عبدالرحمن کے پاس جائے اور اُسکو کہے کہ آکر تخت سنبھالو۔ لارڈ لٹن کا یہہ منشا تھا کہ جنوبی افغانستان میں ایک شخص بارکزئی کو جسکا نام شیر علی تھا حاکم بنانا چاہئیے یعنی کابل اور بلخ کی حکومت عبدالرحمن کو ملے اور قندھار اور ہرات کے بارکزئی سردار شیر علی کو۔ مگر یہہ ارادہ پورا نہ ہوا چنانچہ یکم اپریل ۱۸۸۰ء کو سر لیپل گریفن نے ایک خط بدین مضمون عبدالرحمن کے پاس بھیجا

"اب یہہ ہر ایک کو معلوم ہوگیا ہے کہ آپ افغانستان میں تشریف لے آئے ہیں اِسلیئے خفیہ قاصد کے ہاتھہ یہہ خط آپکو بھیجا جاتا ہے۔ تاکہ آپ ہمیں اپنے مافی الضمیر اور ارادہ سے آگاہ کریں گے"

یہہ قاصد ۲۱ اپریل کو واپس آیا اور کہنے لگا کہ امیر عبدالرحمن میرے ساتھہ نہایت مہربانی اور گرمجوشی سے پیش آیا ہے اور چار دن تک اُسنے بڑے تکلف سے میری مہمانی کی ہے مگر اُسنے یہہ جواب دیا ہے کہ میں بارہ سال تک روسیوں کا مہمان رہا ہوں اور اُنکا نمک کھایا ہے۔ اِسلیئے میں ہرگز ایسی شرائط نہیں کرونگا جس سے ہمیں

نہ کہ اہم سمجھا جاؤں اور لوگ مجھے بدنام کریں اور ناشکرا کہیں البتہ یہ امر کہ میں نے
تو بہت سے لوگوں کے واقفوں سے صلح اور آشتی کی کہوں لیکن میں زیادہ تر انگریزوں
سے مستقل ایران کا بہتر لگا - کیونکہ مجھے امید ہے کہ اگر یہ مجھے ایران کی طرح خود مختار بنا
میں امداد کرینگے - اس نامے سے یہہ بھی کہا کہ عبدالرحمن خان مقام چہارکار پا جاری کار ہے
پانچ آدمیوں کی جمعیت سے شریک مشورہ ہونے کو تیار ہے -

۳۰ اپریل کو یہہ سر لیپل گریفن نے ایک خط عبدالرحمن کیطرف تاکیدی لکھا ہے
کہ جلدی آکر کابل سنبھالو۔ سر لیپل گریفن کے ۳۰ اپریل کے خط کے جواب میں ۱۶ مئی کو
امیر صاحب نے یہہ خط بھیجا :-

مشفق من مجھے انگریزوں سے بڑی امیدیں تھیں اور اب بھی ہیں اور میں خوش ہوں
کہ میری امیدیں پوری ہوتی ہیں لیکن تم افغانوں کی طبیعت سے واقف نہیں ہو - یہ ایک آدمی
کی بات بہت کم مانتے ہیں - تاوقتیکہ انکو یقین نہ ہو جائے کہ میں انکے بھلے کی کہتا ہوں - میں خدا
کے فضل سے اس بات کا امیدوار ہوں کہ یہ لوگ ملکر آپکی خدمت کریں - اگرچہ گورنمنٹ انگلشیہ
انکی خدمت کی محتاج نہیں ہے تاہم یہہ دنیا ایسی ہے کہ اسمیں بڑوں چھوٹوں کی ضرورت پڑ سکتی ہوگی

اسکے بعد عبدالرحمن خان نے سر لیپل گریفن کو لکھا کہ مجھے مفصلہ ذیل امور پر اپنے سرداروں کے
ساتھ بحث کرنا ہے اور جب آپکا جواب انکی نسبت ہمیں پہونچ جائیگا اس وقت ہم
کابل کیطرف روانہ ہونگے اور وہ امور یہہ ہیں :-

امیر صاحب نے ظاہرا کابل کی سلطنت کو قبول کیا

۱ے امیر صاحب نے اس زمانہ کے بہت مدت بعد اپنے حالات زندگی بیان کرنے میں بتلایا ہے کہ مستورجہ
بالا کے اہلیہ میرے پاس سردار محمد ابراہیم خان - نواب محمد افضل خان اور ڈاکٹر عبدالرحمن کشمیری
آئے تھے جب میں پنج شیر سے گذر کر چہارکار پہونچا جو کابل سے قریب واقع ہے تو قریب تین لاکھ
غازیوں نے آگے بڑھکر مجھے سلام کیا اور خدا کا شکر کر کے کہا کہ شکر ہے تو ہمارا سرپرست پیدا ہو گیا ہے - ہم
بلا سر کے کیا کر سکتے تھے - اور سب نے میرے حق میں دعائے خیر کی اور انگریزوں سے لڑنے کا وعدہ کیا - میں نے غازیوں
کو سمجھایا کہ جنگ کرنیکی حاجت نہیں جبکہ انگریزوں نے خود مجھے طلب کیا ہے کہ کابل میرے سپرد کر دینگے - ۱۲

(۱) کیا قندھار میری قلمرو میں شامل ہوگا - یا اُس سے باہر اور میری قلمرو کے حدود کیا ہونگے۔

(۲) کونسا یورپین سفیر یا کسقدر انگریزی فوج افغانستان میں رکھیگی؟

(۳) انگریز کونسے دشمن کو پسپا کرنا چاہتے ہیں؟

(۴) کون سے فوائد انگریز مجھے اور میرے اہل وطن کو پہنچانا چاہتے ہیں؟

یہ سوال اس قسم کے تھے کہ انسے لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے خیال پیدا ہوتے تھے۔ کوئی تو یہ کہتا تھا کہ عبدالرحمٰن دم دلاسے دے رہا ہے - کوئی یہ کہتا تھا کہ وہ اپنے اہل وطن کو انگریزوں کی طرف سے برانگیختہ کر رہا ہے - کوئی لکھتا تھا کہ وہ محمد جان سے خط و کتابت کر رہا ہے جو انگریزوں کا دشمن ہے اور انگریزوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے - بعض اخبار والوں نے جنرل رابرٹس کو الزام دینے شروع کئے کہ انہوں نے ناحق امیر یعقوب خان کو نظربند کرکے ہندوستان روانہ کیا - اب عبدالرحمٰن سخت ہوگیا ہے - اگر یعقوب خان وہاں رہتا تو

لہ امیر شیر علیخان کی چار بیویاں تھیں اور انمیں سے حسب ذیل اولادیں ہوئیں۔
پہلی بیوی سے سردار محمد علیخان و سردار ابراہیم خان (کہ جسکو جاڑا لیتی گونگا کہتے تھے) پیدا ہوئے دوسری بیوی سے سردار محمد یعقوب خان و سردار محمد ایوب خان پیدا ہوئے - تیسری بیوی سے سردار عبداللہ خان جو ولیعہد تھا پیدا ہوا اور چوتھی بیوی سے سردار [illegible] پیدا ہوا۔

لہ جناب محمد یعقوب خان صاحب آجکل ڈیرہ دون میں مقیم ہیں سرکار انگریزی کی طرف سے پانچہزار روپیہ ماہوار وظیفہ پاتے ہیں اور ملازموں کی تنخواہ اسکے علاوہ ہے اور سردار یحییٰ خان صاحب جو [illegible] [illegible] کی طرف سے [illegible] [illegible] [illegible] جو سردار کہلانے کا نتیجہ ہے سردار [illegible] بھی [illegible] میں مقیم ہیں اور [illegible] سرکار کی طرف سے ملتا ہے [illegible] عبدالرحمٰن خان صاحب [illegible] کرتے ہیں - سردار محمد ہاشم خان خلف سردار محمد شریف خان [illegible] بھی [illegible] مقیم ہیں ایک شجاع خوش طبع اور سخی [illegible] ہیں [illegible] سردار [illegible] [illegible] سردار محمد شریف خان بھی انکی جاگیر میں [illegible] [illegible] سرکار انگریزی [illegible] مقیم عالم

عبدالرحمن کو اسقدر جسارت نہوتی۔

اسی اثنا میں مارکوئیس آف رپن گورنر جنرل کشور ہند مقرر ہوئے یہہ آزاد خیالات کے آدمی تھے اور جنگ وجدل کو پسند نہیں کرتے تھے اسواسطے اُنہوں نے یہہ چاہا کہ جہانتک ہوسکے کابل میں جلد امن ہوجانا چاہئے۔ مگر امیر عبدالرحمن خان جو آیندہ رست آیندہ پرکار بند تہا وہ نہایت متانت اور سنجیدگی سے کارروائی کرتا تہا۔ اور حتی المقدور تعجیل سے کوسوں بہاگتا تہا۔ آخرکار اُسکی تاخیر سے تنگ آکر سر لیپل گریفن اور سر ڈونلڈ سٹیوارٹ دونوں عبدالرحمن کی صداقت پر شبہہ کرنے لگے۔ اور وزیر جنگ خارجیہ نے جنرل مکریگر کے پاس یہہ رائے ظاہر کی کہ عبدالرحمن ہمکو دہوکے دے رہا ہے اُسکے قول و فعل پر اعتبار کرنا سخت غلطی ہے۔ آخر امیر نے سب کو حیران کردیا اور ۲۰ جولائی ۱۸۸۰ء کو وہ ہندوکش عبور کرکے علاقہ کوہستان میں آگیا اور انگریزوں نے فوراً دربار منعقد کرکے تین سرکردگان جنرل کونل خان محمد امین خان اور سید صاحب کی موجودگی میں عبدالرحمن خان کو امیر کابل تسلیم کرلیا۔ سر لیپل گریفن نے جو اس وقت سپیچ کی اُسکا مطلب یہہ ہے:۔

آخرکار عبدالرحمن خان امیر کابل تسلیم ہوگئے

صورت وقعات اب ایسی ہے کہ سردار عبدالرحمن نے سرکار انگلشیہ کی امیدوں اور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی خواہشوں کو اسطرح پر پورا کیا ہے کہ ہم علانیہ عبدالرحمن خان کو جو امیر کبیر دوست محمد خان کا پوتا ہے امیر کابل تسلیم کرتے ہیں گورنمنٹ انگلشیہ کو یہ بات تہوڑی اطمینان بخش نہیں ہے کہ سرداران افغانستان نے بارکزئی خاندان کے ایسے سردار کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا ہے جو مشہور بہادر۔ دانا اور تجربہ کار شخص ہے اُسکے ارادے ہماری دوستی پر مبنی ہیں اور جبتک اُسکے خیالات ایسے پاکیزہ رہینگے سرکار انگلشیہ ہمیشہ اُسکی معاون اور مددگار رہیگی۔ اور ہمیں امید ہے کہ وہ ان سرداروں سے کہ جنہوں نے ہماری خدمت کی ہے اچھی طرح سے پیش

آ گئے۔ جنرل مکگریگر اپنے روزنامچہ میں لکھتا ہے اور مسٹر ہینسمین اسکی تائید کرتا ہے کہ جملہ سردار جو اس وقت موجود تھے کبیدہ خاطر نظر آتے تھے۔ اور کسی کے چہرہ سے خوشی کے آثار نمودار نہ تھے۔ جب سر لیپل گریفن تقریر کر چکے تو کسی نے ہاں یا نا کی گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ فکر کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ چاہے انکے دل میں اس وقت کچھ ہی گذرتی ہو بہرنہج سر لیپل گریفن نے اس رسم کو پورا کیا اور دوسرے دن مسجد میں خطبہ امیر عبدالرحمان خاں کے نام پر پڑھا گیا۔

میوند کا حادثہ

اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد میوند کے حادثہ کی خبر آئی اور سر فریڈرک رابرٹس جو اب لارڈ رابرٹس آف قندھار ہیں باغیوں کی سرکوبی کے لیئے فوج لیکر روانہ ہوئے اور ۳۰ جولائی کو پولیٹیکل ایجنٹ اور امیر عبدالرحمن کے درمیان ایک کانفرنس ہوئی۔ امیر عبدالرحمن خاں دربار کے خیمہ میں پا پیادہ آیا تھا۔ ایک شخص اسکے سر پر ایک بڑا بھاری سرخ چھاتا لگائے ہوئے تھا۔ اور ایک پیادہ پیچھے پیچھے سفید گھوڑا لیئے آتا تھا جسکا ساز وسامان نہایت بیش قیمت تھا۔ مسٹر ہینسمین بیان کرتا ہے کہ امیر عبدالرحمن صورت سے نہ تو جوان اور نہ بوڑھا معلوم ہوتا تھا۔ اسکے اعضا بڑے لمبے اور مضبوط تھے۔ مگر کسی طرح غیر موزون بالجسم نہ تھے۔ اسکے چہرہ سے ایسے آثار نمودار تھے کہ گویا وہ زمانہ کی سختی اور نرمی دونوں سے واقف ہے۔ مگر بحالت مجموعی وہ خوش خلق اور خوش مزاج معلوم ہوتا تھا۔ اسنے اس وقت نیلگون رنگ کا فراک کوٹ پہنا ہوا تھا۔ پاؤں میں اس قسم کے بوٹ تھے جو عموماً سواری کے موقعہ پر کام آتے ہیں اور سر پر استرخانی کلاہ تھی۔ اس وقت سوائے شمشیر کے اور کوئی ہتھیار اسکے پاس موجود نہ تھا۔

ہنگام گفتگو امیر عبدالرحمن نے میوند کے حادثہ کی نسبت اظہار ملال کیا۔ اور کہا مجھے آجکل روپیہ کی بہت ضرورت رہتی ہے۔ سرکار انگریزی کو چاہیئے کہ ایسی امداد فیاضی سے کرے کہ

تاکہ میری ضرورتیں رفع ہو جائیں مگر وہ ہی حالت نہ ہو جو اُس شخص کی ہوئی تھی کہ جو
کچھ کپڑا لیکر ایک درزی کے پاس گیا اور کہا کہ مجھے ایک کوٹ بنا دو۔ مگر درزی نے کہا کہ
صرف کوٹ ہی یا پاجامہ بھی؟ اُس شخص نے کہا ہاں پاجامہ بھی۔ پھر درزی نے پوچھا
اسکٹ بھی؟ اُس شخص نے کہا ازیں چہ بہتر؟ پھر درزی نے پوچھا کہ ایک قمیض
بھی؟ اُس شخص نے کہا سبحان اللہ قمیض ہو جائے تو کیا چاہیئے۔ آخر درزی نے سب
چیزیں اُسی کپڑے میں سے تیار کر دیں۔ مگر اُس شخص کے کام کی ایک بھی نہ تھی سب ایسی
چھوٹی تھیں کہ اُسکے بدن پر ٹھیک نہیں آ سکتی تھیں۔ میری مثال اُس درزی
کی طرح ہے میں آپکے سب احکام بجا لانیکو تیار ہوں مگر مجھے اسقدر دستگیری
ہونی چاہیئے کہ سب کو خوش اسلوبی کے ساتھ سر انجام دے سکوں۔ پھر کہیں ایسا نہ ہو
کہ مجھے بھی شرمندہ ہونا پڑے اور جو کام کیے جائیں وہ اُن سے پھٹے کپڑوں کی طرح
تمہاری پسند نہ آئیں۔

حسن طلب

امیر عبدالرحمن نے اس قسم پر صرف روپیہ ہی نہیں مانگا بلکہ یہ بھی کہا کہ مجھے نواب
گورنر جنرل ہند کیطرف سے ایک نوشتہ بھی ملنا چاہیئے جو اپنے سرداروں کو دکھاؤں
تاکہ انہیں میری بات کا یقین آ جائے۔

چند دن کے بعد امیر عبدالرحمن کی اس قسم عرض کی پوری تعمیل ہو گئی۔ اور ایک
مراسلہ حضور گورنر جنرل کیطرف سے اُنکے پاس پہونچ گیا جس میں امیر عبدالرحمن کو
والی کابل تسلیم کیا گیا تھا اور اُن سے وعدہ کیا گیا تھا کہ چونکہ سوائے انگریزوں کے اور
کوئی تمہارا معاون نہیں ہے اسلیئے وہ وقت پر تمہاری امداد کو تیار ہیں اور وہ
فی الحال تمہارے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرینگے صرف ایک مسلمان
ایجنٹ کابل میں سرکار انگلشیہ کیطرف سے متعین رہیگا۔

اِسکے بعد یکم اگست ۱۸۸۰ء کو ایک اور دربار منعقد ہوا۔ اور چند دن اُسکے

ہوا انگریز [illegible] کی طرف رخصت ہو کر چلتے ہوئے انگریزوں نے
چھ لاکھ [illegible] ہزار روپیہ نقد [illegible] باقی ماہ ستمبر [illegible] بالجملہ اکہ لاکھ نقد اور
قطعہ [illegible] التی [illegible] ہیں

انگریزوں کی مراجعت کابل سے

انگریزوں کے رخصت ہونیکے بعد امیر صاحب نے حصار شیر خل میں پہونچ کر جو میوں نے انکی
تاکید کر دی تہی کہ گیارہ ہیکے دن کابل میں داخل ہونا اور ایک انگوٹھی نیلم کی جسپر عبدالرحمن
۱۲۹۷ ہجری کے الفاظ کندہ ہوئی تہہ میں کہنا چنانچہ وسیل صاحب نے لکہا ہے کہ امیر
صاحب نے ایسا ہی کیا۔

ایک مرتبہ امیر صاحب نے اپنی مراجعت کی حالات اپنے دربار میں بیان کیے تہے جو
حسب ذیل ہیں

پہلے کچھ عرصہ تک مجھے خبر نہ ہوئی کہ امیر شیر علیخاں برباد ہو گیا ہے مگر جب مجھے خبر
ہوئی تو میں نے روسیوں سے درخواست کی کہ مجھے رخصت دو میں اپنے وطن کو جاتا ہوں گورنر
جنرل نے مجھے صلاح دی کہ تم ہندوکش سے اس پار نہ جانا فرنگیوں نے غازیوں کو جوش
دلا رکھا ہے۔ وہ تمہاری جان کے دشمن ہیں۔ غرض میں وہاں سے رخصت ہو کر صرف
ایک سو کے قریب آدمیوں کے ہمراہ عجیب بے سروسامانی کی حالت میں وطن کو روانہ ہوا میرے
ہمراہ خیمہ و خرگاہ کچھ نہ تہے اور عجب طرح کی بیکسی ہماری حالت سے نمودار تہی۔ سبز شہر

امیر صاحب کے علاقہ روس سے معاودت کی کیفیت

کے قریب ایک منزل ادہر اس مقام کے حاکم نے مجھے اطلاع دی کہ امیر بخارا آپکے آنے کی
منتظر ہیں انہوں نے تم لوگوں کے لیے مٹھائی وغیرہ طیار کرائی ہے اور تمہیں دو چار روز
مہمان رکھکر رخصت کرینگے جب ہم سبز شہر کے اندر جانے لگے تو معلوم ہوا کہ دروازہ
شہر پناہ کا اندر سے بند ہے ہم تہوڑی دیر انتظار کر کے شہر پناہ کے ساتھ ساتھ
نصف میل تک چلے گئے۔ اتنے میں اس فصیل پر سے بیس پچیس آدمیوں نے ہمیں
آوازیں دیں۔ یہہ وہی میرے ہمراہی تہے جنہوں نے امیر بخارا کی ملازمت اختیار

کرلی تھی میں نے پوچھا دروازہ کیوں نہیں کھولتے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ امیر بخارا نے تو تمہاری دعوت کے لیئے بڑی تیاریاں کی تہیں لیکن تمہارے خالو جان محمد خان اور تمہارے جرنیل نصیر محمد خاں نے اُسکو ڈرا دیا کہ اگر تم شہر میں آئے تو تمام افغان جو اس وقت بخارا میں ہیں ملازمت چہوڑ کر تمہارے ساتھ ہو لیں گے اسلیئے اُسنے دروازہ بند کرا دیا ہے۔ لیکن صبر کرو جس وقت دروازہ کھلا ہم اُسیوقت تمہاری خدمت میں حاضر ہو جائینگے۔ غرض ہم شہر سے چار کوس کے فاصلہ پر ایک میدان میں آ پڑے جہاں گہوڑوں کے لیئے تو بہت گہاس تہی لیکن ہمارے لیئے کوئی خوردنی شئے دستیاب نہ ہو سکتی تہی۔ لاچار ہم سب گرسنہ سو گئے۔ دوسرے روز کوچ کرکے ایک روز بستی میں جا قیام کیا جب وہاں سے آگے بڑہے تو راہ میں ایک جگہ دنبوں کا گلہ نظر آیا بعض آدمیوں نے مجہے ڈرایا کہ امیر بخارا کا لشکر ہمارے تعاقب میں آرہا ہے ہم بھی تیار ہو گئے کہ بہاگ کرنے سے مار کر مرنا اچہا ہے۔ لیکن جب وہ قریب آئے تو ہمیں سخت ہنسی آئی میں نے اُس وقت سمجہا کہ ترکستان کا راہ اچہا نہیں بدخشاں کو جانا چاہیے جب سرحد بدخشاں میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ امیر شیر علیخاں مرحوم کا حکم تہا کہ وہاں میرا کوئی نام نہ لے اور نہ میں اس سرحد میں قدم رہنے پاؤں۔ وہاں کے لوگ مجہے مطلق نہیں پہچان سکتے تھے۔ مگر میری جمعیت دیکھکر لڑنے پر آمادہ ہو گئے میں نے اپنے سواروں کو سمجہایا کہ جنگ کرنا اچہا نہیں پھر میں تن تنہا مخالف لوگوں کو سمجہانیکے لیئے آگے بڑہا۔ جب میں نے علیک سلیک کے بعد جنگ کی وجہ پوچھی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ امیر شیر علیخاں کا حکم گورنر ترکستان کیطرف پہنچا ہے کہ عبدالرحمن کو گذرنے نہ دو کہیں وہ تمہارے ملک پر قبضہ نہ کرے میں نے اُنکو سمجہایا کہ شیر علیخاں تو مر گیا ہے اور اُسکے بیٹے قید ہو کر چلے گئے ہیں گو رنر ترکستان تمہیں بازی دیتا ہے۔ اگر عبدالرحمن خان بادشاہ ہو جائے تو تمہیں کیا عذر ہے۔ اسپر اُنہیں

خلاصے وقت اوسان

اطمینان ہو گیا اور میرے ہمراہ میرے لشکر میں چلے آئے۔ میرے آدمیوں نے ادب سے مجھے سلام کیا اور وہ حیران ہو گئے جب مینے کہا کہ عبدالرحمن میں ہی ناچیز ہوں تو اُنہوں نے آفرین کی اور کہا کہ شاباش تمہاری جوانمردی پر کہ تم تنِ تنہا ہمارے ہجوم میں چلے گئے تھے۔ اِسکے بعد اُنمیں سے ایک نے آگے بڑھکر کہا تُم مجھے پہچانو میں اعظم خاں کا خسر ہوں اور دوسرے نے کہا میں اُسکا خسر پورہ ہوں۔ اچھا ہوا ہم نے تم پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ تم ہمارے قریبی رشتہ دار ہو پھر سردار اعظم خاں صاحب کے حالات دریافت کیے۔ مینے اُنکے وفات کی خبر بیان کی اور اُنکے آدمی جو وہاں سے لوٹ کر آئے تھے پیش کیئے۔ پھر اُنہوں نے مجھے شہر میں ڈیرہ کرا دیا اور سرکاری مکانات مجھے تفویض کیئے گئے اور تمام علاقہ بدخشاں میں سوار بھیجدیئے کہ اب ہمارا سردار آگیا ہے جہاں جہاں شیر علی کے آدمی ہیں وہ نکالدیئے جائیں اور یہاں آکر سلام کریں۔ پھر لوگوں نے نذریں اور تاتارک دینی شروع کیں۔ اور قریب ایک لاکھ روپیہ کے نقد۔ دو ہزار گھوڑے اور ہزارہا دنبے جمع ہو گئے۔ دو ماہ تک ہم وہاں ہی مقیم رہے اور تمام بدخشاں پر ہمارا قبضہ ہو گیا۔ جب قطغن میں خبر پہنچی تو میر مراد بیگ ایک لاکھ روپیہ نقد۔ بارہ کنیزیں اور چالیس گھوڑے بطور تارتک (نذرانہ) کے لایا۔ مینے عبداللہ خاں غلزئی کو جسکو کہ اب خطاب سرداری دیا ہے میر مراد بیگ کے ہمراہ قطغن کو بھیجا کہ شیر علیخاں کے آدمی نکالکر اُسکو وہاں کا حاکم بناؤ۔ اور اپنا انتظام کر لو۔ سردار اسحاق خاں اور سرور خاں ہم سے سبز شہر سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ مینے اُنکو ترکستان کیطرف روانہ کیا اور میں بدخشاں کو اِسلیئے آیا کہ یہاں کے لوگ اچھے ہیں اور اِدہر شیر علیخاں کی زیادہ فوج بھی نہیں۔ کابل بھی اِدہر سے نزدیک ہے۔ جب دریائے آموں سے گذر سرور خاں اور اسحق خاں ترکستان میں داخل ہوئے۔ تو اُنہوں نے گورنر ترکستان سے جو ووک قوم سے تہا کہا کہ

بدخشاں میں آؤ بیگت

سردار اسحاق خاں ترکستان کو بھیجا گیا

تم رعایا ہو اور اعظم خاں کے بیٹے شاہی خاندان سے ہیں۔ تم امیر شیر علیخاں کے ملازم
ہو۔ مگر وہ خود مرگیا اور اُسکے بیٹے قید ہوگئے ہیں۔ اب بحکم شرع ہمیں حکومت اِس
ملک کی پہنچتی ہے۔ تم ہمیں اپنے بادشاہ تسلیم کرکے گورنر بنے رہو۔ اُسنے اسپر سرور خاں
کو قتل کردیا۔ یہہ خبر سُنکر افسران فوج ترکستان سخت برافروختہ ہوئے۔ کیونکہ وہ امیر افضلخاں
والد عبدالرحمن خاں کے قدیم نوکر تھے۔ وہ اپنے جرنیل روک کے مارنے پر آمادہ ہوئے۔ روک
ایک سو آدمی کی اردلی سمیت بخارا کو بھاگ گیا۔ اور فوج نے اسحاق خاں کی اطاعت
منظور کرکے اُسے ترکستان کا حاکم تسلیم کیا۔

باب ششم

حکومت کابل

ڈاکٹر ٹیلیئو سی ایس آئی کمشنر حفظان صحت پنجاب کی تحریر کے بموجب معلوم ہوتا ہے
کہ انگریزوں کے کابل سے چلے آنے کے بعد امیر عبدالرحمن خاں نے تمام خبروں کا رستہ
ہندوستان کیطرف مسدود کردیا۔ اور امیر شیر علیخاں کے ہواخواہوں کو یا تو مروا دیا
یا چُن چُن کر نکلوا دیا۔ ایک دوسرے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ تمام عمارات شاہی جو
امیر شیر علیخاں کے وقت استعمال میں آتی تھیں یا تو گرائی گئیں یا ادنے کاموں
کے سپرد کی گئیں۔ یہانتک کہ امیر شیر علیخاں کے دربارگاہ کو اصطبل بنا دیا گیا۔ اِسکے
بعد امیر صاحب نے اپنے عیال و اطفال کو کابل میں بلوایا۔ ۲۲ نومبر ۱۸۸۰ء کو امیر صاحب
نے عتیق اللہ خاں کی دختر بلند اختر بی بی حلیمہ سے شادی کی جو اسوقت حرم سرائے
کی ملکہ اور سلطانہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اِس بیگم سے امیر صاحب نے عجیب طرح سے شادی کی
کی کسیکو خبر تک نہ تھی کہ ایسی شادی ہونیوالی ہے اور دفعتاً امیر صاحب کابل سے غائب

سلطانہ سے شادی

ہو گئے - اور دو دن تک غائب رہے - لوگوں میں یہ افواہ اڑ گئی کہ امیر عبدالرحمن خاں کو کسی نے قتل کر دیا ہے - مگر بعد ازاں معلوم ہوا کہ وہ اپنی دلہن کے مکان پر تشریف رکھتے ہیں ؛

اس شادی کے بعد امیر صاحب عیش و عشرت میں نہیں پڑ گئے - بلکہ بدستور امور سلطنت میں نہایت گرمجوشی سے مشغول رہے امیر صاحب کو مسند پر بیٹھکر کہا نا ہضم نہیں ہوتا تھا - انکا تسلط شمال کوہ ہندوکش میں اچھی طرح جم چکا تھا مگر میمنہ کا اوزبک سردار ابھی تک باغی تھا میمنہ رقبہ میں ہرات کے ۱/۳ حصہ کے برابر ہے مگر اسکے گرد بڑی مضبوط دیوار اور خندق ہے میمنہ کے فتح کرنے میں امیر صاحب کو بہت دقت پیش آئی اور بڑی دشواری کے بعد یہ جگہہ ۱۸۸۱ء میں فتح ہوئی جب سردار ایوب خاں قندہار پر بلوے کر رہا تھا تو امیر صاحب نے چند روز کابل میں رہکر اور حکومت کابل پروانہ خاں کو سپرد کر کے فوراً قندہار کا قصد کیا - وہاں پہنچکر ایک ہی لڑائی ہوئی جسمیں سردار ایوب خاں کو شکست ہو گئی اور کل فوج اور سردار امیر صاحب سے آملے - ایک قندہاری مولوی نے فتوے دیا تھا کہ امیر چونکہ انگریزوں کا دوست ہے اس سے غزا روا ہے - امیر صاحب نے اسکو اپنے ہاتھ سے قتل کیا - اور اسکے بیٹے کو کابل میں ہمراہ لے آئے جو ابتک موجود ہے اور دو ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ پاتا ہے *

سردار ایوب خاں کا قندہار میں شکست کھانا اور [illegible] سے ناکام لوٹنا

قندہار سے سردار ایوب خاں بھاگ کر ہرات کو گیا تو وہاں کے لوگوں نے شہر کا دروازہ بند کر لیا - اور امیر صاحب کی حکومت منظور کی - ایوب خاں بھاگ کر ایران کو چلا گیا اور وہاں سے ہندوستان میں لا کر راولپنڈی میں مع بہت سے ہمراہیوں کے رکھا گیا جو سرکار انگریزی سے وظیفہ پاتا ہے ؛

۱۸۸۳ء میں امیر صاحب نے شغنان اور سروشان کیطرف توجہ مبذول کی - ان دونوں صوبوں اور ریاستوں کا حاکم میر شاہ یوسف علی تھا جو اپنے آپکو شاہ خموش کی اولاد ی

روشان شغنان کا تعنیت

بتاتا تہا کہ جسنے بخارا سے آکر ساتویں صدی میں یہاں کے باشندوں کو دین اسلام کی تلقین کی تہی۔ کہتے ہیں کہ جب سکندر ذو القرنین بغداد فتح کرنیکے ارادہ سے اِدہر آیا تو ایک زبردست ساحر نے اُسے مسحور کر کے طلسم بند کر دیا۔ مدت کے بعد سکندر کی دختر کو جو پری تہی یہہ حال معلوم ہوا اور ہ بلبل بنکر وہاں آئی۔ ساحر کو قتل کیا اور سکندر کو آزادی دی۔ اِس قسم کی روایتیں اور کہانیاں یہاں کے باشندوں میں بہت مشہور رہیں۔ سر ہنری رالنسن بیان کرتے ہیں کہ سکندر کی معشوقہ روشنک یہیں کی رہنے والی تہی۔ غرض یہاں کی عورتیں نہایت حسین اور مہ جبین ہوتی ہیں اور خوقند کے خان یہاں سے خراج میں عورتیں ہی لیا کرتے تھے۔ کپتان وڈ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دن اُنکے روبرو سرادبیگ والی قندز کو پندرہ دوشیزہ کنیزیں بطور خراج کے دیگئی تہیں۔ شاہ یوسف علی کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بڑا شقی القلب اور سنگدل شخص تہا۔ اُسنے اپنی سوتیلی والدہ کو مشک میں بند کروا کے دریا میں ڈلوا دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اُسے سنگسار کرو۔ یہاں غلاموں کی تجارت بہت ہوتی ہتی اور اگر کوئی بدبخت اُس کو ناراض کرتا تھا تو فوراً غلام بنا کر بیچ ڈالا جاتا تھا۔ ۱۸۸۳ء میں ڈاکٹر البرٹ ریگل روسی سیاح شغنان میں آیا اور شاہ یوسف علی نے اُسکی مہمانداری کی۔ امیر صاحب کو اِس بات سے سخت طیش آیا کہ کیوں روسی ڈاکٹر یہاں گہنسے پایا اور ماہ ستمبر ۱۸۸۳ء میں شاہ یوسف علی کو کابل بلا کر قید کر لیا۔ اور گلزار خاں ساکن قندہار کو وہاں کا حاکم بنا کر بہیجدیا۔ یہہ وہی شخص تھا جسنے ایک دوسرے روسی سیاح مسٹر الیفرانافٹ کو وہاں آنیکی اجازت نہ دی تہی۔ امیر صاحب کے شغنان پر قابض ہونے سے روسیوں کو بہت اُچہلے کودی۔ اُنہوں نے اِس بات پر زور دیا کہ شغنان اور روشان علاقہ روس یعنی فرغانہ سے ملحق ہیں اور اُنکا خودمختار

رہنا واجب ہے - اس بات پر بہت دیر تک خط و کتابت ہوتی رہی اور انگریز بھی دخل دیتے رہے - مگر آخر کو کچھ بھی نہ ہوا - اور دونوں مقام امیر صاحب کے ہی تحت میں رہے - اور اگر نظر انصاف سے دیکھا جاوے تو امیر صاحب کی حکومت وہاں کے لوگوں کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے - کیونکہ انہوں نے بردہ فروشی کو یک قلم بند کر دیا ہے - ۱۸۹۱ء میں امیر صاحب نے اپنے جرنیل غلام حیدر خان کو کافرستان کی طرف قدم بڑھانے کو کہا مگر انگریزوں نے ۱۸۹۳ء میں منع کر دیا کہ آپ ایسا غلطی نہ کریں لیکن ۱۸۹۳ء کے سر مارٹیمر ڈیورنڈ کے مشن کے قرار داد کے مطابق کہ جسکا زیادہ ذکر آگے چلکر آئیگا - امیر صاحب نے اسی جنرل کو دوبارہ ۱۸۹۵ء میں کافرستان کی مہم سر کرنیکو بھیجا اور کافرستان کو فتح کر کے قلمرو ئے افغانستان میں شامل کر لیا ہے - جب سے

سرکار انگلشیہ کی امداد سلطنت افغانستان کو

امیر عبد الرحمن خان والی کابل ہوئے ہیں ہمیشہ سرکار انگلشیہ انہیں روپے سے مدد دیتی رہی ہے - چنانچہ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جون ۱۸۸۱ء تک مفصلہ ذیل رقوم امیر صاحب کو دیگئیں :-

رقم جو کابل میں ماہ اگست ۱۸۸۰ء میں دیگئی - مبلغ چھ لاکھ پینسٹھ ہزار روپیہ ۶۶۵۰۰۰

رقم جو لنڈی کوتل میں ستمبر ۱۸۸۰ء " - مبلغ پانچ لاکھ روپیہ -

رقم جو پشاور میں اکتوبر ۱۸۸۰ء " - مبلغ سات لاکھ روپیہ

رقم جو پشاور میں جنوری ۱۸۸۱ء میں دیگئی - مبلغ ایک لاکھ روپیہ

رقم جو فروری ۱۸۸۱ء میں پشاور بھیجی گئی - مبلغ پانچ لاکھ روپیہ

رقم جو قندھار میں امیر صاحب کے گماشتہ کو اپریل ۱۸۸۱ء میں دیگئی - مبلغ پانچ لاکھ روپیہ

رقم جو پشاور میں جون ۱۸۸۱ء میں دیگئی - مبلغ پانچ لاکھ روپیہ

رقم جو قندھار میں اپریل مئی اور جون ۱۸۸۲ء میں دیگئی - مبلغ ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ

میزان - چھتیس لاکھ پندرہ ہزار روپیہ

یہہ رقم صرف ۱۸۶۸ء و ۱۸۶۹ء کے وسط تک دیگئی ہے۔ اور اب بھی ہر سال بہت سا
روپیہ امیر صاحب کی نذر کیا جاتا ہے۔ لارڈ رپن وایسرائے ہند کے عہد حکومت میں جب
روسیوں نے مرو کے معاملہ میں چھیڑ چھاڑ شروع کی اور افغانوں کو خوف پیدا ہوا کہ روسی
ہماری گوشمالی پر آمادہ ہیں تو امیر صاحب کے پاس لارڈ رپن نے ایک مراسلہ بھیجا جسکا مضمون یہہ تھا
کہ آپ مطلق خوف نہ کریں ہم ہر طرح آپکا ساتھہ دینے کو تیار ہیں۔ جون ۱۸۸۳ء میں جو خط
لارڈ رپن نے امیر صاحب کے نام لکھا اُسکا مضمون یہہ ہی۔ "اِن باتوں کا لحاظ کرکے ہم نے
ارادہ کر لیا ہے کہ آپ کو بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دیا کریں۔ جو آپ کو ماہ بماہ دیا
جایا کریگا۔ یہہ آپکی فوج کے اخراجات کے لیئے ہے تاکہ آپ شمالی و مغربی سرحد کو مستحکم کریں
اور دشمنوں کے حملہ سے بچائیں۔ اور ہمیں آپکے تجربہ۔ لیاقت اور شجاعت سے یقین کامل ہے۔

بارہ لاکھ کا وظیفہ مقرر ہوا

سلہ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸۵۶ء سے ۱۸۸۱ء تک بحسب تفصیل ذیل سامان سرکار انگریزی نے امیر کابل کو دیا ہے:۔

سن	نقد روپیہ	توپ	بندوق	سنگین	ریفل	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۱۸۵۶ء	پانچ لاکھ	•	چار ہزار چقماقی	•	•	•	آٹھ لاکھ	•	•	•
۱۸۵۷ء	اکیس لاکھ	•	پانچ ہزار	•	•	•	دس لاکھ	•	•	•
۱۸۶۸ء	بارہ لاکھ	تیرہ توپ	دس ہزار	•	•	•	بیس لاکھ	تینتیس سو	•	•
۱۸۶۹ء	دو لاکھ	•	•	ایکہزار	ایک ہزار دو	بارہ سو	•	•	پچاس ہزار	•
۱۸۷۲ء	دو لاکھ	•	ایکہزار	•	دو سو	•	ایک لاکھ	•	•	•
۱۸۷۳ء	دس لاکھ	•	•	•	[illegible]	•	•	•	•	•
۱۸۷۹ء	پچاس ہزار	•	•	•	•	•	•	•	•	•
۱۸۸۱ء	انچاس لاکھ	•	•	•	•	تین ہزار	•	•	•	[illegible]
میزان	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

کہ آپ اِس روپیہ کو بطرز مناسب استعمال میں لائیں گے"

امیر صاحب نے ۱۱ جولائی ۱۸۸۳ء کو مفصلہ ذیل جواب اِس مراسلہ کا دیا :-

"میں نے یہہ خوشخبری افغانوں کو سنادی ہے- اور وہ سنکر نہایت بشاش ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ افغان سالہا سال سے مصیبتیں جھیل رہے تھے- بار ی شکر کا مقام ہے کہ یہہ فیاض گورنمنٹ اسکے حال پر مہربان ہوئی ہے- اگر خدا کو منظور رہا تو افغان کبھی راہ دوستی سے منحرف نہیں ہونگے- اور جبتک میرے دم میں دم ہے میں بھی سوائے اِس عظیم الشان سلطنت کے اور کسی کی دوستی کا دم نہیں بھرونگا میں حق سے دعا مانگتا ہوں کہ اِس عالیشان سلطنت کی شان و شوکت میں ترقی ہو"

بارہ لاکھ کا شکریہ

لارڈ رپن کے زمانہ میں امیر صاحب کا ارادہ تھا کہ ہندوستان میں آئیں اور لاٹ صاحب سے ملاقات کریں- مگر ایسے اسباب پیدا ہوتے گئے کہ یہ ارادہ پورا نہ ہوا- آخر کار لارڈ ڈفرن بہادر کے زمانہ میں یہہ ضروری معلوم ہوا کہ امیر صاحب سے دو بدو گفتگو کیجاوے- بعض مدبران ملک کا یہہ خیال تھا کہ ہم امیر کو ہر سال زر کثیر دیتے ہیں اور ہتھیار اور دیگر آلات حرب بھی بھیجتے ہیں مگر اجتک ہمیں کچھ یقین نہیں ہے کہ امیر ہماری دوستی پر قایم ہے امیر کے حرکات و سکنات ایسے ہیں کہ جن سے دوستی ظاہر نہیں ہوتی- بڑا ثبوت اِس بات کا یہہ ہے کہ امیر نے اُن لوگوں سے نہایت سختی سے برتاؤ کیا ہے جو ہمارے مددگار اور دوست تھے- اِن باتوں کا فیصلہ کرنیکے لیئے لارڈ ڈفرن نے مناسب سمجھا کہ ضرور امیر صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہونی چاہیئے- چنانچہ امیر صاحب کو لاٹ صاحب نے اپنے ارادہ سے اطلاع دی- اور امیر صاحب نے ہندوستان میں آنا فوراً منظور کر لیا- شہر راولپنڈی مقام دربار کے لیئے تجویز کیا گیا- اور بڑی دہوم دہام سے تیاریاں شروع ہوئیں- کہتے ہیں کہ اگرچہ شان و شوکت میں یہہ دربار دہلی کے دربار سے دوسرے درجہ پر تھا مگر اسکی بھی رونق قابل دید تھی صرف حرج یہ ہوا کہ بارش نے زور ڈالدیا- مینہ موسلا دھار برسنے لگا-

اور اس شدت سے برسا کہ گویا اُس روز برس کر پھر نہ برسیگا۔ اس لیے محل بارش نے چاندماری اور لشکر کے ریویو کا لطف خراب کر دیا۔ لیڈی ڈفرن نے اپنے خطوط میں اس دربار کا تذکرہ اس طرح پر کیا ہے۔ امیر جو ایک خوبصورت تناور آدمی ہے شوخ نارنجی رنگ کا پیراہن پہنے ہوئے تہا۔ اُسکے پاؤں میں گھٹنوں تک روسی بوٹ تھے۔ اور اُسکے رسالہ کے سوار اُسکے جلو میں تہے۔ امیر اپنے جلاد کو بہی ہمراہ لایا تہا جسنے سُرخ مخمل کا جامہ پہنا ہوا تھا۔ اور اُسکی کمر میں ایک کلہاڑی اور ایک پہانسی کی رسی تہی۔ پہر اس خط میں لیڈی صاحبہ لکھتی ہیں۔ "امیر کی خصلت میں تم سے بیان کرتی ہوں۔ کل صبح وہ تین گھنٹے تک گلدستہ تیار کرتا رہا۔ اور چالیس گلدستہ تیار کیئے۔ اور پہر کہا کہ ہر روز ہمیں گلدستے بہیجے جایا کریں۔ اور یہہ وہ شخص ہے کہ جب اپنے ملک میں ہوتا ہے تو لوگوں کے سر کاٹتا ہے اور انکو پہانسی پر چڑہاتا ہے"

امیر جب دربار میں آیا تو اپنے جلاد کو ساتھ لانا

۶- اپریل ۱۸۸۵ء کو لارڈ ڈفرن نے امیر عبدالرحمن کی دعوت کی اور لاٹ صاحب موصوف نے امیر صاحب کی صحت کا جام نوش کیا۔ اُس وقت سب حیران رہگئے۔ جبکہ امیر صاحب کہڑے ہوگئے اور ایک اسپیچ دی۔ جسمیں اُنہوں نے انگلستان اور افغانستان کی دوستی کا اظہار کیا۔ انگریزی فوج کی تعریف کی اور امید ظاہر کی کہ افغانستان بہی ہندوستان کی طرح جسکے ساتھہ اسکی بہبودی وابستہ ہے ایک دن سرسبز اور شاداب ہو جائیگا۔

۸- اپریل ۱۸۸۵ء کو یہہ عظیم الشان دربار منعقد ہوا۔ اس دربار کی رونق کا کیا کہنا۔ چاروں طرف سنہری روپہلی وردیاں آنکھوں کو چوندہیاتی تہیں اور دربار کا خیمہ ایک بقعہ نور نظر آتا تہا۔ اس دربار میں علاوہ وائسرائے بہادر لارڈ ڈفرن کے امیر عبدالرحمن خان۔ ڈیوک آف کناٹ سر فریڈرک رابرٹس کمانڈر انچیف ہند صاحب لفٹننٹ گورنر پنجاب۔ لفٹننٹ گورنر صاحب ممالک مغربی و شمالی اور ریاست

راولپنڈی میں امیر صاحب اور وائسرائے بہادر کی ملاقات کی جگہ



راجگان پنجاب موجود تھے۔ مہاراجہ صاحب پٹیالہ نے اُس وقت جو رنگین دستار زیب سر کی ہوئی تھی اسمیں یاقوت اور الماس کی لڑیاں لٹک رہی تھیں نواب صاحب بہاولپور کے سر پر جو تاج تھا اسمیں بڑے بڑے ہیرے جڑے ہوئے تھے اور مہاراجہ صاحب نابھہ تو اُس وقت چلتی لڑائیوں کا ایک نمونہ معلوم ہوتا تھا جب تحفہ تحائف پیش ہو چکے تو امیر صاحب نے درخواست کی کہ مجھے چند الفاظ کہنے کی اجازت دیجاوے۔ وائسرائے نے منظور کیا اور امیر صاحب نے فارسی میں مفصلہ ذیل تقریر کی :-

"میں اُس نوازش اور توجہ کا نہایت مشکور ہوں جو وائسرائے اور ملکہ معظمہ نے میرے حال پر کی ہے اور اس نوازش کے عوض میں میں اپنی فوج اور لوگوں کے ساتھ جو خدمت سرکار دولتمدار چاہے کرنے کو تیار ہوں اور چونکہ سرکار نے وعدہ کیا ہے کہ اگر کوئی غنیم افغانستان پر چڑھ آیا تو اسکے دفع کرنے میں مدد کریگی اسلیئے ہمارا بھی فرض ہے کہ استقلال کے ساتھ ہمیشہ سرکار عالی وقار کے ساتھ وفاداری کریں"

امیر صاحب کی تقریر

جسوقت امیر صاحب تقریر کر رہے تھے تو عجیب لطف ہوا منجملہ اُن تحائف کے جو امیر صاحب کو دیئے گئے تھے۔ ایک کل کی انگریزی بولنے والی چڑیا بھی تھی جو خود بخود اس وقت بولنے لگ پڑی۔ مگر اسکی سُریلی آواز نے امیر صاحب کی فصاحت میں خلل اندازی نہیں کی بلکہ اسکی رونق کو دوبالا کر دیا۔ غرض امیر صاحب کی تقریر پر خوب تالیاں پٹی گئیں اور سنکے اظہار دوستی پر ادنےٰ اعلےٰ خوش ہو گئے۔

راولپنڈی میں امیر صاحب نے اعلےٰ درجہ کی لیاقت اور سنجیدگی ظاہر کی بلکہ ایک دفعہ جبکہ ایک معاملہ میں لاٹ صاحب نے دور تک جانا چاہا اور پوچھا کہ آپکی اسمیں کیا تجویز ہے تو امیر صاحب نے جواب دیا کہ یہ مناسب سوال نہیں ہے مگر لارڈ

ڈفرن بھی تدابیر ملک اور رموز شناسی میں اُستاد تھے۔ انہوں نے بھی اپنا مطلب نکال لی ہی لیا اور امیر کو ہاتھ پر ڈال کر سب معاملات کا تصفیہ حسب خاطر خواہ کر لیا۔

ابھی امیر صاحب راولپنڈی میں ہی تھے کہ پنجدہ پر روسیوں کی شورش کی خبر آئی اور ایک روز یہ معلوم کر گئے روسیوں کے ہاتھ سے افغان فوج ہار گئی ہے۔ ایک سناٹا ہو گیا۔ ۱۴ جنوری ۱۸۸۶ء کو لارڈ ڈفرن نے کونسل وضع آئین و قوانین کے ایک جلسہ میں بیان کیا کہ اگر امیر صاحب راولپنڈی میں نہ ہوتے اور اگر امیر صاحب جیسا بیدار مغز امیر کابل پر حکمران نہ ہوتا تو روسیوں کے ساتھ ہماری بڑی سخت لڑائی ہوتی۔ اور ہزار ہا بندگان خدا کا خون ناحق پانی کی طرح بہ جاتا۔ ۱۲ تاریخ اپریل کو امیر صاحب کابل کی طرف واپس ہوئے لکھتے ہیں کہ چلتے ہوئے انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہمیں ملکہ معظمہ خطاب عطا کرے چنانچہ ایسا ہی سلطنت لندن میں معاملہ سلسلہ ہلایا اور گرینڈ کمانڈر آف دی سٹار آف انڈیا کا عالی مرتبہ خطاب لیکر امیر صاحب کابل کو سرفراز کرے۔

پنجاب کمیشن کے اس اس تہار برس کے بیان ہو کر امیر صاحب نے روسیوں اور انگریزوں کو اور اسکے اپنی حالت کو اسطرح پر بیان کیا ہے۔ ایک فوکا ذکر ہے کہ ایک بگلا تالاب میں تیر رہا تھا۔ ایک کنارہ پر بہت سے بھیڑیئے اسکی طرف گھور رہے تھے اور دوسرے کنارہ پر ایک بڑھی شیرنی بیٹھی ہوئی تھی۔ شیرنی نے اسپر حملہ کر کے اسکے چند پر کھینچ لیے۔ بیچارہ بگلا نہایت پریشان ہو کر دوسرے کنارہ کیطرف دوڑا اسکے جوں وہ نزدیک گیا بھیڑیئے آنکھیں نکال کر اسکی طرف جھپٹے اور قریب تھا کہ اسکی بوٹی بوٹی بانٹ لیں مگر وہ بگلا دوڑ کر گھر سے پانی میں چلا گیا۔ وہاں اُسکے پہنچ نہ پہنچا۔ وہاں اُسنے یہ خیال کیا کہ اگر تالاب سے گیا تو شیرنی نے تو شائید ہی مگر بھیڑیئے ضرور مجھے نوالہ کر جائیں گے۔ در اصل امیر صاحب حکیم لقمان کی طرح تمثیلی حکایات عجب

پنجدہ پر روسی شورش کی خبر

ملک افغانستان کی حالت اور تمثیلی حکایت

تیار کرتے ہیں اور صرف تیار ہی نہیں کرتے بلکہ ان سے کام بھی لیتی ہیں۔

جب امیر صاحب ہندوستان سے رخصت ہوئے تو بعض ولایتی اخبارات نے خوب بے
کے تیر دوڑانے شروع کیئے اور ایک اخبار نے تو یہہ بھی لکھ دیا کہ امیر صاحب نے لارڈ
ڈفرن سے کہا کہ سنا ہے کہ انگلستان کی عورتیں نہایت سہ جبیں ہیں انکے رنگ مثل انار
کے ہیں اور انکی چھاتیاں سیب سمرقند سے بہتر ہیں کیوں نہیں آپ میرا رشتہ ملکہ کے
خاندان میں کرا دیتے۔ اسکے جواب میں لاٹ صاحب نے کہا کہ ہمارے ملک میں عورتیں خود مختار
ہوتی ہیں اور وہ جس سے چاہیں شادی کر سکتی ہیں۔ مردوں کا کچھہ اختیار اسمیں
نہیں ہے۔ اس قسم کی لغویات بہت مدت تک اخباروں میں چھپتی رہیں۔
جن کو باور کرنا سراسر حماقت ہے۔ اور عجب نہیں کہ اسی قسم کے اخبارات کی گپوں
اور بیہودہ باتوں کو سن سن کر امیر عبدالرحمن صاحب ہندوستان کے اخبارات
سے بہت بدظن ہو گئے ہوں کہ جو امر خود انکی ایک تحریر سے ظاہر ہے اور جسکو میں
بجنسہ اگلے صفحہ پر انکے دستخط سے نقل کرتا ہوں۔

اخبارات کی گپیں

اس میں امیر صاحب اخبار نویسوں کی بکواس کو کتوں کے عف عف سے منسوب کرتے
ہیں۔ اور در اصل وہ ایسے اخبارات کی نسبت حق بجانب ہیں۔ اور علاوہ اسکے افغانستان
کی حالت بھی مقتضی اس امر کی ہے کہ امیر صاحب اخبار نویسی کو جرات نہ دلائیں جبکہ
روس اور روم جیسے ممالک میں جو یوروپ میں واقع ہیں آجتک اخبارات کو آزادی
نصیب نہیں ہوئی تو افغانستان جو انسے ہزار ہا سال پیچھے ہے کیسے اخبارات کی قدر
کر سکتا ہے کیونکہ خود مختار بادشاہوں کی حالت اور انکے کاموں کو اخبارات کی نکتہ چینی
سے صدمہ پہونچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور پھر افغانستان کہ جہاں پولیٹیکل ایجنٹ صاحب
کو یہاں تک جانے کی اجازت نہیں دیتے وہاں اخبارات کی نسبت جو کچھہ وہ کہیں
بجا ہے۔

[بجنسہ نقل دستخط امیر صاحب بالقابہ]

[illegible]

نقل مطابق اصل بہ۔ دانستہ شدم مردم ہر ترلی گی ہندوستان کہ حالا نام خدا اعتبار رئیس
باندہ بست ہر چہ بدل شان میرسد مگر بند۔ حرف این ہا مسال سدۂ گم گشتہ کہ ہر کس کار دو عملی است
بے سبب حرف حرف میکند۔ فقط

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک مشیر نے امیر صاحب سے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ انگریزوں
کیطرف زیادہ متوجہ اور روسیوں سے کبیدہ خاطر ہیں۔ ہمارے لیئے جیسے انگریز ہیں
ویسے ہی روسی ہیں۔ امیر صاحب نے جواب دیا کہ انگریزی گورنمنٹ سے ہمیں ہر طرح فائدہ
ہی فائدہ ہے۔ اور روسیوں سے ہمیں ڈرنا چاہیئے۔ وجہ اسکی یہہ ہے کہ روسیوں کا

لہ امیر صاحب کی جس تقریر کا یہہ خلاصہ ہے اُسکو اپریل سنہ ۹۳ء میں بمبئی گزٹ نے بجنسہ چھاپا تہا
یہاں اُسکا ترجمہ نقل کردینا نامناسب ہوگا۔

امیر صاحب نے ایک لمبی گفتگو کے درمیان کہا کہ اگر اب روسی ہندوستان کو فتح کرنے کا ارادہ کریں
تو اُنکو ضرور ہندوستان کو جانے کے لیئے افغانستان کے درمیان سے ہی گذرنا پڑیگا۔ بیشک
درصورت اتحاد ابتدا میں روسی یہہ کہیں گے کہ افغانستان کے مُلک سے ہمیں کچھ واسطہ نہیں ہم اُسکو
لینا نہیں چاہتے۔ ہم صرف انگریزوں کے ساتھہ لڑنے کے لیئے اُسمیں سے گذرنا چاہتے ہیں۔ شاید یہہ بھی
یہہ بھی کہدینگے کہ مُلک افغانستان کی فوج اور سامان جنگ ہمارے کسی کام کا نہیں ہے تو وہ اپنے دوست
انگریزوں کو بلا تامل دیدے۔ اِس صورت میں اول تو اُنکی حفاظت کی فکر ہوگی کیونکہ اگر ہم اپنی طرف
سے کچھ بھی چھیڑ چھاڑ نہ کریں لیکن اکثر افغان اپنے مذہب کے مخالف لوگوں کو بہت بُرا جانتے ہیں
تو اُنکو بھی اُنکی حفاظت کی ضرورت پیش آویگی۔ افغان لوگ خواہ بلاعذر ہتھیار رکھدیں خواہ
نہ رکہیں اگر بالفرض وہ ہتھیار رکھدیں تو وہ مثل عورتوں کے ہوجاوینگے۔ اور جب اُنکی بہادری
اور دلیری بالکل معدوم ہوجاویگی تو روس کا مطلب حاصل ہوجاویگا اور اگر افغان ہتھیار دینے
میں عذر کریں تو ظاہر ہے کہ اگرچہ روس اُنکے ساتھہ لڑیگا تو نہیں کیونکہ وہ تو صرف انگریزوں
کے ساتھہ جنگ کرینگے واسطے افغانستان سے گذرنا ہی چاہتا ہے۔ لیکن اِس صورت میں یہہ دلیل پیش
کریگا کہ بہت اچھا اگر افغان اپنے ہتھیار نہیں دیتے اور اگر وہ ہمارے دوست ہیں تو بس یہی وقت
اُنکی دوستی کی آزمایش کا ہے اُنکے قوم کے تمام جوانمرد بہادر ہمارے ساتھہ ہندوستان پر چڑھائی کریں
اور اپنی دوستی کی داد دیں اُس وقت بلاعذر ہر ایک آدمی اُٹھہ کھڑا ہوگا اور ہزاروں آدمیوں
کی فوجیں ہر ایک فرقہ کی ایک ایک مقام سے جمع ہوکر روسی فوج کے آگے آگے روانہ ہوجاوینگی
اسیطرح سے روسیوں کو مدد دینے میں مصروف ہونگی۔ پس اِس صورت میں انگریزی گورنمنٹ

(دیکھو صفحہ [illegible])

دانت ہندوستان پر ہے اور وہ اسکو سونے کی چڑیا سمجھتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں کہ جسطرح ہوسکے یہہ ملک اُنکے قبضہ میں آجائے مگر تاوقتیکہ وہ افغانستان کے درمیان سے نہ گذریں وہ ہندوستان کو کسی طرح نہیں لے سکتے۔ پس وہ یہہ حکمت عملی کرنا چاہتے ہیں

افغانستان کیحق میں روس کی دوستی بہتر ہے یا انگریزوں کی

بندوق کے وہی نشانہ ہونگے اور انگریزوں کی گولہ باری سے اُنکی ہزارہا جانیں ضائع ہوجائینگی اور اگر وہ شکست کہاکر لڑنے سے منہ موڑیں گے تو روسی بلا تامل اُنکو مار دینگے پس پہلا ثمرہ روس کے ساتھ دوستی کرنے کا ہمکو یہہ ملیگا جو بیان کیاگیا۔ دوم اگر وہ خود ہی اپنی فوج کی حفاظت اور امن کی غرض سے افغانوں کے ہتھیار نہ لیں تو پھر اُنکے لیئے ضرور ہوگا کہ ہر ایک شہر و قلعہ میں اپنی تہوڑی تہوڑی فوج چھوڑ جاویں۔ کیونکہ افغان بھی گرم ہونگے جب یہہ صورت ہوگی تو اُنکو اُس فوج اور حملہ آور فوج اور کمک وغیرہ کے لیئے سامان کی نہایت ضرورت ہوگی۔ اُس وقت اگر افغان روسیوں کو خوراک وغیرہ اشیا نہ دیں تو وہ اُنکو ضرور دشمن سمجھیں گے اور ہرگز دوست خیال نہیں کرینگے جب روسی اُنکے ملک میں داخل ہوگئے تو پھر انگریزوں سے دشمنی ہونے میں کیا شک باقی رہا۔ اُس وقت یہی سمجھا جائیگا کہ افغان لوگ روسیوں کو خود لائے اور اُنکی رہنمائی کی۔ اِس صورت میں سامان رسد رسانی بھی ضرور مہیا کرنا پڑیگا جس سے تہوڑے ہی عرصہ میں کابل کے اندر اناج کا تخم باقی نہیں رہیگا اور اگر کچھہ ہوگا بھی تو وہ سب روسیوں کے ہاتھہ میں ہوگا۔ لوگ بھوک کے مارے شہر چھوڑ کر بہاگ جاوینگے۔ افغانوں کے ویران اور برباد ہوجانے سے روسیوں کی مطلب برآری نہایت آسانی سے ہوجاویگی سوم اگر خدانخواستہ روسی شہر کابل میں داخل بھی ہوگئے تو وہاں کے زن و مرد پر اُنکا دست تصرف ضرور پڑیگا۔ اور جہاں کہیں روسیوں کا کیمپ ہوگا وہاں زنا بے شبہ ہوگا۔ افغان لوگ ایسے غیرتمند ہیں کہ اگر وہ اپنی ہمقوم عورت کو غیر مرد کے ساتھہ گفتگو کرتے دیکھ لیں گے تو بلا تامل اُسی وقت اُنکو قتل کردینگے۔ اگرچہ عیسائی مذہب میں اِسکی کچھہ پروا نہیں کیونکہ اُنکی عورتیں مردوں پر حاکم ہیں اور وہ مرد غیر کے ساتھہ جب اُنکی خواہش ہو بلا خوف باتیں کرسکتی ہیں۔ پٹھان لوگ اپنی عورت تو بجائے خود رہی اگر کوئی غیر شخص مذہب اسلام کے خلاف کوئی امر کرتے ہوئے اُنکو نظر آجاوے تو وہ اُسیوقت اُسکو جان سے مار دیتے ہیں۔ اگر روسی وہاں کے حاکم ہوتے تو کسی واقعہ پر بازپرس کرینگے کہ ہمارے سپاہی کو کس نے مار دیا تو بعد تحقیقات (دیکھو صفحہ ۷۱)

کہ پہلے تو ہمیں کہینگے کہ ہمارا افغانستان سے کچھ تنازع نہیں ہمیں صرف رستہ دیدو تاکہ ہم
گذر کر ہندوستان پر حملہ کریں۔ پھر وہ یہہ کہیں گے کہ ہماری اطمینان کے لیے افغان ہتھیار ڈالدیں
کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ ہم پر پیچھے سے حملہ آور نہ ہوں۔ اب ہی غور ہو کہ اگر افغانوں نے

عالم جھوٹا بنیگا کہ یہاں خدا کے نافرمان کو قتل کرنا جرم نہیں سمجھتے جب نوبت یہانتک پہونچی تو
دوستی دشمنی سے مبدل ہوجاویگی اور ہنگامہ برپا ہوجاویگا پس بریں صورت پٹھانوں کی
دوستی روسیوں کے ساتھہ رہنی جنکا مقصد ہندوستان کا فتح کرنا ہے بہت محال اور ناممکن معلوم
ہوتی ہے۔ روس کا عندیہ ہماری رعایا اور فوج کو برباد کرنیکا ہے جس وقت ملک تباہ ہوگیا
تو خواہ وہ دوست ہو خواہ وہ دشمن سب بیکار محض ہے۔ امیر شیر علیخاں بڑا ناعاقبت اندیش
تہا جسنے اس رستہ پر چلکر خود کو اور اپنی رعیت کو مصیبت میں ڈال لیا تہا۔

افغان صدق دل سے برٹش گورنمنٹ کے دوست ہیں کیونکہ انگریزوں کا روسیوں پر حملہ کرنیکا
ہرگز ارادہ نہیں۔ روسیوں کو افغان لوگ اپنا دشمن برباد کنندہ خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ
ہندوستان کو فتح کرنیکا خیال نہیں چھوڑتے۔ اگر روسی کہیں کہ ہم ہندوستان کو افغانستان کے
بجو فارس کے رستہ سے جاوینگے بلکہ افغانستان کے ساتھہ انکا کچھہ سروکار نہیں۔ مگر پھر بہی تو
خیال رہے کہ روسیوں کی یہہ حرکت بہی افغانستان کے لیئے بہرصورت مضر ہے مفید نہیں ہے
جبتک برٹش افغانوں کی محافظ اور دوست ہی ہم روسیوں کے برے ارادہ سے بچ نہیں سکتے
روسی کسطرح پٹھانوں کے ساتھہ موافق ہوسکتے ہیں جبکہ وہ انکا ملک چھوڑکر فارس کے رستہ
سے انکے دوست پر حملہ کرنیکے لیئے جاتے ہیں روسی خواہ کچھہ ہی اس معاملہ میں کہیں وہ سب
پٹھانوں کے لیئے دھوکا اور فریب ہے۔ پٹھانوں کو چاہیئے کہ وہ روسیوں کو اپنی سرحد کے پاس
سے ہوکر فارس میں داخل ہونے سے روکیں کیونکہ وہ ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور
انکا مطلب صرف یہ ہے کہ سرحد پر قبضہ کرلیں اور پھر افغانستان میں سے گذر کر ہندوستان
میں جانیکے لیئے صاف اور سیدہی سڑک نکال لیں۔ یہہ تو صاف ظاہر ہے کہ جب انہوں نے
افغانستان پر ہی حملہ کیا تو پھر ممکن ہے کہ وہ پٹھانوں کو امن اور چین سے رہنے دینگے۔ اسلیے
بہتر ہے کہ آج ہی انکے ساتھہ لڑکر انکی حرکات کو روکا جاوے تاکہ وہ کل ہم پر قابو پاکر
ہمکو تباہ و برباد کردیں۔ دیکھو جب یعقوب خان جانتا تہا کہ اسکی رعایا عیسائیوں کو اپنے ملک میں

(دیکھو صفحہ ۸۰)

چنگلے سے روسیوں کی بات مان لی تو اُن جیسا نامرد اور بزدل کوئی نہیں۔ وہ
عورتوں سے بدتر ہوگئے اور باپ دادا کے نام کو بٹہ لگا دیا اور روسیوں کے دل
کی مراد برآئی۔ لیکن اگر افغان یہہ کہیں گے کہ ہم ہتہیار نہیں حوالہ کرتے۔ تو روسی کہیں گے

[illegible]

رکہنا پسند نہیں کرتی۔ تو وہ کیوں انگریزی رزیڈنٹ کو اپنے ساتھہ لیگیا۔ اُسنے کیوں نہیں
انگریزوں سے مسلمان رزیڈنٹ مانگا اور مفت میں انگریزی رزیڈنٹ کو قتل کروا دیا
جس سے دونوں قوموں کے درمیان جنگ کی آگ بہڑک گئی۔ آخرکار خود آگ میں جا
پہنسا۔ یہہ بیوقوفی اُسنے اپنے باپ سے میراث میں پائی تہی۔ اُسنے جو کچہہ کیا وہ اُسکی رعایا کے لیئے
جسکو وہ بے مدد چہوڑ گیا تہا ذرا بہی مفید اور کارآمد نہ تہا۔ اُسکی رعایا کو خود جنگ کا خیال
آیا اور وہ بغاوت کرکے لڑی اگرچہ اُسکے سر پر کوئی لایق افسر اور سربراہ نہ تہا۔ پہر بہی
رعایا نے خود ہی جس کسی سے اُسکی کمان لینی چاہی مثلاً فقیر غازی نے اُسی کو اپنا کمان افسر
منظور کر لیا جب یہہ شخص میرے پاس آیا اور میں نے اُسکا حسب نسب دریافت کیا تو یہہ مرات
کے ایک بڑی کمینہ خاندان کا نکلا جب ایسے آدمی انگریزوں کی فوج کے مقابلہ پر آئے تو جو کچہہ نتیجہ
نکلا وہ سب کو معلوم ہے۔ ہزارہا آدمی قتل ہوئے۔ کابل۔ غزنی۔ قندہار کے درمیان بغاوت
کی آگ بہڑک اُٹھی۔ اگر اُس وقت میں خود درمیان آکر انگریزوں کے ساتھہ دوستی پیدا کرکے
اپنے لوگوں کو بہتری کا رستہ نہ دکہلاتا تو یہہ آگ کبہی فرو نہ ہوتی۔ اب میں پنجدیہ کے
ہنگامہ اور جنرل لمسڈن کی خود رائی کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر جنرل موصوف فوجکی مدد منظور
کرتا تو میں اُسکو کابل سے بہیجنی چاہتا تہا۔ روسی کبہی اُسپر حملہ نہ کرتے اور اگر وہ حملہ بہی کرتے
تو کامیاب نہ ہوتے اور پنجدیہ ہاتہہ سے نہ جاتا اور جمشیدی وغیرہ فرقے جنمیں ہزارہا
جنگی آدمی ہیں روسیوں کے ساتہہ ملجانے کی ترغیب میں نہ آجاتے۔ جب میری فوج نے
دیکہا کہ روسی غالب آگئے تو وہ پیچہے ہٹ گئی۔ باغیوں نے جاکر روسیوں سے کہدیا کہ ملک
خالی ہے تم آجاؤ۔ روسی اُسیوقت حوصلہ کے ساتہہ آگئے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ افغان
کی فوج کو جنرل لمسڈن کی بے وقوفانہ رائے کے باعث زک اُٹھانی پڑی جنرل کو تو
سمجہہ لینا چاہیئے تہا کہ روسیوں کی دوستی افغانوں کے لیئے کسیطرح مفید نہیں جبتک
وہ ہندوستان پر حملہ کرنیکا ارادہ نہ چہوڑدیں اُنپر کیا منحصر ہے جو فوج افغانستان

اچھا اگر تم ہمارے دوست ہو تو ہمکو اس جنگ میں مدد دو چنانچہ وہ ہر قوم سے ہمارے جوان اور ہونہار آدمی چن کر انگریزوں کے مقابلہ میں لیجائیں گے انگریز بھی ایسا نرم لقمہ نہیں ہیں کہ انہیں کوئی بہ آسانی نگل جائے۔ اس وقت روسیوں کا کچھ بھی

[illegible]

نہیں گذرے اور پٹھانوں پر آفت لاوے وہ اسکی سخت دشمن ہے مثلاً فارس والے اگر چینیوں کے ساتھ لڑنے کے واسطے افغانستان میں سے گذریں یا چینی افغانستان کے رستہ سے فارس پر جاویں جسطرح یہ سب اُسکے دشمن ہیں اُسی طرح انگریز بھی اگر افغانستان سے ہوکر روسیوں پر حملہ کرنیکی خاطر ترکستان کو جاویں تو وہ بھی اسکے دشمن ہیں پس ہر صورت میں کچھ فرق نہیں خواہ عیسائی ہوں یا روسی سب ایک سے ہمارے دشمن ہیں حقیقت میں اس سے بڑھکر پٹھانوں کا کوئی دشمن نہیں جو انکو پائمال کرکے انکے ملک سے گذرنا چاہے جب یہ صورت ہے تو دانشمند اور ہوشیار افغانوں کو مناسب ہے کہ کبھی روسیوں کی دوستی کا دم نہ بھریں۔ اگر کوئی شخص کہے کہ افغان لوگ نادان ہیں وہ اپنے فایدہ کو نہیں سمجھتے وہ سراسر غلطی پر ہے افغان اپنے فایدہ کے سوچنے سمجھنے کے لئے پوری پوری قابلیت اور لیاقت رکھتے ہیں کیونکہ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو یہ کب ہوسکتا تھا کہ وہ مجھکو بلاتے اور انگریزوں کے ساتھ لڑنیکے موقع پر میری رائے کو کام میں لاتے میں انکے ملک میں گیا اور انکی افسری کی اور انکو بتا دیا کہ انکے واسطے کونسی بات بہتر اور فایدہ مند ہے اور آیندہ انکا فایدہ انگریزوں کے ساتھ مخالفت کرنے میں نہیں بلکہ موافقت اور موالفت کرنے میں ہے۔ انہوں نے خود بھی انگریزوں کی دوستی میں بہت سے مفاد دیکھے ہیں اور ابھی آیندہ دیکھیں گے جنرل لمسڈن اپنے اعلےٰ عہدہ کے لیے ہوشیار اور دانا تھا لیکن وہ اس بڑے کام کی لیاقت نہیں رکھتا تھا جو اسکے سپرد کیا گیا تھا۔ فی الحقیقت وہ لوگ بہت ہی کم عقل ناقص الفہم ہوتے ہیں جو معاملات کی صحیح حالت کو قیاسی جانتے ہیں اور دشمنوں کو دوست سمجھ لیتے ہیں۔ اگر روسیوں کو یقین ہوکہ وہ افغانوں اور انکے دوستوں کو مار سکتے ہیں تو وہ کبھی کسی طرح تامل اور دیر نہ کریں۔ ہمیں خدا کی قسم ہے کہ ہم کبھی آسانی سے مغلوب نہیں ہونگے اور روس کی حکومت کو ہرگز نہیں مانیں گے اُس وقت جب میں نے قندھار کو فتح کیا اور جب میرے پاس

جائیگا۔ ہمارے جوان ناحق نشانۂ تیر قضا ہونگے۔ اگر یہ بیچارے آگے بڑھیں گے تو
انگریز انکی خبر لیں گے اور اگر پسپا ہونگے تو روسیوں کے ہاتھ سے جیتے نہ بچیں گے
وہی معاملہ ہوگا کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ اسکے علاوہ اور سخت قباحت یہ
ہوگی کہ ہر دیہہ اور ہر قریہ میں روسی سپاہی موجود ہونگے اور انکے اخراجات کیلیے
تمام پیداوار مشکل کافی ہوگی۔ ان باتوں کے علاوہ ایک اور بہی سخت مصیبت ہوگی۔
ہماری شریعت کے مطابق عورت کو ہمیشہ اپنے خاوند کی اطاعت اور وفاداری لازم
ہے اور اگر وہ غیر مرد کے ساتھ ہمبغل بھی پائی جائے تو خاوند کو اختیار ہے کہ اُسے
ذلت اور رسوائی کے ساتھ قتل کردے لیکن عیسائیوں میں یہ بات نہیں ہے انمیں
عورت کا رتبہ مرد سے بڑھکر ہے مطلب اس سے یہ ہے کہ جہاں کہیں روسی خیمہ زن ہونگے
وہاں زنا بھی ہوگا۔ افغان اس قماش کے آدمی ہیں کہ اگر کسی غیر مرد کو عورت کے ساتھ

مرو چونکہ واقع ترکستان کے لوگوں کی چھٹی آئی کہ روسی سرحد کے بہت قریب آ گئے
ہیں اور انکا ارادہ اس ملک کے لینے کا ہے چونکہ ہمارا کوئی سربراہ نہیں ہے تو ملک
ہاتھ سے جاتا رہیگا آپ حفاظت کرکے ہمارے سرپرست بنجاویں۔ میں نے یہ چٹھی انگریزی
ایجنٹ کے پاس بھیجدی۔ اُنہوں نے مجھکو اسمیں دخل دینے سے منع کیا۔ اگر اُس وقت انگریز مجھکو
نہ روکتے اور قندھار سے جانے دیتے تو میں ہرات کا جھگڑا بالکل مٹا دیتا اور مرو پر فوج کشی کرکے
اُسپر قبضہ کرلیتا ترکمانوں کو ہمیشہ کے لیے محفوظ کرلیتا۔ اُس وقت روسی اور افغانستانی فوج کا
باہم بالمقابل لانیکا بہت عمدہ موقع تہا مگر یہ موقع برٹش افسروں کی غلطی اور ناسمجھی کے
باعث ہاتھ سے جاتا رہا کہ اُنہوں نے مجھکو جنگ سے روک دیا۔ اب میں ان باتوں کا کھلم کھلا
ذکر اسلیے کرتا ہوں تاکہ کابل کا انگریزی سفیر انکو سن لے اور اپنی گورنمنٹ کو لکھے بعد ازیں
اگر کوئی برٹش افسر یا مدبر روسیوں کے ساتھ دوستی پیدا کرنی چاہے اور افغانوں کو موجودہ
حالت سے بچانیکے خیال میں محو ہوگیا ہو اور انکو انگریزوں کی دوستی چھوڑنیکی ترغیب
دیکر یہ سمجھے کہ افغان آخرکار روسیوں کے دوست ہوجاوینگے تو مدبران انگلینڈ کو
ہرگز اس بات کا یقین نہ کرنا چاہیے اور کبھی اسکے اس بیجا خیال کیطرف متوجہ نہ ہوں۔

دیکھیں تو اسکو بھی زندہ نہیں چھوڑتے چنانچہ وہ روسی سپاہی اور افغانی
عورت دونوں کو قتل کرینگے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں میں تلوار چل جائیگی اور
ہزاروں بیگناہ خاک وخون میں تڑپتے نظر آئینگے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم روسیوں کے
دم جھانسوں کو خیال میں نہیں لاتے ہیں۔ انگریزی گورنمنٹ کو اپنا دوست سمجھتے
ہیں۔ امیر کی اس گفتگو پر وہ مشیر آمنّا وصدقنا کہکر خاموش ہوگیا۔

اِسی مضمون کو سر لیپل گریفن نے ولایت کے ایک رسالہ میں اسطرح لکھا تھا۔
"امیر روسیوں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں ہرگز انپر بھروسہ نہ کرینگے۔ انکا خاص منشا
یہہ ہے کہ روسی کبھی انکے ملک میں دست اندازی نہ کرنے پاویں۔ وہ یہہ بھی جانتے
ہیں کہ انگریز ہمارے دوست ہیں اور سپاہ افغانستان کے لینے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس لیے
کہ انگریزوں نے دو مرتبہ اس ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کرکے چھوڑ دیا مگر باایں ہمہ یہہ
نہیں چاہتے کہ انگریز انکے ملک میں کوئی دست اندازی کریں اور یہہ بھی احسان
نہیں مانتے کہ انگریز انکے ساتھہ زر کثیر سے سلوک کرتے ہیں اور نہ انکو یہ خیال ہے
کہ انکے مقابلے میں گورنمنٹ کی کوئی معقول خدمت انجام دیں بلکہ وہ اپنی سلطنت
بالکل آزادی کے ساتھہ رکھنا چاہتے ہیں اور اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کوئی
انکے ملک کے اندرونی معاملات میں دخل دے۔ بلکہ وہ یہہ چاہتے ہیں کہ ہم خود مختاری
کے ساتھہ اپنے ملک میں جو چاہیں وہ کریں کوئی اس باب میں ہمسے تعرض نہ کرے۔ بالفرض
اگر کبھی روس اور انگریزوں میں لڑائی ہوئی تو وہ اس فریق کے طرفدار ہونگے جس سے
انکو یہہ بھروسہ ہوگا کہ اسکے فتح پانے سے ہماری سلطنت کی آزادی قائم رہیگی"۔

امیر صاحب جب سے کابل پر جلوہ فرما ہوئے تو انہوں نے یہ پالیسی اختیار کی کہ والی
کابل کو خود مختار اور مطلق العنان ہونا چاہیے۔ اور جو بات انکے منہ سے نکلے
وہی قانون ہوجاتا ہے چنانچہ انہوں نے اس پالیسی کو عمل میں لانیکے لیے پہلے ...

حسب امیر صاحب نہیں چاہتے کہ کوئی سلطنت اندرونی باتوں میں دخل دیں

کوشش کی۔ اور اسمیں انکو کامیابی بہی ہوئی۔ بڑے بڑے مغرور سرداروں کی امیر صاحب نے خوب خبر لی اور باغیوں کی تو ایسی سخت گوشمالی کی کہ انہیں چھٹی کا دودہ یاد آگیا۔ امیر صاحب نے نہ صرف امیر شیر علیخاں کے ہواخواہوں کو بلکہ انکو بہی کہ جو گزشتہ ہنگاموں میں انگریزوں کے طرفدار تہے چُن چُن کر کابل اور افغانستان کی حدود سے نکال دیا۔ اور سینکڑوں افغان جلاوطن ہوکر انگریزوں کے ٹکڑوں پر آپڑے۔ اگست ۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے امیر صاحب کو کہا کہ تم اپنے افغانوں کو واپس کیوں نہیں بلا لیتے۔ اسکے جواب میں امیر صاحب نے لکھا کہ مولی اپنے پتوں بھاری ہے۔ ہم میں اتنی توفیق نہیں ہے کہ ان لوگوں کے لیئے تین لاکہہ روپیہ سالانہ صرف کریں۔ اگر آپ انہیں ہمارے پاس بہیجدینگے تو سب کو مروا دونگا۔ وہیلر صاحب نے جو امیر صاحب کی سوانح عمری لکہی ہے اسمیں اس بارہ میں بہی قلم فرسائی کیگئی ہے کہ امیر عبدالرحمٰن خاں نے امیر ہوکر کتنے آدمیوں کو مروا دیا ہے۔ بقول اسکے انکی فہرست لکہنی ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ سینکڑوں کو زہر دلوا دیا۔ سینکڑوں کو پہانسی چڑہا دیا اور سینکڑوں اسکے حکم سے گلا گہونٹکر مار دیئے گئے۔ امیر صاحب کہا کرتے تہے کہ آجکل کابل میں ایک بلا ہے جو رات کو باہر نکلا کرتی ہے اور جو بدنیت شخص اسکے مقابل میں آئیگا جان سلامت نہ لیجائیگا۔ بقول وہیلر صاحب جس پر امیر صاحب کا شبہہ ہوا وہ جان سلامت نہ لیگیا۔ ایکدن جولائی میں پانچ سرکردہ افغان راہ میں جارہے تہے کہ دفعتاً کسی نے انکو گرفتار کرلیا۔ پہر یہی خبر آئی کہ وہ ترکستان میں قتل کیئے گئے۔ سیف الدین خاں جو داؤد شاہ کا دوست تہا وہ بہی امیر صاحب کے ہاتہ سے نہ بچا۔ یہہ وہ داؤد شاہ ہے جو انگریزوں کا دوست تہا اور جس نے سیجر کیونیری کے بچانے میں بہت کوشش کی اور خود بہی زخمی ہوا تہا۔ سیف الدین خاں کا میت پکڑ کر قید کرلیا اور طرح طرح کے عذاب دیئے حتیٰ کہ بچارہ ستے عاجز ہوکر وزیر محمد داؤد شاہ نے

افغان سرداروں سے امیر صاحب کا سلوک ۞

اُسکے پاس امانت رکھا ہوا تھا - امیر صاحب کے حوالے کر دیا - نواب جبار خاں کے بیٹوں علی مراد خاں اور شاہ مراد خاں کو پکڑ کر امیر صاحب نے کاٹھ مروا دیا - اور انکو بہت کچھ اذیت دیکر مبلغ تین لاکھ روپیہ نقد اور جائیداد غیر منقولہ اُنسے چھین لی - اُس وقت امیر صاحب کے ایک ہوا خواہ نے علیحدہ ہو کر کہا کہ امیر کیا ہے ایک ہما کہا باز ہے جو ہر وقت گوشت کی تلاش میں رہتا ہے ؂

محمد جان وردک جسکے باعث جنرل رابرٹس کو جنگ افغانستان میں بہت تکلیف ہوئی تھی - امیر صاحب کا کسی وجہ سے مورد عتاب ہو گیا - اور آناً فاناً قتل کر دیا گیا - پروفیسر ڈارمسٹیٹر کا بیان ہے کہ لوگ محمد جان کے قتل سے ناراض ہوئے - اور جلال آباد میں کسی نے گیت بنا کر گائے کہ امیر نے فریب سے محمد جان کو قتل کر دیا ہے - کہتے ہیں کہ ایک دن امیر صاحب بازار میں سے گذر رہے تھے اور کوئی شخص یہ گیت گا رہا تھا - امیر نے سنا اور وہیں کھڑا کر کے اُس شخص کو بلایا اور بجائے سزا دینے کے اُس سے بحث کرنے لگا کہ میں نے فریب سے اُسکو قتل نہیں کرایا بلکہ وہ مستحق ہی ایسی سزا کا تھا ؂

شنواریوں کی سرکوبی

۱۸۸۳ء میں شنواریوں کی سرکوبی کے لئے امیر صاحب نے لشکر روانہ کیا پہلے تو امیر صاحب نے چاہا کہ اُنسے نرمی سے برتاؤ کرے - مگر بقول شخصے جیسا کہ سانپ اور بچھو نرمی کو نہیں مانتا اسی طرح شنواری بھی شرارت سے باز نہیں آتے - اُنھوں نے امیر صاحب کو کچھ نہ سمجھا جسپر جرنیل غلام حیدر خاں فوج لیکر اُنکی گوشمالی کو روانہ ہوا - پہلے تو اُنھوں نے امیر صاحب کے ایک جرنیل کو مار ہٹایا جسپر امیر نے حکم دیا کہ اُس جرنیل کو زنجیروں سے مسلسل کر کے کابل میں لاؤ تاکہ اوروں کو عبرت ہو - آخر ۱۸۸۴ء میں جرنیل غلام حیدر نے اُنکو شکست دی اور مغلوب کر لیا - پھر ۱۸۸۶ء میں جب امیر کا افسر مالگذاری جمع کرنے گیا تو اُنھوں نے فتنہ برپا کیا اور امیر صاحب کے معتمد کو قتل کر دیا - آخر ۱۸۸۸ء میں امیر صاحب نے اُنہیں

بالکل مطیع کرلیا۔ اور یہاں تک دبایا کہ پھر انمیں سر اُٹھانیکی ہمت نہ رہی ۱۸۸۱ء
میں ایک غلزئی سردار شیر جان نے سر اُٹھایا اور اپنے آپکو امیر شیر علی ظاہر کیا۔
امیر صاحب نے فوراً اُسکو گرفتار کرکے ایک تنگ و تاریک قیدخانہ میں قید کر دیا۔
اِسکے بعد عصمت اللہ کو جو غلزئیوں کا سردار تھا اور سردار ایوب خاں سے سازش کرتا
تھا گرفتار کرکے اکتوبر ۱۸۸۲ء میں پھانسی پر چڑھا دیا۔

غلزئیوں کی گوشمالی

۱۸۸۶ء میں ملا عبد الکریم نے جو ملا مشک عالم کا بیٹا تھا میر افضل و شاہ خان پسر
میر افضل کی مدد سے بغاوت کا جھنڈا اُٹھایا۔ اس بغاوت کی وجہ یہ تھی کہ امیر شیر علیخاں
نے ملا مشک عالم اور اسکے رشتہ داروں کے نام تھوڑی بہت اراضی بطور جاگیر و معافی کی دی
ہوئی تھی جب امیر عبد الرحمن خاں کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے وہ معافی ضبط کرلی۔ اسپر
ملا عبد الکریم کو سخت طیش آیا اور اُسنے بغاوت کرکے بہت سے غلزئیوں کو اپنے ساتھ
گانٹھ لیا۔ پھر باغیوں نے حملہ کرکے امیر کے ایک سردار سے جسکا نام سید علی مرزا تھا
ایکسو چالیس شتر۔ اسی گھوڑے اور مبلغ تیس ہزار روپیہ نقد چھین لیا۔ مارچ ۱۸۸۶ء
میں ملا عبد الکریم نے ایک اشتہار دیا کہ بارہ ہزار آدمی اس وقت میرے جھنڈے
تلے مرنے اور جان دینے کو تیار ہیں۔ میں تمہارا خلیفہ ہوں اور جو لڑائی میں نے
عبد الرحمن خاں سے چھیڑی ہے وہ جہاد ہے۔ کیونکہ امیر کافر ہے اور کافروں کا دوست
ہے۔ بلوچستان کی انتظامی رپورٹ بابت ۱۸۸۶ء سے واضح ہوتا ہے کہ امیر
صاحب نے سرہنگ سکندر خاں کو باغیوں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا اور حکم دیا
کہ انسے ہتھیار چھین لیے جاویں۔ مارچ ۱۸۸۶ء میں سرہنگ مذکور نے ایک قرآن شریف
اور اپنی مُہر باغیوں کے سردار کے پاس بھیجی اور اُنسے کہلا بھیجا کہ تم صلح کرلو مگر اُنکے
سر پر جنون سوار تھا وہ کب کسیکی سُنتے تھے۔ اُنہوں نے چاروں طرف فتنہ و فساد کی
آگ مشتعل کر دی اور شاہ خان کو امیر مشتہر کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُنہوں نے

غلزئیوں کی شورش اور کامیابی

ایک معتبر آدمی مع رسید کے پاس رقم میں امداد کے لئے روانہ کیا۔ ان دنوں امیر صاحب
کی صحت اچھی نہیں تھی پھر بھی انہوں نے جرنیل کو کہلا بھیجا کہ اس آگ کو بہت جلد بجھاؤ
ورنہ میں خود میدان میں آجاؤنگا۔ ۲ جون ۱۸۸۸ء کو چند رجمنٹیں بھی بگڑ گئیں اور معاملہ
ہر طرف سے خوفناک نظر آنے لگا۔ لیکن اس موقع پر جو واقعی نازک تھا
امیر صاحب کا استقلال اور جنرل غلام حیدر خاں کی شجاعت
بہت کام آئی۔ خاصکر کے جنرل غلام حیدر خاں کی بہادری اور
لیاقت نے ڈوبتی ہوئی ناؤ کو سنبھال لیا۔ اور ۲۷ جولائی ۱۸۸۸ء کو اسنے باغیوں
کے دانت کھٹے کر دیئے۔ جب باغیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور جرنیل موصوف ظفر و منصور
کابل میں داخل ہوا تو امیر صاحب نے سر دربار اسکی بہت کچھ تعریف کی اور دست خاص سے
اسے ایک تمغہ مکلل بجواہر عنایت کیا۔ پھر جو حال باغیوں کا ہوا وہ ناگفتہ بہ ہے مفسد ملا
باغی ملا کریم خاں کو ایسی ایسی تکلیفیں اور عذاب دیئے گئے کہ شاید ہی دشمنوں کو
نصیب ہونگے۔ غریب بیچارے نے تنگ آ کر کھال کھنچایا جب اسکی پشت ایک ایک
بال کرکے علانیہ نوچی گئی اور سر بن ہوئے خون کے فوارے جاری ہو گئے پھر اس
بدبخت کے سر پہ گرم گرم کڑکڑاتا ہوا تیل ڈالدیا گیا اور وہ ہیزم خشک کی طرح
جل کر مرگیا۔ ملا عبدالکریم جان بچا کر بھاگا اور پھر اسکا کچھ پتہ نہ لگا۔ کہ کہاں روپوش
ہوگیا۔ ملا مشک عالم کی قبر کھودی گئی اور اسکی لاش بازاروں میں روندی گئی اور قبر
بیگدی ہو کر کابل چلا گیا تیمور شاہ ایک فوجی افسر جسنے ہرات میں باغیوں کی اعانت کی تھی
گرفتار ہو کر کابل آیا اور سر بازار سنگسار کیا گیا۔

باغیوں کی سرکوبی

سردار ایوب خاں کی ہندوستان کو [illegible]

۱۸۸۸ء میں سردار ایوب خاں نے ایک مرتبہ کابل پہ قبضہ کرنیکی کوشش کی اور
اگست کے مہینہ میں طہران سے بھاگ کر سرحد افغانستان پر نمودار ہوا۔ مگر امیر صاحب اسکی
غائیت سے غافل نہ تھے جونہی اسنے علاقہ غور میں قدم رکھا اسکے دشمن اسکے پیچھے پڑ گئے۔

آخر بیچارہ بے نیل و مرام جنگل و بیابان کیطرف بھاگ گیا۔

اسحاق خاں کی بغاوت جو امیر صاحب کا چچا زاد بھائی اور افغانی ترکستان کا حاکم تھا۔ واقعی باعث خوف و خطر تھی۔ وہ امیر اعظم خاں کا لڑکا تھا۔ اُسکی والدہ آرمینیا کے ایک عیسائی سوداگر کی لڑکی تھی۔[1] مگر اسحاق خاں خود پکا مسلمان تھا اس شخص کو شہسواری کا شوق نہ تھا۔ بلکہ ملّا کہلانا فخر سمجھتا تھا۔ امیر عبدالرحمن خاں کے ہمراہ اسحاق خاں بھی بہت عرصہ تک سیدین کا نشتخوار سمرقند میں رہچکا تھا۔ اور جب امیر صاحب کابل میں انگریزوں کی ملاقات کو گئے تو جیسا کہ پیچھے بیان ہوچکا ہے اسحاق خاں گورنر بلخ ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمن خاں والی کابل ہوئے تو اسحاق خاں نے خط لکھا کہ جیسا تمہارا باپ امیر تھا ویسا ہی میرا باپ بھی تھا۔ تمکو میرے حقوق فراموش نہیں کرنے چاہئیں۔ بلکہ تمہیں یاد رہے کہ اصل حاکم میرا ہی باپ تھا اور جملہ امور اہم میں تمہارا باپ بغیر اسکے مشورہ کے کوئی کام نہ کرتا تھا۔ جب یہ پیغام امیر صاحب کے پاس پہنچا تو پہلے اُنہوں نے دانستہ اغماض کیا اور اسحاق خاں کو طرح دیتے رہے۔ امیر صاحب جانتے تھے کہ اس وقت فتنہ نے چاروں طرف سے سر اُٹھایا ہوا ہے۔ اُس وقت اسحاق خاں کو دندان شکن جواب دینا گویا زیادہ فساد بڑھانا ہے۔ آخر جب فتنہ و فساد فرو ہوا اور سرحدی کمیشن واپس چلی گئی تو امیر صاحب نے اسحاق خاں کو کابل میں طلب کیا کہ آکر حساب کتاب سمجھائے۔ اسحاق خاں خود تو نہ آیا۔ مگر اپنے ایک ماتحت افسر کو بھیجدیا کہ جسکو دیکھکر امیر صاحب سخت ناراض ہوئے اور اُسیدم

اسحاق خاں کی بغاوت

---

[1] میں نے ایک شخص سے سنا ہے کہ شادی کے وقت شرط ہوچکی تھی کہ اگر اس شادی سے لڑکا پیدا ہوگا تو مسلمان کیا جاویگا۔ اور اگر لڑکی پیدا ہوگی تو عیسائی کیجاویگی۔ امیر صاحب اسحاق خاں کی بغاوت تک اسحاق کے ارمنی ماموؤں کو پنشن دیا کرتے تھے۔

قتل کرا دیا۔ جب اسحاق خاں کو خبر ہوئی کہ میرا آدمی مارا گیا ہے تو اُسنے علم بغاوت بلند کیا۔ اسحاق خاں کی فوج بھی باقاعدہ تھی اور اُن بندوقوں سے مسلح تھی جو انگریزوں نے پنجدہ کے ہنگامہ کے وقت امیر صاحب کو دی تھیں علاوہ بریں سلطان مراد بیگ اسکی مدد پر تھا مگر فتح و ظفر خدا کے ہاتھ ہے وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ٭

جنگ اور فتح

غرض امیر صاحب نے فوراً جرنیل غلام حیدر خاں کو جو سرد و گرم چشیدہ اور کار آزمودہ جرنیل ہے اور جسکی ہمت سے بغاوت غلزئی فرو ہوئی تھی مع عبداللہ خاں حاکم بدخشاں کی فوج ترکستان کے مقابلہ کے لیئے بھیجا۔ ۲۹ ستمبر ۱۸۸۸ء کو بمقام غزنی چک دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ اسحاق خاں کی فوج نے خوب ہی حق نمک اور حق مردانگی ادا کیا بلکہ ایک جرنیل نے عبداللہ خاں کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے اور قریب تھے کہ میدان اُنکے ہاتھ رہے کہ غلام حیدر خاں نے نہایت شجاعت کے ساتھ مردہ دلوں میں جان ڈالدی اور دشمنوں کی زندگی تمام کردی۔ اسحاق خاں جان بچا کر کسی علاقہ روس کیطرف بھاگ گیا۔ فتحیابوں نے اُسکا مال و اسباب خیمے اور توپ خانہ لوٹ لیا۔ جب عبداللہ خاں کو شکست ہوئی تو کابل میں کسی نے یہ چرچا کر دیا کہ امیر صاحب کا لشکر پسپا ہو گیا ہے۔ آپ امیر صاحب نے گھبرا کر فوراً انگریزوں کو مدد کیلیئے لکھا مگر جب تمام حیدر خاں کی لیاقت سے ہوا بدلگئی تو امیر صاحب کو اطمینان حاصل ہوا اور کابل شہزادہ حبیب اللہ خاں کے سپرد کر کے ماہ نومبر ۱۸۸۸ء میں خود بنفس نفیس مزار شریف کو تشریف لیگئے اور جولائی ۱۸۸۹ء تک وہیں رہے اس اثناء میں انہوں نے باغیوں کی خوب سرکوبی کی اور مشتبہ لوگوں کو سخت سخت سزائیں دیں چنانچہ جب ان سختیوں کی خبر انگریزوں کو پہونچی تو انہوں نے امیر صاحب کو لکھا کہ آپکی سختی رعایا کے لیئے مدِ النفت کا بہانہ ہو گی۔ آپ حدِ اعتدال سے تجاوز کر رہے ہیں ٭

۱۸۹۰ء میں مسٹر بریڈلا متوفی نے پارلیمنٹ میں بھی یہ ذکر چھیڑا تھا کہ غیاب

مزار شریف کو امیر کابل نے جو ہمارا وظیفہ خوار ہے سخت اور خوفناک سزائیں دی ہیں۔

۲۶ دسمبر [illegible]ء کو امیر صاحب مزار شریف میں فوج کا معائنہ کر رہے تھے کہ ناگہاں ایک سپاہی نے انپر حملہ کیا اور قریب تھا کہ قتل کر دے مگر یہہ بال بال بچے اور سپاہی وہیں نذر تیغ ہو گیا۔ اِس حادثہ کے بارہ ماہ بعد امیر صاحب ایک آرام چوکی پر بیٹھے ہوئے چرٹ پی رہے تہے کہ ایک دستہ فوج کا انکے روبرو سے گذرا اور جب امیر صاحب کے مقابل سے ہوکر جانے لگا تو ایک سپاہی نے امیر صاحب پر گولی چلائی۔ مگر امیر صاحب ابھی خداوند کریم کو اور بہت سا کام لینا تھا۔ وہ اس موقع پر بھی بچگئے اور گولی ایک محافظ کو مارتی ہوئی اور ایک مگس ران لڑکے کو زخمی کرتی ہوئی نکل گئی یہہ واقعہ ڈاکٹر گرے نے جو امیر صاحب کا معالج تہا اس طرح بیان کیا ہے۔ امیر صاحب اُس وقت برابر آرام چوکی میں بیٹھے ہوئے چرٹ پیا کئے اور مطلق ہراسان نہوئے بلکہ اپنی جگہہ سے حرکت تک نہ کی۔ اور جب لوگوں نے قاتل کو پکڑ کر مارنا چاہا تو ہاتھ سے اشارہ کیا ایسے نہ مارو مگر پیشتر اسکے کہ لوگ امیر صاحب کے حکم کو سمجھتے مجرم کی تکا بوٹی ہو چکی تھی۔ اس سے یہہ دقت واقعہ ہوئی کہ اس شخص کا مدعا معلوم نہ ہوا اور یہہ بھی نہ کہلا کہ اسکے دلمیں کیا کاوش تھی۔ یا اسکے ساتھہ کون لوگ شریک سازش تہے۔ بہرحال امیر صاحب نے اُس رجمنٹ کے افسروں کو سخت سزا دی۔

قاتل کے ہاتھ سے بال بال بچے

۵ ستمبر [illegible]ء کو امیر صاحب کا پیارا بیٹا محمد عمر خاں پیدا ہوا۔ یہہ شہزادہ خاص ملکہ حرم سرائے کے بطن سے ہے جو شاہی نسل سے ہیں اور امیر صاحب کی نہایت چاہتی ہوئی ہیں اور باقی شہزادے کنیزوں کے بطن سے ہیں۔ انہیں ایام میں روسی ترکستان کے حاکم نے امیر صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ کو کچھ عذر نہ ہو تو آپکی سرحد کے پاس ہماری فوج کے پانچسو آدمی قواعد کیا کریں

امیر صاحب نے جواب دیا کہ نہیں ہمیں کچھ بھی عذر نہیں ہے۔ مگر جہاں آپکے پانچ سو آدمی قواعد کیا کرینگے۔ اور اُسکے عین مقابل میں ہمارے پانچ ہزار آدمی قواعد کیا کرینگے۔ ۳ جون ۱۸۹۰ء میں امیر صاحب مزار شریف سے روانہ ہوئے اور ۱۴ جولائی کو مع الخیر کابل میں پہونچگئے۔ اُس وقت امیر صاحب کے ساتھ آٹھ ہزار پیدل چار ہزار سوار چھ خچر بلٹریاں یعنی دہ توپخانہ جو خچریں کھینچیں دو فیلڈ باٹریاں اور دو ہاتھیوں کے توپخانہ تھے۔

شورش ہزارہ
سنہ ۱۸۹۱ء میں ہزارہ میں شورش ہوئی جو کم و بیش ۱۸۹۳ء تک لگی رہی جب ڈیورنڈ صاحب سفارت پر کابل پہنچے تو وہاں بالکل امن تھا۔

باب ہفتم

امیر صاحب کے عہد کے بعض اور تاریخی واقعات

امیر صاحب کے زمانہ کا مشہور واقعہ افغانستان کی شمالی سرحد کی حد بندی ہے۔ یہہ وہ معاملہ تھا جس پر بہت دیر تک روس اور انگلستان کے مابین رد و کد ہوتی رہی

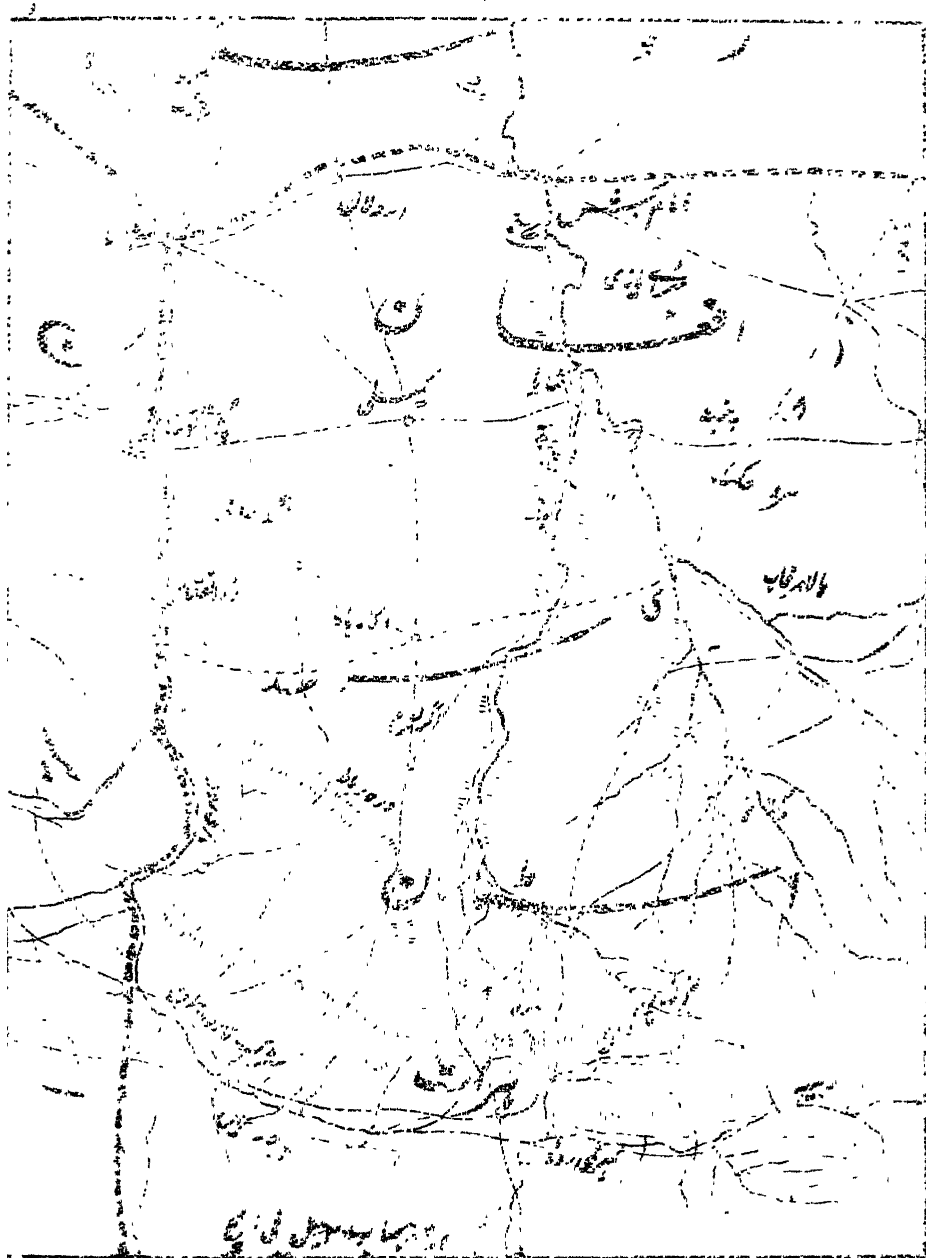
حد بندی افغانستان
۱۸۷۳ء میں جب امیر شیر علیخاں افغانستان پر حکمران تھا تو روس اور انگلستان نے یہہ قرار دیا تھا کہ دریائے آمو (آکسس) افغانستان کی حد تصور ہونا چاہیئے یعنی شمال مشرق کیطرف پامیر سے لیکر جنوب مغرب کیطرف خواجہ سالار تک اس خط کے ایک انجام پر جو جنگل اندکہوی کے شمالمغرب میں ہے خود مختار ترکمانوں کا علاقہ تسلیم کیا گیا تھا۔ لیکن امیر عبد الرحمن کے عہد حکومت میں جب روس نے ۱۸۸۴ء میں ترکمانوں کی حمایت منظور کرلی تو حد بندی کے معاملہ پر غور کرنے کیلئے

کمشن پنجدہ

ایک کمیشن کا تقرر ضروری سمجھا گیا۔ جولائی ۱۸۸۴ء میں جنرل سر پیٹر لمسڈن
اس اہم کام کو سرانجام دینے کے لئے منتخب ہوئے۔ اور روسیوں نے جنرل زیلنوئی
کو مقرر کیا۔ امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب سے درخواست کی گئی کہ تم بھی کوئی اپنا
افسر اس معاملہ کے تصفیہ کے لئے مقرر کرو۔ سر پیٹر لمسڈن نے اپنی تقرری کے بعد ایک خط
امیر صاحب کو لکھا اور اسکا جواب امیر صاحب نے یہ دیا۔

"مجھے امید ہے کہ تم روسیوں سے امر متنازع کی نسبت نہایت شجاعت اور دلاوری
سے تصفیہ کرو گے اور تم اطمینان رکھو کہ میں نے انہیں کوئی بھی نوشتہ یا تحریر
ایسی نہیں دی جو انکے لئے افغانوں کی اراضی پر قبضہ کرنیکا جواز متصور ہو
میں اپنے حقوق حاصل کرنیکے لئے اسقدر مستعد ہوں کہ جب تک افغانوں میں
ہمت اور جان ہے روسیوں کی یہ مجال نہیں ہے کہ چپہ بھر زمین ہماری سرحد سے
لے سکیں گے"

لیکن ابھی انگلستان اور روس کے مدبران ملک اس معاملہ پر بحث ہی کر رہے تھے کہ افغان
سپاہی پنجدہ میں آ گئے اور روسی پل خاتون میں جو ہری رود پر واقع ہے پہنچ گئے
نومبر ۱۸۸۴ء کے آخر میں سر پیٹر لمسڈن بھی پنجدہ میں آ پہنچا لیکن یہاں کا اُسنے سماں
دگرگوں دیکھا۔ روسیوں کے کرنیل علیخانوف اور افغانوں کے جرنیل غیاث الدین میں
نوبت سخت سست الفاظ تک پہنچ گئی تھی۔ علیخانوف نے افغانی جرنیل کو کاذب کہا
اور اُسنے جواب دیا کہ تمہاری سلطنت بیشک بڑی ہے لیکن تم سارقوں اور چوروں
کی طرح کارروائی کرتے ہو۔ انہیں ایام میں امیر صاحب نے ایک خط سر پیٹر لمسڈن کے
نام لکھا جسکا مضمون یہ تھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ روسی ہمیں جنگ دینا چاہتے ہیں۔
مجھے خوف ہے کہ اگر وہ اسی طرح ہمیں لیت ولعل میں رکھیں گے تو پھر جاڑے کا موسم
آ جائیگا اور برف باری کے باعث ہم ہرات سے اپنی فوج کی مدد نہیں کر سکیں گے



روسیوں کو دشمن کے پنجہ سے چھڑاتی افغانستان کی چوکی۔

اگر جلد ہی تصفیہ نہ ہوا تو ہم کافی فوج بھیجدینگے تاکہ بوقت ضرورت روسی فوج کا مقابلہ
کر سکیں۔ سر پیٹر لمسڈن نے امیر صاحب کو جواب میں لکھا کہ موجودہ حالت میں زیادہ
فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مجھے یقین نہیں ہے کہ جب ہمنے روسیوں کو منع کر دیا ہے
تو پھر وہ علاقہ افغانستان میں مداخلت کرنے کی کوشش کرینگے۔ اگر کوئی وقت پیش
آئے تو میرا مشورہ لیا جاوے کیونکہ میں قریب ہی خیمہ زن ہوں۔

۱۹ دسمبر ۱۸۸۴ء کو سر پیٹر لمسڈن نے ولایت کو تار دیا کہ روسیوں کا پل خاتون
پر قابض رہنا ہرگز منظور نہیں کرتا۔ غرض جب سر پیٹر لمسڈن کی ملاقات روسی
کمشنر سے بمقام تفلس ہوئی تو اسنے اصرار کیا کہ کافی شہادت سے ثابت ہے کہ
پنجدہ علاقہ افغانستان کا جزو ہے۔ ۳۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو بقول سر پیٹر لمسڈن کے
روسی افغانوں پر حملہ کرنے کو بڑھے۔ اس وقت افغانوں کی جمعیت چار ہزار کے
قریب تھی اور انکے پاس صرف آٹھ توپیں تھیں۔ مگر خرابی یہہ ہوئی کہ رات
کی بارش کے باعث انکا بارود نمناک ہو گیا تھا جو انہوں نے جیبوں میں ڈالا
ہوا تھا۔ اور روسیوں کے مقابلہ میں انہیں زک اٹھانی پڑی۔ آدھ گھنٹہ میں
افغانوں کے پانسو آدمی مارے گئے۔ اور روسیوں کا صرف ایک ترکمان افسر کام آیا
دس ترکمان قتل ہوئے اور بیس زخمی ہوئے۔ ۱۶ مارچ ۱۸۸۵ء کو اسل آف گرینول
نے سر پیٹر لمسڈن کو بذریعہ تار برقی مطلع کیا کہ اب اگر افغان سر نہ اٹھائیں
تو روسیوں نے ہمیں اطمینان دلا دیا ہے کہ وہ حملہ نہ کرینگے

امیر صاحب راولپنڈی کے دربار کے موقع پر آئے ہوئے تھے کہ انہیں پنجدہ
کے حیرتناک واقعہ کی اطلاع ملی۔ اس واردات کو سنکر ذرہ بھی انکی خاطر پریشان
نہ ہوئی۔ امیر صاحب نے لکھا کہ مجھے ترکمانوں کی وفاداری پر مطلق اعتبار نہیں ہے
اگر وہ اسلام کے پیرو ہیں تو انکو چاہیئے کہ اپنی بیویاں اور بچے افغانستان میں

پنجدہ میں روس اور افغانوں کی لڑائی

بھیجدیں۔ جبتک کہ وہ ایسا نہ کرینگے مجھے انکی وفاداری پر شک رہیگا۔ پھر امیر نے بیان کیا کہ اگرچہ میں روسیوں کو آگے قدم نہیں بڑہانے دونگا۔ لیکن میں اس بات پر زور نہیں دیتا کہ ضرور پنجدہ ہماری سرحد میں واقع ہے۔ امیر کی یہ رائے تھی کہ اگر مرو چاک حد مقرر ہوجاوے تو وہ اس سے زیادہ محفوظ ہے۔

پنجدہ صوبہ مگیا اور مرو چاک سرحد مقرر ہوئی

آخرکار ۱۸ مئی ۱۸۸۵ء کو یہ عہدنامہ مرتب ہوا اور پنجدہ روسیوں کے قبضہ میں آگیا۔ لیکن انہوں نے ذوالفقار خالی کردیا۔ اور مرو چاک سرحد مقرر کی گئی۔ جب یہ معاملہ اسطرح پر طے ہوگیا تو امیر نے ایک لمبا چوڑا خط لارڈ ڈفرن کے نام لکھا جسمیں انگریزی گورنمنٹ کا شکریہ ادا کیا اور اس تصفیہ پر اطمینان ظاہر کیا اور یہہ بھی لکھا کہ اس قرارنامہ کی ایک مصدقہ نقل جسپر روسیوں اور انگریزوں دونوں کے دستخط ہوں انہیں بھی بھیجی جائے۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئیے کہ امیر صاحب کو پنجدہ کے سانحہ کا افسوس نہ ہوا۔ جبتک کہ وہ راولپنڈی میں تھے انہوں نے چنداں ملال ظاہر نہ کیا۔ لیکن جب وہ کابل میں واپس آئے تو اپنے خیالات اس طرح پر ظاہر کئیے۔

" افسوس ہے کہ مشہور سر لمسڈن نے اسلئیے روسیوں کیساتھ ہمارا جنگ ہونے دیا۔ کہ اسکے دل میں یہہ بیہودہ قوی سمائی تھی کہ تاوقتیکہ روسیوں اور افغانوں میں جنگ نہ ہولے وہ ہمارے دوست نہیں ہوسکتے "

افسوس ہے کہ امیر صاحب نے جو اپنا کمشنر سرحد کے تصفیہ کیلئے مقرر کیا تہا۔ وہ اس کام کے لایق نہ تھا۔ قاضی سعدالدین بیشک ایک فاضل شخص تہا۔ مگر معاملات ملکی میں اسے بہت کم درک تھا۔ اسلئیے معاملہ نے بہت طول کھینچا اور خاطرخواہ تصفیہ جلدی نہ ہوسکا۔

جون ۱۸۹۲ء میں ایک روسی افسر نے جو پنجدہ کے چارج میں تھا فلہ پر کچھ فساد کرنا چاہا۔ مگر حکام اعلے نے معاملہ کو رفع دفع کردیا اور اس افسر کو قرار واقعی سرزنش

کی گئی۔ پھر پچھلے سال پامیر کے گرد نواح میں فساد کی آگ بھڑکنے لگی جسکے واقعات ترکستان گزٹ میں اس طرح پر شائع ہوئے کہ ۳ جولائی کو کرنیل یانوف کے پاس شکائتیں پہنچیں کہ افغان ہمیں ستاتے ہیں۔ ۴ جولائی کو ۸ بجے صبح کے کرنیل صاحب سوما تاش گئے تاکہ انتظام کرکے فساد کو دفع کریں جب وہاں پہنچے تو افغانی اہلکار وہاں کوچہ میں سویا ہوا تھا۔ روسی افسر نے ترجمان کو بھیجا کہ جاکر کپتان غلام حیدر خاں کو بلا لائے غلام حیدر خاں ٹھیک بیس کے بعد مسلح ہو کر آیا۔ کرنیل یانوف نے اُسے کہا کہ بموجب عہدنامہ ۱۸۷۳ء کے یہہ جگہ ہماری ہے تم لوگوں کو شورش نہیں مچانی چاہئیے۔ امیر اُسنے جواب دیا کہ میں سوائے امیر کے اور کسی کو نہیں جانتا۔ پھر کرنیل نے اپنے آدمیوں کو کہا کہ افغانوں سے ہتھیار چھین لو۔ مگر لڑائی ہو پڑی اور کپتان اور پانچ آدمی مارے گئے۔ لیکن جو رپورٹ گلگت میں پہنچی وہ اِس طرح پر ہے کہ شمس الدین حاکم سوما تاش اپنے خیمہ میں سویا ہوا تھا کہ کرنیل یانوف وہاں گیا اور اُس سے تکرار کرنے لگا۔ اُسنے جواب دیا کہ میں امیر کے حکم کا نوکر ہوں جسپر روسی افسر نے ایک طمانچہ اُسکے مُنہ پر مارا اور افغان سردار نے غصہ میں آکر پستول روسی کرنیل کیطرف جھونک دیا لیکن گولی خالی گئی اور پاس کا سپاہی زخمی ہوا۔ پھر لڑائی ہو پڑی۔ اور شمس الدین اور چھ کس دیگر کام آئے۔ اِس قسم کے واقعات لگاتار ہوتے رہے۔ آخر ۱۱ مارچ ۱۸۹۵ء کی تحریر نے ان فسادوں اور جھگڑوں کا خاتمہ کر دیا۔ اور امن کی صورت قائم ہوگئی۔

سوما تاش کا واقعہ

انگریزوں کیطرف سے ایک مسلمان افسر بطور ریذیڈنٹ انگریزی کے امیر صاحب کے دربار میں رہتا ہے اِس موقعہ پر اسقدر لکھنا بہت ضروری ہے کہ امیر صاحب کے دربار میں آجتک تین سفیر ہندوستان کی جانب سے رہ چکے ہیں۔ اور چوتھا اب گیا ہے۔ انمیں پہلے نواب محمد افضل خاں۔ دوسرے لفٹنٹ کرنل راجہ عطاالله خاں اور تیسرے کرنیل اکرم خاں تھے۔ مگر یہہ تینوں فوجی افسر تھے کہ جنہوں نے اِس خدمت سے پہلے کوئی

سفیر انگریزی در بار کابل میں

پولیٹیکل خدمت انجام نہیں دی تھی۔ غنیمت ہے کہ گورنمنٹ کو سمجھ آگئی ہے اور صرف ایک سول افسر کو اس دفعہ مقرر کیا ہے۔ مگر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ سفیر انگریزی سرحدی باشندہ اور حالات افغانستان کا واقف ہونا چاہئیے جب لارڈ ڈلینسڈون بہادر وایسرائے ہند ہوئے تو مناسب معلوم ہوا کہ ایک سفارت کابل کو بھیجی جاوے۔ کیونکہ اس اثنا میں چند باتیں ایسی پیش آنے لگی تھیں کہ جن سے ناچاقی کا احتمال تھا۔ مثلاً امیر صاحب نے باجور وغیرہ کے معاملات میں دست اندازی شروع کر دی تھی۔ جو انگریزوں کو کسی طرح منظور نہ تھی۔ لارڈ لینسڈون نے لارڈ رابرٹس کو اس سفارت کے لیئے منتخب کیا۔ لیکن امیر صاحب نے لکھ بھیجا کہ آجکل میں ہزارجات کی شورش کے استیصال میں مصروف ہوں۔ سفارت کی استقبال کے لئے تیار نہیں ہو سکتا اور اگر راہ میں بھی کچھ نقصان ہو گیا تو میں ذمہ دار نہیں ہونگا۔ چنانچہ وہ سفارت ملتوی رہی اور دوسرے سال جنرل رابرٹس ولایت کو چلے گئے کیونکہ انکی میعاد ملازمت ختم ہو چکی تھی۔

انگریزی سفارت منظور نہیں

بعض لوگوں کا یہہ خیال ہے کہ امیر صاحب نے اس سفارت کو دانستہ ٹالدیا تھا کہ کسی طرح جنرل رابرٹس کا قدم دوبارہ افغانستان میں نہ آئے۔ لیکن سر لیپل گریفن نے جو بہت لوگوں سے زیادہ معاملات افغانستان سے واقف ہیں اس زمانہ میں گورنمنٹ کو صلاح دی تھی کہ جنرل رابرٹس کی سفارت بھیجنا بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ اس سے روس بھی کابل کیطرف متوجہ ہو جائیگا۔ اور امیر صاحب جو دوطرفہ بازی کھیل رہے ہیں وہ اسکے خلاف ہیں لیکن اصلیت یہہ ہے کہ جنرل رابرٹس بمعیت دس ہزار فوج کے افغانستان کے مشن پر جانے کو آمادہ تھے اور جیسا ہر شخص سمجھ سکتا ہے امیر صاحب افغانستان میں غیر ملک کی اتنی فوج کسی طرح دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

۱۸۹۱ء میں ایک اور واقعہ پیش آیا جس سے ہندوستان میں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ انگریزوں اور افغانوں میں بگڑ جائیگی۔ امیر کی رعایا کے چند کاشتکار جو دریائے ہلمند کے کنارہ پر آباد تھے نقل مکان کر کے سیستان میں چلے آئے۔ اس تبدیل مکان کی وجہ یہ تھی کہ امیر صاحب کے کارندے معاملہ نہایت سختی سے تحصیل کرتے تھے۔ گورنر قندھار نے انکا تعاقب تو نہ کیا مگر ان لوگوں کے جو قراچی جاگہ واقع بلوچستان میں رہتے تھے تین کو ناکردہ گناہ پکڑ کر قید کر لیا۔ اس سے انگریزوں کو سخت غصہ آیا۔ کیونکہ جاگہ انکے خیال کے بموجب افغانستان سے باہر بلوچستان کے علاقہ میں واقع ہے۔ انہوں نے امیر صاحب کیطرف ایک مراسلہ بھیجا جسکے الفاظ بہت سخت تھے۔ لیکن اگر چشم انصاف سے دیکھا جائے تو امیر صاحب کو بھی انگریزوں سے بہت سی شکایتیں تھیں۔ انگریزوں نے خوجک کی پہاڑیوں اور نیو چمن کے اطراف میں ریل جاری کر دی تھی اور انکا ارادہ تھا کہ قندھار تک اس سلسلہ کو جاری کر دیں۔ اور امیر صاحب اس بات کے سخت مخالف تھے۔ پہلی ریل گاڑی خوجک کے زیر زمین راستہ سے ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء میں جاری ہوئی[۵] ایک دن امیر صاحب نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ دیکھو یہ انگریز دوستی کا دم بھرتے ہیں حالانکہ خوجک کا زیر زمین راستہ مثل ایک چاقو کے ہے جو انہوں نے

سرحد افغانستان و بلوچستان کا جھگڑا

---

[۵] اس عجیب نظیر سے امیر صاحب کی خاص قسم کی طبیعت کا پتہ لگتا ہے۔ جب باوجود انکے انکار کے انگریزوں نے پرانے چمن سے سات میل آگے جدید چمن تک ریلوے لائن بڑھا لی تو امیر صاحب کو یہ امر بہت ناگوار گذرا مگر اتنی بساط نہ تھی کہ وہ انگریزوں سے بگاڑ نہیں کر سکتے تھے تاہم اپنی ناراضگی یا ضد کے اظہار کیلئے امیر صاحب نے اپنے ملازموں کو تاکید کی کہ قندھار کیلئے جدید چمن تک ریل کے ذریعہ پہنچی ہو وہ سو انکے سو وہاں سے ہرگز منظور نہ کریں بلکہ لوٹا کر انگریزی افغان پرانے چمن کی حد میں ہو وہاں اتریں جدید چمن کی راہ سے قندھار کو لایا جائے۔ واقعی ایسی باتوں سے انکی عجب قسم کی مستقل مزاجی طبیعت کا پتہ لگتا ہے

بہت دل میں گھر بنا لیا ہے۔ نیو چمن کی نسبت امیر نے نہایت زور شور سے کہا کہ انکے قلمرو میں واقع ہے۔ حالانکہ انگریزوں کے پیمانہ کے بموجب امیر صاحب کی سرحد سے دس میل ادہر ہے۔ انگلستان کے مدبروں کا یہ خیال تہا کہ اگر افغانستان کی سرحد تک ریل جاری ہوگئی تو برٹش انڈیا اور جنوبی افغانستان کے درمیان تجارت خوب رونق حاصل کریگی۔ لیکن امیر صاحب نے حکم ناطق دیدیا کہ کوئی شخص اس ریل پر سوار نہ ہو اور حسب معمول قافلے اونٹوں پر اسباب لاد کر بیجا یا کریں۔ اس بات سے یہہ گمان نہیں کرنا چاہیئے کہ امیر صاحب ہمیشہ خودسری اور بے پروائی سے انگریزوں کے ساتھ برتاؤ کرتے رہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ امیر صاحب پرلے درجہ کے رمز شناس ہیں۔ جب موقع دیکھتے ہیں ویسا ہی کام کرتے ہیں۔

خوجک ٹنل

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ امیر صاحب نے اپنے گماشتہ کی معرفت انگلستان میں آرڈر دیا کہ ہاچکس کی توپیں اور بندوقیں انکے واسطے تیار کرکے بہیجی جائیں۔ سوداگروں نے یہہ جانکر کہ وہ ملکہ معظمہ کے دوست ہیں فوراً انکے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن جب یہہ خوفناک آلات حرب کراچی بندر میں آ پہونچے اور امیر صاحب کا گماشتہ انہیں کابل بہیجنے لگا تو شملہ سے لاٹ صاحب نے حکم دیا کہ توپیں روکی جائیں اور کابل کو ہرگز نہ جانی پاویں۔ چنانچہ وہ وہیں رکگئیں۔ جب امیر صاحب کو خبر ہوئی تو ناراض تو وہ ضرور ہوئے ہونگے۔ مگر غصہ کو ضبط کرکے کہا کہ بیشک انگریز حق بجانب ہیں۔

امیر صاحب کی توپیں ہندوستان میں روکی گئیں۔

۱۸۹۳ء میں امیر صاحب نے انگریزوں کو اطلاع دی کہ اب میں تیار ہوں سفارت بیشک آجائے۔ لارڈ لینسڈون نے محکمہ خارجیہ کے سکرٹری سر ماٹیمر ڈیورنڈ کو اس کام کے لیئے پسند کیا۔ یہہ شخص واقعی اس سفارت کے قابل تہا۔ امیر



سر مارٹیمر ڈیورینڈ

صاحب کے مزاج سے بوجہ اُس تعلق کے جو اُسے کئی سال سے حیثیت خارجہ میں امیر صاحب کے معاملات سے رہا تھا بخوبی واقف تھا اور فارسی بھی بخوبی بول سکتا تھا پہلی بات عقلمندی کی سر مارٹیمر ڈیورینڈ سے یہ ہوئی کہ اُسنے کہدیا کہ میں تو امیر صاحب کا مہمان[1] ہوں میں فوج کی بھیڑ بھاڑ لیکر کابل کو نہیں جانا چاہتا چنانچہ سفیر مذکور کی اِس دانائی اور فراست نے اُسکی وقعت کو امیر کی نگاہوں میں دوبالا کردیا۔ اور اُنہوں نے اُسکی حد سے زیادہ تواضع اور خاطر کی۔ ۹ ستمبر ۱۸۹۳ء کو سر مارٹیمر ڈیورینڈ پشاور سے روانہ ہوئے۔ سرحد کابل پر جرنیل غلام حیدر سفارت کے استقبال کے لیے موجود تھا

سر مارٹیمر ڈیورینڈ کی سفارت

یہہ سفارت مندرجہ ذیل ممبران پر مشتمل تھی:-

(۱) سر مورٹیمر ڈیورینڈ صاحب۔

(۲) کرنیل ایلس صاحب۔

(۳) کپتان میکموہن صاحب۔

(۴) کپتان سمتھ صاحب۔

(۵) کپتان مینرز صاحب۔

(۶) مسٹر کلارک صاحب۔

(۷) سرجن فن صاحب۔

اِن لوگوں کے علاوہ بنگال لانسرز نمبر ۱ سے بارہ افغان بطور اردلیوں کے ہمراہ تھے۔ اور اِسیقدر ہندوستانی کلارک اور ترجمان تھے۔ غرض کل جمعیت ملاکر کوئی تین سو آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ تھی۔ اِس قافلہ کے ساتھ دو سو اونٹ

[1] یہ ایک اچھی پولیٹکل طرح تھی۔ وزیر ہند سر مارٹیمر کو افغانستان میں جاکر سلامت واپس آنیکا اسقدر شک تھا کہ اُسنے زندگی کا بیمہ کرنیکی کمپنیوں میں اپنی زندگی کا بیمہ کرادیا تھا۔

اسقدر خچریں اور پچاس گھوڑے بھی تھے۔ جلال آباد میں سفیر اُسی مکان میں
اُتارا گیا جو امیر صاحب اپنے لیئے بنوا رہے تھے۔ جب سفارت کابل کے گرد نواح
میں پہنچی تو مسٹر پین جو اب سر سالٹر پین ہیں امیر صاحب کیطرف سے سفیر کے
خیر مقدم کے لیئے آئے۔ ۲۔ اکتوبر کو یہ لوگ کابل میں داخل ہوئے اور کابل کے
توپ خانہ سے اُنکی سلامی ہوئی۔ مہمانوں کے لیئے شہزادہ حبیب اللہ خاں کا مکان
آراستہ کیا گیا تھا جو خاصکر کے قابل دید تھا۔ خوابگاہ میں جو پلنگ بچھا ہوا تھا
اُسپر سونیکا کام آنکھوں کو چوندھیا تا تھا۔ اور اس پلنگ کے گدیلے مخمل و کمخواب
کے تھے۔ پردہ آسمانی ساٹن کے اور قریب اُسکی ایک پی انیو باجا رکھا ہوا تھا۔
دوسرے دن سفیر انگریزی امیر کابل کی ملاقات کے لیئے گیا۔ امیر صاحب نے بڑے
تپاک سے مصافحہ کیا اور ہنگام گفتگو بیان کیا کہ ہم نہایت خوش ہیں کہ ایسا جلیل القدر
شخص جو سرکار انگریزی کا معتمد الیہ ہے ہمارے ملک میں سفیر بنکر آیا ہے۔ اور
بڑی خوشی کا مقام یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ فارسی زبان میں گفتگو کر سکتا
ہے۔ پھر امیر صاحب سر مارٹیمر ڈیورنڈ سے مختلف مضامین پر بحث کرتے رہے مثلاً
مرض نقرس پر جسکا امیر صاحب کو عارضہ ہے۔ محکمہ ریل پر اور اپنے سیر یورپ کے
ارادہ پر۔

سفارت انگریزی اور امیر صاحب

دوسرے دن سفیر اور اُنکے ہمراہیوں کو امیر صاحب کے نئے محل کی سیر کرائی
گئی اور وہ اُسکی آرایش و سجاوٹ دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ اس محل میں
امیر تیمور کی تصویر بھی آویزاں تھی۔
١٣۔ نومبر کو عظیم الشان دربار ہوا۔ اس دربار کی کیفیت اسطرح پر ایک اخبار
میں درج تھی:۔
سر ڈیورنڈ اور اُنکے ہمراہیوں کا استقبال ایوان دربار پر امیر صاحب کے دونوں

شہزادوں حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں نے کیا اور کمرہ دربار میں انہیں لیجاکر بٹھایا۔ سفیر کے مقابل میں امیر صاحب کے فوجی اور سول افسروں کے لیئے چوکیاں بچھی ہوئی تہیں۔ علاوہ دیگر اشخاص کے اس وقت جنرل جان محمد حاکم توپخانہ جنرل میر محمد اور خان ملا موجود تھے۔ امیر صاحب کے تخت کے پا انداز میں شیر کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ جب امیر صاحب تشریف لائے تو تمام اہل دربار سروقد ایستادہ ہوگئے۔ آتے ہی انہوں نے تمام انگریزوں سے مصافحہ کیا اور تخت پر بیٹھ گئے۔

قصہ مختصر جب سر مارٹیمر ڈیورینڈ وہاں سے رخصت ہوئے تو تمام کام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بھگتا کر آئے۔ گورنمنٹ انگلشیہ کا منشا پورا ہوگیا۔ فریقین کی کشیدگی رفع ہوگئی اور پھر سلسلۂ دوستی مستحکم ہوگیا۔ امیر صاحب نے وعدہ کیا کہ آئیندہ میں چترال۔ باجور۔ سوات اور آفریدیوں کے معاملات میں دخل نہیں دونگا۔ اور انگریزوں نے انکے وظیفہ کو ڈیوڑھا کردیا یعنی بجائے بارہ لاکھ روپیہ سالانہ دینے کے اٹھارہ لاکھ سالانہ مقرر کیا[۱]۔ اور امیر صاحب کو کافرستان فتح کرنیکا بھی حق حاصل ہوگیا*

تجمل معاہدہ

۲۳ جنوری ۱۸۹۴ء کو مارکوئیس آف لینسڈون نے جو اسپیچ رخصتانہ کی اسمیں سر مارٹیمر ڈیورینڈ کے حسن انتظام کی بہت تعریف کی اور کہا کہ تمہاری سفارت میں خاطرخواہ کامیابی ہوئی ہے۔

اکتوبر ۱۸۹۳ء میں سر مارٹیمر ڈیورینڈ نے جو معاہدہ کابل میں کیا وہ ایک پارلیمنٹ کے کاغذ سے حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے:۔

چونکہ دربارۂ سرحد افغانستان کے کچھ گفتگو پیش آئی ہے جسکا تعلق ہندوستان سے

---

[۱] ۱۸۹۳ء کی دوسری سہ ماہی میں معلوم ہوا ہے کہ سرحد واخان کی حفاظت کے لیئے امیر صاحب کو پچاس ہزار روپیہ سالانہ سرکار انگریزی نے اور دینا منظور کیا ہے۔

ہے اور ہز ہائینس امیر کابل اور گورنمنٹ انڈیا ان باتوں کا فیصلہ دوستانہ طریقے سے کرکے دوستانہ سمجھوتہ قایم کرنا چاہتی ہے اور ہردو مقامات کی حد مقرر کرنا چاہتی ہے تاکہ بارے آئندہ کوئی اختلاف رائے ہردو گورنمنٹوں میں نہ ہو لہذا حسب ذیل وجوہ قرار دیئے گئے۔

شرائط معاہدہ

اول۔ مشرقی اور جنوبی سرحد عملداری ہز ہائینس کی واخان سے سرحد فارس تک حسب لین نقشہ منسلکہ ہوگی

دوم۔ گورنمنٹ انڈیا کسی وقت میں اُس عملداری سے مداخلت نکریگی جو حدود افغانستان میں ہوگی اور ہز ہائینس امیر کبھی وقت میں اُس عملداری میں مداخلت نہ کرینگے جو اس حد کے باہر جانب ہندوستان ہوگی۔

سوم۔ برٹش گورنمنٹ تسلیم کرتی ہے کہ ہز ہائینس امیر اسمار پر قابض رہیں اور اُسکے اُس جانب وادی چیندک تک اُنکو اختیار رہے۔ اور ہز ہائینس اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ کسی وقت میں وادی سوات سے کسی طرح کی مداخلت نہ کرینگے۔ اور سوات۔ باجور چترال۔ ارندی۔ یا وادی اشغل سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے اور برٹش گورنمنٹ رضامند ہے کہ ہز ہائینس کو بیرمل کا حصہ دیدی جو اُس نقشہ سے مفصل طور پر ظاہر ہوگا۔ جو ہز ہائینس کو دیا گیا ہے اور ہز ہائنس نے وزیری اور وارد اُسکے ملک اور چارگاہ سے قطع تعلق کیا ہے۔

چہارم۔ سرحدی لین بعد کو مشرح طور سے قرار دیجائیگی جسکی کارروائی برٹش اور افغانی کمشنروں کے ذریعے سے ہوگی اور اسکا منشا یہ ہوگا کہ باہم سمجھوتہ سے ایک سرحد قایم کیجائے۔ اسکے بارہ میں حتی الامکان لین موافق نقشہ منسلکہ کے ہوگی اور استحقاق مواضع حوالی سرحد کا بھی لحاظ رکھا جائیگا۔

پنجم۔ گفتگوئے چمن کے بارہ میں امیر اُس اعتراض کو واپس لیتے ہیں جو جدید برٹش

کمپو قائم کرنے پر تھا اور برٹش گورنمنٹ کو اپنا وہ استحقاق واپس دیتے ہیں جو سرکی اور تلیری کے پانی کا خرید کیا تھا۔

ششم۔ چوٹی خواجہ عمران کی شاخ پہاڑی واقع متصل شاہ کوتل سے جو برٹش عملداری میں رہیگا سرحدی لین ایسی سمت کو جائیگی تاکہ مرغ چمن شرا لیو کا چشمہ افغانان کے لیئے چھوٹ جائے اور یہ حصہ جدید چمن کے قلعہ اور افغانی بیرونی تہانہ کے قریب سے گذریگی جو کہ لشکر ڈانڈ کرکے مشہور ہے۔ وہاں سے مابین ریلوے اسٹیشن اور سپاہی بلاک کے گذریگی اور جنوبی جانب جائیگی وہاں سے خواجہ عمران کی پہاڑی سے شریک ہوگی۔ گورجہ کا تھانہ برٹش عملداری میں ہوگا اور شرا دک کو جو سڑک گئی ہے وہ مغربی جانب رہیگی۔ اسکے جنوب میں گورجہ واقع افغانستان ہوگا۔ اس سڑک کے نصف میل تک برٹش گورنمنٹ کوئی مداخلت نہ کریگی۔

معاہدہ مذکور گورنمنٹ انڈیا اور امیر افغانستان ایک قابل تسکین فیصلہ خیال کرتے ہیں جسمیں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے جو کہ حال میں مابین گورنمنٹ ہند اور امیر افغانستان کے پیش آیا تہا اور تفصیل کے بارہ میں گورنمنٹ ہند اور امیر افغانستان عہد کرتے ہیں کہ اُسکا فیصلہ دوستانہ طریقہ سے وہ افسر کرینگے جو سرحد قائم کرنے پر مقرر ہوں تاکہ برائے آئندہ کوئی شک وشبہ اور باعث غلط فہمی ہر دو گورنمنٹوں میں نہ پیدا ہو۔

ہفتم۔ چونکہ یقین کامل ہے کہ ہز ہائینس برٹش گورنمنٹ کی طرف سے نہایت نیک نیت اور اس خیال سے کہ افغانستان آزاد ومضبوط ہو گورنمنٹ آف انڈیا سامان جنگی کے طلب کرنے میں ہرگز مداخلت نہ کریگی۔ بلکہ اسبارہ میں گورنمنٹ آف انڈیا خود بہی کچھ مدد کریگی۔ علاوہ ازیں اس لحاظ سے کہ ہز ہائینس امیر نے دوستانہ طریقہ سے اس فیصلہ کو

منظور کیا ہے۔ گورنمنٹ انڈیا نے علاوہ اُس بارہ لاکھ کے جو ہز ہائینس کو ملتے ہیں چھہ لاکھ روپیہ اور زیادہ کر دیئے ہیں*

جس وقت ہندوستان کے اخبار نویسوں کو معلوم ہوا کہ امیر صاحب کے وظیفہ میں اسقدر اضافہ ہو گیا ہے تو اُنمیں سے بعض نے وہ واویلا کی کہ توبہ۔ اُنہوں نے اِس بات پہ زور دیا کہ کیوں سرکار انگلشیہ ہندوستانیوں کا گلا کاٹ کر افغانوں کا پیٹ پال رہی ہی۔ اگر خدا نخواستہ روسیوں نے ہندوستان کا رُخ کیا تو یہہ لوگ ہرگز ہماری مدد نہیں کرینگے۔ سرکار کو اُنکے چکموں میں نہیں آنا چاہئیے یہہ بڑے مطلب پرست ہیں سرکار کو چاہئیے کہ ہندوستانیوں کے حال پر رحم کرے۔ اور جو روپیہ کہ وہ نہایت عرقریزی سے پیدا کرتے ہیں مفت خوروں کی نذر نہ کرے۔ ہم لوگ نان شبینہ کو محتاج ہیں اور افغان بلا درد سر کے گوشت پلاؤ اوڑاتے ہیں۔ کیوں نہیں سرکار افغانستان کو علاقہ انگریزی بنا لیتی اور ہر روز کے مخمصہ کا تصفیہ کر دیتی۔ کئی بار انگریزوں نے افغانوں کو آزمایا ہے یہہ اُنکے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہیں۔ پہر خدا جانے اِنکی سمجھہ کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ اِس معاملہ کی تہہ کو نہیں پہنچتے اور فتح کر کے بھی کابل کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھتے۔ مگر یہ ایک کوتہ اندیش گروہ کے خیالات ہیں۔ جو لوگ اصل حالات سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ انگریز ایسے بیوقوف نہیں کہ ایک پیسہ بھی مفت دیں۔ روسیوں کا مدت مدت سے ہندوستان پر یہی ایک دانت ہے اور ایک دن ضرور آئیگا کہ وہ ہندوستان کیطرف بڑھیں۔ مگر اِس طرف آنیکے لیئے ضروری ہی کہ وہ افغانستان کو موافق کریں یا فتح کر لیں۔ سرکار انگلشیہ کی پالیسی یہ ہے کہ افغانستان کو ایسا طاقتور بنا دے کہ روسی اُسکو فتح نہ کرسکیں۔ افغانستان کوئی زرخیز ملک نہیں ہے

ؔ اخبار پاینیر نے ایک عجیب نوٹ میں امیر صاحب کے وظیفہ کی زیادتی کو ثابت کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ سر فریڈرک ڈیورنڈ کی معرفت جو امیر کا وظیفہ ۱۲ لاکھ سے بڑھا کر ۱۸ لاکھ کر دیا گیا اُسکی نسبت

(دیکھو صفحہ ۹۷)

اسکی آمدنی اسکے اخراجات کے لیئے مشکل سے کتفا کرتی ہے۔ اسکا فتح کرنا انگریزوں کے لیئے کیطرح مفید نہیں ہے۔ قطع نظر اسکے افغان ایسی ٹیڑہی اساہی ہیں کہ انکا تابع رکھنا بڑا کٹھن کام ہے۔ وہ اپنے ہمقوم اور ہم مذہب ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرسکتے ہیں۔ اسکے بغیر وہ کسی افلاطون کو بھی کچھ نہیں جانتے۔ اس لیئے سرکار انگریزی بہت اچھی پالیسی چل رہی ہے۔ جو اسکے گرانقدر ذاتی تجربہ پر مبنی ہے۔ امیر صاحب کو بیشک ایک کثیر رقم زر دیجاتی ہے اور علاوہ اسکے اسلحہ وغیرہ سے بھی مدد دیگئی ہے۔ تاکہ وہ اپنی سلطنت کو ایسا مضبوط کرلیں کہ روس بسہولیت سے ہندوستان کیطرف رخ نہ کرسکے لیکن امیر صاحب اس وظیفہ کا ایک حصہ ہندوستان کے شمال مغربی سرحد کی اقوام کو بھی دیتے ہیں۔ تاکہ وہ سرحد پر امن قائم رکھیں بہت کم ناظرین کو معلوم ہوگا کہ یہہ سرحد کا وظیفہ کوئی انگریزوں کی ایجاد نہیں ہے

افغان غیر قوم کو بادشاہ پسند نہیں کرتے ہیں

کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ جہانتک نظر غور سے دیکھا جاتا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امیر کے وظیفہ میں ضرور زیادتی ہونا چاہیئے تھی۔ ہندوستان اور افغانی سرحد کے معاملات میں بہت سی جنگیں کوہستانیوں کی کوشمالی کے لیئے کرنی پڑتی تہیں اور انمیں بہت کچھ صرف ہوجاتا تھا۔ اسکے سامنے یہہ ٦ لاکھ کا اضافہ کچھ بھی نہیں ہے یقیناً یہ لڑائیاں اب بند ہوجائینگی۔ پہاڑی قومیں جو حملے کیا کرتی تہیں انکے بندوبست کو سرحد پر چوکیاں اب بٹھائی ہونگی جنگ کے سامان کی لوٹ کہسوٹ نہ ہوگی جو ادہر ادہر ہوا کرتا تھا علاوہ بریں ایک دوسری نظر سے بھی اس معاملہ کو دیکھ لینا چاہیئے۔ جب پہلے ہی سے اس امیر صاحب کو ایک لاکھ روپیہ ماہواری ملنا شروع ہوا تو روپیہ ۲۰ پنس کا تھا اب جبکہ ۱۲ رہگیا ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ کابل کے خزانہ پر اسکا کیا اثر ہوگا۔ امیر صاحب کو ہر وقت اپنی فوج تیار رکھنا پڑتی ہے اور ہتہیار اور سامان جنگ کی درستی میں انکا بہت کچھ خرچ ہوجاتا ہے اور وہ سب سامان انکو یورپ انگریزی سکے دیکر خریدنا ہوتا ہے۔ انہیں بھی سب لوگوں کی طرح یہاں ایک پونڈ کے سولہ یا سترہ روپے دینے پڑتے ہیں پس انکے یہ چھ لاکھ جو زیادہ ہوئے ہیں اس حالت میں کچھ بھی حقیقت نہ رکھیں گے جب اس نرخ سے نہ ملیں

(دیکھو صفحہ ۹۹)

بلکہ شاہان مغلیہ بھی اِن آزاد اقوام کو جو افغانستان اور ہندوستان کے مابین سکونت رکھتی ہیں دیا کرتے تھے۔ نیز میر صاحب کی تاریخ افغانستان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نادر شاہ نے مہم ہند کا قصد کیا اور اِس علاقہ سے گذرنے لگا تو جمرود کی پٹھانوں نے درخت کاٹ کاٹ کر دروں کے راستے بند کر دیئے۔ اور چوٹیوں پر سے نادر کی فوج پر اسقدر پتھر پھینکے کہ نادر ایسے شخص کو اِن سے مصالحت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اور جب نادر نے انہیں انکا حق دیکر راضی کر لیا تو یہہ اُسکی فوج میں شریک ہو گئے۔ اِس سے ظاہر ہے ہندوستان کے امن کے لیئے اِن افغانی قبیلوں کو کچھ دینا ضروری ہے اور وہ امیر صاحب اُس روپیہ سے انہیں ہی تقسیم کرتے ہیں ؂

سرحدی آزاد قوموں کے وظائف

باب ہشتم

کچھ اور پولٹیکل چالیں اور کامیابیاں

بہت کم لوگ ہندوستان میں جانتے ہیں کہ امیر عبدالرحمن خان صاحب شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ لیکن یہہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ پولٹیکل شطرنج بازی میں انہیں اُس سے بھی بڑھکر کمال حاصل ہے۔ یہانتک کہ اسمیں ان کے کھلاڑیوں میں انہیں وہ رتبہ حاصل ہے جو شطرنج کے کھلاڑیوں میں البونذید کا مشہور ہے

بقیہ حاشیہ: یورپ میں خرچ کرنے پڑیں گے ہمیں یہہ بھی سمجھ رکھنا چاہیئے کہ امیر صاحب نے خود امداد کی درخواست نہیں کی تھی کیونکہ مشرقی رئیس ایسی گفتگو کو معیوب سمجھتے ہیں ٭ ++

بلکہ انکی نسبت یہہ کہنا ہی ناموزون نہیں کہ ع

ابو زید را اسپ و فرزین بد

۵ مئی ۱۸۹۶ء کو بروز عید الضحی امیر عبد الرحمن خاں صاحب نے کابل میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا جسمیں تمام ملک کے وکیل اور قوموں کے سرگروہ اور سردار شریک تھے اور اسمیں ملا عالم صاحب نے اپنے ہاتھ سے ایک بیش قیمت تمغہ مکلل بجواہر امیر صاحب کے سینہ پر چسپاں کیا۔ یہہ تمغہ اس رقم سے تیار کیا گیا تھا جو تمام افغانستان کے رئیسوں نے اپنی رضا و رغبت سے امیر صاحب کے خطاب "ضیاء الملت والدین" اختیار کرنے کی خوشی کے موقعہ پر ملک کیطرف سے چندہ کرکے انہیں ہدیہ کرنا مناسب سمجھے تھے۔ دراصل یہہ کارروائی نتیجہ امیر صاحب کی گہری پولیٹکل لیاقت کی ایک عملی چال کا ہے۔ جو وہ حال میں چلے ہیں۔ جو لوگ کہ افغانستان کی تاریخ سے کسیقدر واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس بدنصیب ملک کی خرابی کا بڑا باعث یہی رہا ہے کہ بادشاہ وقت کے بعد خاندان شاہی کے تمام متوسل تخت گیری کی فکر میں ہو جاتے ہیں اور جابجا بغاوتیں اور فتنے پیدا کرکے سلطنت کو ایک مسلسل بدامنی کی حالت میں مبتلا رکہتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑھکر شاہی خاندان کے متوسل کبھی کبھی تخت سلطنت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتے ہیں کہ جیساکہ انہیں واقعات میں امیر شیر علی خاں کے زمانہ حکومت کے ابتدائی اور آخری واقعات سے ظاہر ہے۔ اسکے علاوہ افغانستان کے زیرک اور رمز شناس بادشاہ کا سب سے پہلا فرض یہہ ہونا چاہئیے کہ اس ملک کے جاہل مگر مذہبی سرگرم رعایا کے تعصبات مذہبی کو غیر مسلم قوموں کے خلاف ہمیشہ بھڑکائے رکہے اور اپنے حقوق شاہی کے نگاہ اور محفوظ رکہنے کے لیئے احکام شرعی کی پابندی کی تاکید کرتا رہے۔ کیونکہ دین اسلام میں اولی الامر یعنے بادشاہ وقت کی اطاعت

خطاب ضیاء الملت والدین اختیار

اور حفاظت مذہب کے لیئے کافروں سے مقابلہ کرنے کے متعلق بکثرت احکام موجود ہیں
امیر عبدالرحمٰن خان ایسا شخص نہیں ہے جو ایسی باتوں سے فائدہ اُٹھانے میں تامل کرے
امیر صاحب کو یہہ بات ابتدا سے ذہن نشین ہو چکی ہے کہ قوم یا قوم کے سرگروہوں کی
رضامندی حاصل کرنے یا کم از کم ایسا ظاہر کرنے سے بہت سے پولٹیکل خدشات رفع ہو جاتے ہیں
چنانچہ اُنہوں نے روسی ترکستان سے لوٹ کر تخت افغانستان انگریزوں کے ہاتھ سے
کارروائی کی تھی اور جواب دینے میں بڑا انتظار کرایا تھا۔ بلکہ جواب میں یہہ ہی کہدیا
تھا کہ میں تنہا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ جبتک میرے اہل قوم جو میرے گرد جمع
ہو گئے ہیں کسی امر پر متفق نہو جائیں۔

اِن سب امور کو مدنظر رکھکر حال میں امیر صاحب نے اپنی اعلیٰ قابلیت کا ثبوت دیا
ہے۔ اب تمام اہل افغانستان کے خورد وکلاں وضیع وشریف سے ایک عہدنامہ پر دستخط
کرائے ہیں کہ جسکے مطابق وہ پابند ہو گئے ہیں۔ کہ سوائے امیر عبدالرحمٰن خان کی آل واولاد
کے سروار پائندہ خان کی نسل کے اور کسی سردار کی اطاعت نہ منظور کرینگے۔ امیر
صاحب کو خطاب ضیاءالملت والدین سے یاد کرینگے اور راضی جان نثاری وفاداری
سے کبھی سرتابی نہ کرینگے۔ اپنے ملک کا ایک چپہ زمین جبتک دم میں دم ہے کسیکو
لینے نہ دینگے۔ اور ہر آٹھ آدمیوں میں سے ایک کو حفاظت ملک کے لیئے سپہگری کی
واسطے وقف کرینگے۔ ظاہر کیا گیا ہے کہ انیں سے چار شرائط عہدنامہ کے بلا اکراہ
وترغیب خود بخود اعیان واکابر فرقہ محمد زئی نے مرتب کر کے امیر صاحب کی خدمت
میں پیش کی تھیں۔ اور جب امیر صاحب نے اپنی رعایا کے دوسرے فرقوں سے دریافت
کیا کہ انہیں بھی اِن باتوں سے اتفاق ہے تو سب نے اُنپر اتفاق ظاہر کیا اور
پانچویں شرط اُنپر اور اضافہ کر دی۔[1]

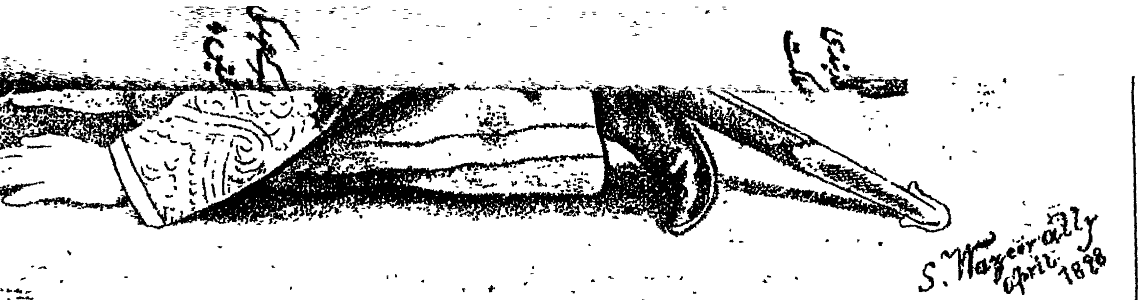
---

[1] یہہ پانچوں شرائط بجنسہ حسب ذیل ہیں :- فقرہ اول یہہ تھا کہ چونکہ اس سلطنت میں جو احکامات
دینی و قواعد شرع متین کی حمایت اور اُنپر عملدرآمد بخوبی عام ہوتا ہے اور طریقہ

(دیکھو صفحہ ۱۰۱)

سوائے امیر صاحب کی آل واولاد کے افغان کسی کی اطاعت نہیں منظور کرینگے





شہزادہ حبیب اللہ خاں و شہزادہ نصر اللہ خاں امیر صاحب کی قدمبوسی

یہ اُس وقت کا نظارہ ہے جس زمانہ میں امیر صاحب افغان ترکستان میں مدت تک قیام کرکے مع الخیر دار الخلافہ میں

ویندار ہی اور شرائط اسلامی سے تمام مسلمان رعایا بوجہ احسن فایدہ اُٹھاتی ہے۔ مساجد و معابد جو کہنہ اور منہدم ہوگئے تھے از سرِ نو انکی تعمیر و آبادی ہوئی علما و خطاب مؤذنین وغیرہ ہر قسم کی نعمتیں و رعایتیں وغیرہ ہمیں بطفیل شاہی میسّر ہیں۔ اسکے علاوہ قوانین مملکت داری روز بروز بہتر اور خوبتر ہوتے جاتے ہیں۔ اور سامان آلات حربیہ اور دیگر اسباب و لوازمات بھی ضرورت وقت کے مطابق ہمارے لیئے مہیا ہوئے ہیں لہذا ہم نے بالاتفاق مناسب جانا کہ آپکے نام نامی کے ساتھ امیر المومنین ضیاء الملۃ والدین کا خطاب بڑھایا جائے چنانچہ ان الفاظ مبارک کو قطعہ نشان میں درست کراکے حضور میں پیش کرنیکے لیئے ہم لائے ہیں۔

فقرہ دوم۔ یہ تہا کہ چونکہ زمانہ سابق میں ہماری سلطنت اور سلطنتہائے غیر کے درمیان حدبندی مشخص نہ تھی اور نہ کوئی اس قسم کی دستاویز تھی جس سے اپنی اور غیر کی سلطنت میں امتیاز ہو سکے۔ اسلیئے اپنے ملک کی نگرانی ہمیشہ نہایت مخدوش حالت میں رہا کرتی تھی۔ اب چونکہ حضور والا کی سعی و توجہ سے چاروں طرف کی حدبندی ہو چکی ہے تو گویا کہ ہمارے مکان کی چاردیواری کھینچی گئی ہے۔ اور اس چاردیواری کے اندر ہماری دولت دین ننگ و ناموس وغیرہ محفوظ ہوگیا ہے۔ اسلیئے ہم تمام رعایا اس بے پایان احسان شاہی کے بھی نہایت ممنون اور خدائے تعالیٰ کے نہایت شکر گذار ہیں اور اپنی زمین سرحد کو جان کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ ایک ایک اینٹ کے ٹکڑے پر ہمارا سر لگا ہوا ہے۔ اور کسی زمانہ میں بھی ہم اپنے حق میں سے ایک ذرہ کسی دوسرے کو نہ لینے دینگے۔

حدبندی مملکت

فقرہ سوم۔ یہ تہا کہ اس حکمرانی کے زمانہ کثیر میں عنایات و توجہات شاہی سے (جو اقوال و افعال سے ہم پر صادر ہوتے رہے ہیں) ہماری دولت و ملت کو بے انتہا فائدہ پہنچا ہے۔ نیک اور لایق آدمیوں کو علی قدر مراتب منصب اور نعمتیں بخشی گئیں۔ اور شریر النفس لوگ جو موجب اختلال امور مملکت داری تھے وہ ہمارے درمیان سے دور کر دیئے گئے۔ اسکے علاوہ وہ باتیں جو ہم نے دینی اور دنیوی کاموں میں چھوڑ دی تھیں اب ہم اپنی جانوں کے ساتھ انہیں وابستہ سمجھنے لگے ہیں۔ غرضیکہ ان انتظامات کو ہم اپنی بہتری کا موجب خیال کرتے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۰۲)

امیر کے عہد کی برکتیں

[illegible]

اور ہم اپنے بادشاہ پہ جان نثاری سے کبھی ہرگز دریغ نہ کرینگے اور نہ کبھی اطاعت اور فرمانبرداری سے سرتابی کرینگے۔

فقرہ چہارم۔ یہ تہا کہ ہمیں ہرعصہ دوران حکمرانی میں حضور والا کی طرف سے معدلت گستری اور رعیت پروری میں کبھی کسی قسم کی فروگذاشت نہیں ہوئی۔ اور ہم اپنے ملک کی اُس امانت داری کو حضور کے ہاتھ پوری اطمینان اور رضامندی پذیری کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا ہم تمام رعایائے افغانستان عہد و پیمان واثق کرتے ہیں کہ حضور کو اس ملک کا صاحب تاج اور تخت اور خود کو رعیت خدمتگذار اور دین و دولت کا فرمانروا جانتے رہینگے اور اولاد و انجاد حضور کو بھی ہم لوگ اُسی عہدہ و منزلت پر تسلیم کرینگے جس پہ کہ حضور کی طرف سے وہ معین ہونگے۔ ہمیشہ اُنکے رتبہ و درجہ کے مطابق اونکی اطاعت اور خدمتگذاری کیا کرینگے۔ اور اگر کوئی شخص اقوام افغانستان سے خواہ قوم محمدزائی سے ہو یا غیر آن طائفہ داخلی سے ہو یا خارجی سے ہو گمراہ ہو کر خیال بغاوت بھی دل میں لائیگا تو ہم سب دین و ملت کے حکم کے مطابق اُسے باغی جانکر اُسکی سزائے جانی و مالی کو اپنا فرض عین سمجھینگے اور ان تمام اقوال و عہد و پیمان کی بابت ہم خداوند تعالیٰ اور اُسکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضامن دیتے ہیں اور اس عہدنامہ کو براہ منظوری و قبولیت حضور میں پیش کرتے ہیں۔

باغی کی سزا

فقرہ پنجم (اضافہ شدہ) یہ تہا کہ چونکہ استحکام سرحد ملک ہماری احکام دین کے مطابق واجبات سے ہے لہذا اب جبکہ ہماری سلطنت کی حدود مشخص و مرتب ہو گئیں تو اُنکی حفاظت کے لیئے کافی سپاہ بھی لازم ہے۔ پس ہر جگہ کے ۸ مردمان کاری میں سے ایک شخص کو علیحدہ اور فکر معاش سے سبکدوش کرکے وقت ضرورت کے آنے تک مشق قواعد نظامی اور کسب فنون سپاہگری میں مصروف رکہینگے تاکہ جس وقت ضرورت پیش آوے یہہ تمام آدمی اپنے ملک کی حفاظت کے کام آسکیں۔

والنٹیر فوج

چونکہ اِن لوگوں کی تجویز بھی آخر بینی اور دوراندیشی پر مبنی تہی۔ لہذا اُنکے اتفاق و اخلاص سے بہی ہم خوشنود ہوئے۔ اور چونکہ معاہدہ متذکرہ بالا کے تمام خطوط و عرائض جنیرہ ولایت محروس کے باشندوں کی طرف سے (دیکہو صفحہ ۱۰۳)

معلوم ہوا ہے کہ امیر صاحب نے بہ شرائط عہد نامہ کے تہ بہت سی آیات
قرآنی اور حدیثات تائیدی کے ایک تین بالشت چوڑے اور سوا گز لمبے اشتہار

۲۴ ماہ اسد ۱۲۷۵ شمسی مطابق ۷ ربیع الاول ۱۳۱۴ ہجری تک تمام و کمال جمع ہوگئیں اسلئے روز مذکور کو مبارک و سعید سمجھکر ہمنے حکم دیا کہ ہر سال اس تاریخ میں ایک شبانہ روز تمام مملکت افغانستان کے اندر جشن و بزم چراغاں کیجائے اور خوشی منائی جائے اور اس جشن و خوشی کا نام جشن منعقدہ رکھا گیا ہے ۔ ۱۲

اسکی زیادہ تفصیلی کیفیت آمیر شملہ کے سپیدہ اخبار سے نقل کیجاتی ہے ۔ وہو ہذا :۔

بقرعید کے دنوں میں کابل میں ایک عظیم الشان تاریخی یادگار واقعہ پیش آیا کہ جو جناب امیر عبدالرحمن خان صاحب کی ذہانت اور قابلیت کی ایک عجیب مثال ہے ۔ یعنی عید کے روز ایک عالیشان دربار منعقد کیا گیا ۔ اور اسمیں ایک بیش قیمت تمغہ مکلل بجواہرات امیر صاحب کے زیب سینہ کیا گیا ۔ جو ملا علوم صاحب نے پہنایا ۔ تمام ملک کے رؤسا نے اپنی خوشی سے ایک رقم روپیے کی فراہم کرکے یہ تمغہ تیار کرکے اپنی طرف سے امیر صاحب کی خدمت میں ہدیہ کیا ہے ۔ اور امیر صاحب کو خطاب "ضیاء الملت والدین امیر المومنین امیر عبدالرحمن خان والی افغانستان" کا دیا گیا ہے ۔ اسی موقع کی یادگار میں امیر صاحب نے جو سکہ لگایا ہے اسپر بھی یہی کتبہ درج کیا گیا ہے اور اس موقعے پر کئی لاکھ کاپیاں ایک اشتہار کی چھاپ کر شائع کی گئیں ۔ یہ اشتہار تخمیناً تین بالشت چوڑا اور سوا گز لمبا سفید کاغذ پر چھپا ہوا ہے جسکے چوگرد تین انگل طلائی بیل ہے ۔ اسپر بہت سی آیات قرآنی کے بعد مندرجہ ذیل مطالب کی چار شرائط درج ہیں ۔ جنکے نیچے تمام قلمرو افغانستان کے ملایان سرداران رئیسان و رعایا کے دستخط کرائے جا رہے ہیں اور وہ لوگ خدا و رسول کو گواہ اور ضامن رکھکر ان شرائط پر دستخط کر رہے ہیں ۔

جشن قبول خطاب کی تفصیل

اوّل ۔ یہ کہ جو خطاب ہم لوگوں نے امیر صاحب کو دیا ہے ہم ہمیشہ انہیں اسی سے مخاطب کریں گے ۔

دوم :۔ جو حکم امیر صاحب مطابق شریعت اسلام کے صادر کیا کرینگے ہم اسکی اطاعت کرینگے ۔

سوم :۔ کفار ہندوستان یا بخارا جس طرف سے کہ ہمارے ملک پر پیشقدمی کرینگے ہم

پر چھاپ کر کہ جسکے گرد سنہری بیل ہو اُسکی کئی لاکھہ کاپیاں اپنی قلمرو میں شائع کی ہیں۔ اِن اشتہارات کو سوار ونے تمام ملک میں تقسیم کر کے سرہ لوگوں سے دستخط لیے ہیں

لوگ اُن سے غزا کرینگے۔

چہارم۔ ہم امیر عبد الرحمن خاں کو اور انکی نسل سے جو لوگ جانشین ہوں اُنکو بادشاہ سمجھیں گے۔ اولاد سلسلہ پائندہ خاں سے اور کسی کو بادشاہ نہ سمجھیں گے۔

اِن اشتہارات پر سوار تمام ملک میں لیجاکر دستخط کرا رہے ہیں اور لوگ بڑی خوشی سے دستخط کر رہے ہیں۔ کیونکہ جسقدر آسایش اور امن رعایائے افغانستان کو امیر عبد الرحمن خاں کے زمانے میں میسر ہوا ہے کبھی نہیں ہوا۔

اسکے بعد عید قربان کے روز امیر صاحب نے باغ بالا میں نماز گذاری۔ قریب ہزار کے عملہ فعلہ موجود تہا۔ سردار حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں نے شہر کابل میں نماز گذاری جنکے پیچھے قریباً ایک لاکھہ مسلمانوں نے نماز ادا کی اور امیر صاحب کے تخت و بخت کے لئے دعا مانگی۔ بعد ادائے نماز امیر صاحب کے اعزاز میں کابل میں ۲۵ توپیں سر ہوئیں۔ اور ہر دو شہزادگان نے سلام خانے میں ہزاروں روپئے کی شیرینی تقسیم کی۔ سب فوجوں کے منصبداروں اور خان و خوانین کو انواع و اقسام کا کھانا دیا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر دونوں شہزادے مع تمام خوانین اور افسروں کے امیر صاحب کی خدمت میں باغ بالا میں عید مبارک کہنے کے لئے حاضر ہوئے۔ امیر صاحب کو سب نے مبارکباد دی۔ اور امیر صاحب نے بجواب اسکے جو شرح رسانی کا شکر کے مبارکباد دی۔ اور شیرینی اور قند تقسیم ہو کر لوگ کابل کو رخصت ہوئے۔ دوسرے روز امیر صاحب کمپ میں سوار ہو کر قلعہ ہاشم خاں میں جہاں حرم سرائے عالیہ تشریف رکھتے ہیں تشریف لیگئے۔ آٹھہ روز مہمان رہے۔ بعد اسکے کابل میں تشریف لا کر سردار نصر اللہ خاں کے مہمان رہے دوسرے روز سردار حبیب اللہ خان کے مہمان ہوئے۔ ہزار آدمیوں کو کھانا اور شیرینی دیگئی۔ پھر امیر صاحب بہادر ہلنے گھوڑے پر سوار ہو کر ارک کا ملاحظہ کیا اور انقار خانہ میں تشریف فرما ہوئے۔ یہاں سے بوستان سرائے۔ گلستان سرائے گئے (دیکھو صفحہ ۱۰۵)





سردار نصر اللہ خاں

امیر صاحب نے خطاب ضیاء الملت اختیار کرنے کی یادگار میں ایک نیا سکہ بھی مضروب کیا ہے۔ کہ جس پر ایک طرف یہ خطاب اور دوسری طرف کابل کی مسجد منقش ہے۔

انگلستان سے براہ راست تعلق

امیر صاحب کی ایک بہت بڑی آرزو یہ ہے کہ سلطنت افغانستان کو ہر نوع خود مختار کرنے میں کامیابی حاصل ہو۔ اسلیئے وہ اپنا تعلق بجائے انگریزئ ہند سے رکہنے کے براہ راست حضور ملکہ معظمہ انگلستان سے رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ خود بادشاہ ہیں اور اپنے سے کمتر پایہ کے وائسرائے سے تعلق رکہنا انہیں گوارا نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیئے لنڈن کا سفر مناسب سمجھا مگر آخر بجائے اپنے اپنے منجھلے بیٹے شہزادہ نصر اللہ خاں کو معہ معقول خدم وحشم کے لندن کو روانہ کیا۔ لنڈن کے اخبارات اور رعایا اور حکام نے بڑی گرمجوشی سے انہیں مرحبا کہا اور انہیں ہر طرح خوش کرنے کی کوشش کی۔ اور شہزادہ نصر اللہ خان نے بھی اپنی قابلیت سے ہر امر کا برتاؤ کیا کہ لوگ انکی تدبیر اور دانش کو بلا ساختہ "الولد سر لابیہ" کہکر تعبیر کرتے تھے۔

بلش نصر اللہ [illegible] لندن میں [illegible]

جون ۱۸۹۵ء کو شہر لنڈن کیطرف سے گلڈ ہال میں انکو مرحبا کہنے کے لیئے لنڈن کے لارڈ میئر نے ایک عظیم الشان جلسہ کیا۔ اور ایک مرحبائی ایڈریس لنڈن کارپوریشن کیطرف سے ایک مجسم طلائی صندوقچہ میں رکھکے شہزادہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ غرض اس نوجوان شاہی مہمان کی شاہانہ مدارات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا تھا۔ امیر صاحب نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا تھا کہ اثنائے سفر میں شہزادہ نصر اللہ خاں سے ایسی مدارات کیجاوے جسطرح کہ

[illegible]

اور مہمان خانہ جدید کی جس پر بہت خرچ ہوا ہے سیر کی۔ پہر گبھی پر سوار ہو کر باغ [illegible] کو تشریف لیگئے۔ شیخ محمد حسن جدید الاسلام کا بیان ہے کہ بیٹھے ویسی حالت میں امیر صاحب کو آٹھ سال کے بعد جبکہ ترکستان سے آتے تھے اب گھوڑے پر سوار دیکھا۔ کیونکہ وجہ بیماری کے آپ گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے۔

کسی دوسرے تاجدار مہمان سی کیجاتی ہے۔ اور اُسے شاہی القاب و آداب سے مخاطب کیا جاوے۔ چنانچہ تمام ولایت کے اخبارات انہیں برابر "ہز ہائینس دی پرنس" کہکر پکارتے رہے ہیں۔ امیر صاحب نے اپنی طرف سے شہزادہ کے سفر کے لیئے اخراجات سفر کا فیاضی سے تخمینہ کیا تہا۔ اور شہزادہ صاحب نے اس امر کے ثبوت میں لنڈن میں فیاضی کے ساتھہ کوئلیم صاحب کی مسلم انسٹیٹیوٹ اور لائیٹنر صاحب کی مسجد کے لیئے چندے دیئے۔ تاہم مہمانداری اور سفر کے اخراجات گورنمنٹ انگریزی کے ذمہ تہے۔

شہزادہ نصر اللہ خاں نے اپنے ایام انگلستان میں حضور ملک معظم قیصر ہند سے بمراتب ملاقات کی۔ اور پرنس آف ویلز اور شاہی خاندان کے دیگر ارکین نے اُنکی اسقدر خاطر و مدارات کی کہ اخبارات میں شائع ہونے لگا کہ پرنس آف ویلز شاہزادہ کے ساتھہ نماز میں شریک ہوتے ہیں۔ اور صاحب وزیر اعظم انگلستان اور سکرٹری آف سٹیٹ ہند جب ملاقات کو جاتے ہیں تو اُنہیں گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ شہزادہ صاحب نے انگلستان کے کئی مقامات کی سیر کی۔ اور مختلف کلیں کارخانے صنعت و حرفت کے دیکھے۔ توقع کیجاتی ہے کہ ان جدید تحقیق کی تجربات سے کابل میں بہت جلد فائدہ اُٹھایا جاویگا۔ بلکہ برقی روشنی جاری کرنے کا معاملہ تو خیال کیا جاتا ہے کہ ابہی سے امیر صاحب کے زیر تجویز ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے امیر صاحب نے ابتک اپنا ولیعہد نامزد نہیں کیا تہا۔ اسلیئے بعض لوگ امیر صاحب کے شہزادہ حبیب اللہ خاں کے سفر انگلستان پر روانہ نہ کرنے کو بہی اسی حکمت عملی سے منسوب کرتے ہیں۔ انکا خیال ہے کہ شہزادہ حبیب اللہ خاں کو جو درجہ امیر صاحب کا بڑا بیٹا ہونیکا حاصل ہے اور اسکے مطابق وہ امور ریاست ہہی قابلیت سے انجام دے رہے ہیں۔ اگر امیر صاحب انہیں کو سفارت انگلستان کے لیئے بہیجے نامزد کرتے تو اُنکے دعاوی ولیعہدی کے بہت مضبوط

پرنس کی شاہی مدارات

ہو جاتے۔ اور شاید حرم سے اُنہیں ناخوشی کا خیال پیدا ہوتا۔

شہزادہ حبیب اللہ خاں کی زبان میں کسیقدر لکنت ہے۔ بچپن میں انہیں ہر خوبانی کی کوشش کیگئی تھی کہ جسکا یہ اثر ابھی باقی ہے۔ شہزادہ نصر اللہ خاں اپنے بڑے بھائی کی طرح جسیم نہیں۔ اور نہ اسکی طرح ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔

ہر چند کہ جناب امیر صاحب کی خدمت میں حضور ملکہ معظمہ نے دعوت انگلستان کے لیئے ایک دستخطی چٹھی آنریبل مسٹر کرزن کے ہاتھ لکھکر روانہ کی تھی جو سنہ ۱۸۹۵ء میں کابل میں گئے تھے لیکن در اصل سفر انگلستان کے ارادہ کا اظہار شروع میں امیر صاحب کی طرف سے ہوا تھا کیونکہ جیسا کہ پیشتر بیان کیا جا چکا ہے آنکا مدت سے خیال ہے کہ افغانستان کے تعلقات براہ راست انگلستان سے ہو جاویں اور دربار ہندوستان کی وساطت کا سلسلہ بیچ میں سے اُٹھہ جاوے۔ اور اسی ارادہ کی تکمیل کیلئے وہ خود انگلستان جاکر تصفیہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن یا تو بوجہ علالت طبع اور یا باندیشہ کسرشان جیسا کہ اُس زمانہ میں عام خیال تھا امیر صاحب خود تو عازم انگلستان نہ ہوئے۔ مگر شہزادہ نصر اللہ خاں کے سفر کا ایک ضروری مقصد یہہ بھی قرار دیدیا کہ وہ ہزمجسٹی ملکہ انگلستان و قیصرہ ہند سے امیر صاحب بالقابہ کے نام سے خواہش ظاہر کریں کہ جسطرح دیگر دول مختار کے سفیر دربار برطانیہ میں مقرر ہیں ویسے ہی افغانستان کے سفیر کو بھی دربار سینٹ جیمس میں تعینات ہونے کی عزت بخشی جاوے۔ بہر حال شہزادہ صاحب نے ایک نہایت بیش قیمت طلائی صندوقچہ[1] میں امیر صاحب کا مراسلہ ملکہ معظمہ کی حضور میں پیش کیا مگر افسوس

افغان سفیر و سینٹ جیمس

[1] ۔ جولائی ۱۸۹۵ء کے لیڈیز پکٹوریل نامی اخبار سے اُس صندوقچہ کی تصویر لیگئی ہے اور وہیں سے اِس بیش قیمت صندوقچہ کے کچھہ حالات لیئے جاتے ہیں۔ امیر صاحب کے ایجنٹ مسٹر [illegible] نے انگلستان کے کارخانہ ایلکنگٹن و کمپنی لمیٹڈ سے اس پُر تکلف ہدیہ کو تین ہفتہ
(دیکھو صفحہ ۱۰۸)

ہے کہ ہرچند کہ انگلستان میں انکی عزت اور توقیر میں کوئی وقیقہ نہ اُٹھا رکھا گیا تھا۔ مگر امیر صاحب کی اِس آرزو کو پورا کرنے میں تامل کیا گیا۔ اور بالواسطہ امیر صاحب کو جتلایا گیا کہ براہ راست انگلستان سی تعلق پیدا ہو جانے سے جو عزت یا درجہ سلطنت افغانستان کو حاصل ہوگا وہ ابھی انگلستان کو اسکو دینا منظور نہیں ہے اِس وقت امیر صاحب کے تعلقات بجائے گورنمنٹ ہند سے جاری رہنے کے گورنمنٹ انگلستان سے قایم کرنے کے متعلق مسٹر ای کے رابنسن نے رسالہ فارٹنائیٹلی ریویو میں ایک بہت اچھا مضمون لکھا تہا۔ اسکا خلاصہ یہ تھا کہ جب سے لارڈ لینسڈون وائسرائے ہند نے امیر صاحب کے افغان ترکستان کی بغاوت کو انواع و اقسام کے ظلم کے ساتھ فرو کرنے پر اعتراض کیا تھا امیر صاحب گورنمنٹ ہند سے ناراض ہیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ بجائے ایک اپنے سے چھوٹے نائب السلطنت سی تعلقات دوستانہ رکھنے کی اپنے سے بڑے شہنشاہ سے رکھیں۔ یہہ انکی مدت کی آرزو ہی۔ اور اپنی سلطنت کو خودمختار بنانے کے لیئے اِس آرزو کے برآنے کے وہ بہت خواہشمند ہیں

افغانستان بحیثیت خودمختار سلطنت بنجائے گا

(۱) تخت امیر صاحب

کے اندر تیار کرایا کہ جس سے بڑا اور بیش قیمت صندوقچہ ہیرے کے لیئے کبھی تیار نہیں ہوا۔ اسکا طول ۱۹ انچ عرض ۱۳¼ انچ۔ اور ارتفاع ۴¼ انچ اور شکل میں مستطیل مثمن ہے۔ خالص سونے کا کثرت سی قیمتی جواہرات سی آسودہ ہی۔ چار کونوں پر چار نیم ستارے ہیں صرف انمیں سے ہر ایک میں ۸۰ خوبصورتی سے کاٹے ہوئے جواہرات نصب ہیں۔ اور سرے پر جو چہہ ہلال نظر آتے ہیں انمیں سے ہر ایک میں ۴۲۰۴۴ ہیرے لگے ہوئے ہیں۔ سب کے اوپر افغانستان کا اول درجہ ۱۲ اگوشہ کا دوالاجواہر نگار ستارہ نصب ہی جسکا قطر ۴ ۳/۴ انچ ہے صرف اِس ستارہ کے گرد ۱۴۰ بیش قیمت ہیرے جڑے ہوئے ہیں اور انکے مرکز میں جو بہت بڑا بے عیب ہیرا تین چوتھائی انچ چوڑا ہے صرف اسکی قیمت لندن کے جوہری ڈیڑھ ہزار پونڈ بتلاتے ہیں صرف اِس تحفہ پر امیر صاحب کا چہہ ہزار پونڈ یا ایک لاکہہ روپیہ سی زیادہ خرچ آیا تھا۔

جبکہ سر سالٹر پائین نے شملہ میں پہنچکر امیر صاحب کے ارادہ سے اطلاع دی تو سر ہنری مارٹیمر ڈیورینڈ کابل پہنچے اور ملکہ معظمہ کیجانب سے امیر صاحب کی خدمت میں دعوت کا پیغام پہنچایا۔ امیر صاحب نے اس کامیابی کو اپنی کوشش کا پہلا پھل تسلیم کیا اور اپنے بیٹے کو مکمل ہدایات دیں کہ لنڈن میں افغان سفارت قایم کرنے پر پورا زور دے مگر اسمیں اسکو کامیابی نہوئی اور وہ لنڈن سے ناخوش واپس آیا۔ مسٹر مارٹین کی رائے میں افغانستان کو بھی لنڈن میں سفارت قایم کرنیکا ویسا ہی حق حاصل ہے جیسا کہ ایران کو ہے۔ اور اب چونکہ سلطنت افغانستان بہت وسیع ہو گئی ہے اسکے سوائے کوئی چارہ نہیں ہے کہ اس سے یہ رعایت مرعی رکھی جائیگی۔

امیر صاحب کے تحائف بخدمت قیصرہ ہند

جب شہزادہ نصر اللہ خاں ولایت سے واپس آئے تو اس سے عمدہ برتاو کرنے کی شکر گذاری میں امیر صاحب نے حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی خدمت میں بہت بیش قیمت تحائف کئی لاکھ روپیہ قیمت کے ارسال کیئے۔ اسکے جواب میں انگلستان سے امیر صاحب کی خدمت میں ایک ایسی شاہی گاڑی کہ جسپر حضور ملکہ معظمہ شاہی جلوس کے موقعوں پر سوار ہوکر نکلا کرتی ہیں اور شاہی خاندان کی تصویروں کا مجموعہ اور چائے نوشی کا نقرئی سامان پہنچا۔ امیر صاحب کا مقولہ ہمیشہ سب سے اعلیٰ رہا ہے اور تحائف دینے میں بھی وہ ہمیشہ اسکو مدنظر رکھتے ہیں۔

وہ بڑے بڑے پولیٹیکل کام جو امیر عبدالرحمن خاں کی زندگی میں طے ہوئے کافرستان کا سر کرنا بھی انمیں سے ایک اہم کام ہے۔ یہہ ملک جو وسط ایشیا میں سینکڑوں برس سے ایسا محفوظ چلا آیا ہے کہ کوئی مسلمان سلطان یا فاتح وہاں نہیں گھسا اور نہ کسی نے اس قوم کو فتح کیا ہے۔ آخر اسکی قسمت میں امیر عبدالرحمن خاں کے ہاتھ سے فتح ہو کر سلطنت افغانستان کا ایک صوبہ بننا لکھا تھا۔ جب اوائل ۱۸۹۶ء میں ہندوستان اور انگلستان میں امیر صاحب کے اس ارادہ کی خبر

پہونچی تو عیسائیوں اور بعض ہندؤں نے اسپر بڑی ناراضگی ظاہر کی کہ کافروں کو
فتح کرکے کیوں جبراً مسلمان کیا جاتا ہے۔ انگلستان کی عیسائی گورنمنٹ خود اس جرم
کا ذریعہ سمجھی جائیگی۔ وہ بیچارے بے ضرر اور امن پسند لوگ ہیں جو ظالم افغانوں
سے دبک کر ایک کونے میں اپنے سنگلاخ اور دشوار گذار مکانات میں پڑے ہیں؛

فتح کافرستان پر امیر صاحب سے ناراضگی؛

انگلستان میں ایک سوسائٹی دنیا کی قدیم قوموں کی نسلیں معدوم نہ ہونے دینے
کی ذمہ وار ہے۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ کافر لوگوں پر امیر صاحب نے مہم اٹھائی
کی ہے۔ اور یہہ ایک نہایت قدیم قوم اس خطہ ملک میں زمانہ دراز سے آباد
ہے کہ جسنے اپنا مذہب اور رسم و رواج تبدیل نہیں کیئے۔ اسکے علاوہ بعض محققوں
کا یہہ بھی خیال ہے کہ سیاہ پوش کافر اسی نسل سے نکلے ہوئے معلوم ہوتے
ہیں کہ جس سے انگریز ہیں۔ کیونکہ کافرستان کے باشندے بھی بہت صاف سفید
رنگ کے ہوتے ہیں اور انکی آنکھیں بھی نیلگون انیگلو سکسن اقوام کی طرح ہیں
تو ان لوگوں نے گورنمنٹ ہندوستان کو بہت سخت سست کہا کہ کیوں
امیر عبدالرحمن کو ان کافروں پر مہم بھیجکر انھیں فتح کرنے اور مسلمان کرنے
کی اجازت دیگئی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ معاملہ ڈیورینڈ
مشن کے مطابق کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرسکتی تھی۔ اور ساتھ ہی امیر
صاحب کی غرض اس مہم سے کافرستان کا فتح کرنا اور وہاں کے باشندوں
کو جبراً مسلمان کرنا نہیں تھا جنوری ۱۸۹۶ء میں مسٹر اسٹرائین نے بیان کیا کہ امیر صاحب
کی غرض اس مہم سے صرف یہہ ہے کہ چونکہ خطہ کافرستان بڑا سرسبز اور زرخیز
ہے۔ امیر صاحب اُسے افغانستان کے لیئے تجارت کے واسطے کھولنا چاہتے
ہیں۔ اور وہاں کے لوگوں کا اہل افغانستان سے ربط و ضبط بڑھانا چاہتے
ہیں۔ اور اس کام کے لیئے کچھہ کافر افغانستان کے بعض مواضع کے ملکیا

امیر صاحب کے وجوہات فتح کافرستان کے متعلق

میں تقسیم کیئے گئے ہیں کہ وہیں انہیں کاشتکاری کے طریقے سکھلائیں اور دین اسلام
کی بھی تعلیم دیں۔ تاکہ یہہ لوگ اپنی ہمقوموں میں جاکر مثال قایم کریں۔

اسکے علاوہ امیر صاحب کے ایک سرسے ملازم یورپین لیڈی ڈاکٹر مس ہملٹن
نے اخبار لنڈن ٹائمز میں ایک چٹھی امیر صاحب کے کافرستان فتح کرنے کے ارادوں کے
متعلق چھپوائی تھی۔ اس دلچسپ چٹھی کا اکثر حصہ نقل کرنا مناسب ہے۔ وھو ہذا۔ امیر صاحب
کہتے ہیں کہ شاید تمکو تعجب ہوا ہوگا کہ میں نے اس حملہ کافرستان کے لیئے موسم سرما کیوں
مقرر کیا۔ اس کارروائی کے عمل میں لانے کی بہت سی وجہیں ہیں اگر میں نے موسم
گرما میں کافرستان پر چڑھائی کرنیکا حکم دیا ہوتا تو اس زمانہ میں جبکہ راستے
کھلے ہوتے ہیں انکے اور میرے افغانی سپاہیوں کی بھی ایک بہت بڑی تعداد
کام آجاتی اور بہت سے لوگ روس کو بھاگ جاتے جہاں انکے ساتھ بڑی مہربانی
کا برتاؤ کیا جاتا۔ آخر میں وہ فوج روس میں داخل کرلیئے جاتے اور اسکو پیش
قدمی کے لیئے رہبروں کی ایک جماعت مل جاتی۔ جنکے ذریعہ سے روسیوں کو
کافرستان کے فتح کرنے میں مدد ملتی اور اس صورت میں بھی یہ ممکن تھا کہ گورنمنٹ
روس اور کافروں کے درمیان کوئی عہدنامہ ہو جاتا اور اگر اس عہدنامہ
کے ذریعہ سے ان کافروں کو مخفی طور پر اس بات کی مدد ملتی کہ وہ اپنے ملک
کو دوبارہ فتح کرلیں تو اسکے معاوضہ میں وہ اپنے آپکو روسیوں کی حمایت
میں سپرد کردیتے اور پولیٹکل طریقہ کے موافق یہ کارروائی سمجھی جاسکتی تھی کہ
روسیوں کی اطاعت قبول کرلیں میں خود اس بہادر اور قدیمی گو نہایت
ہی مفلس قوم کا بڑا معترف ہوں اور میری خواہش سب سے زیادہ
یہ تھی کہ جہانتک ممکن ہو اس قوم کے لوگ بہت کم ہلاک ہوں اور بہادر ہونے
پائیں میں جانتا ہوں کہ انکو اپنی وفادار عقیدہ مند رعایا میں داخل کرلوں

خود کافروں کی اسمیں بہتری ہے

کیونکہ وہ نہایت عمدہ سپاہی بن سکتے ہیں جو اپنی جانوں کو عزیز نہ کرینگے اور مرتے
دم تک وفاداری کا دم بہرتے جائیں گے اور اُنمیں ایسے ذی علم لوگ بہی پیدا
ہو جائیں گے جو میرے کل ملک کو مدد پہنچائیں گے اور اِس غرض سے کہ کچھہ عرصہ تک
وہ میری ہی آنکھوں کے سامنے رہیں اور بغاوت نہ کرنے پائیں جس سے میں اُنپر
سختی کرنے کو مجبور ہو جاؤں۔ مینے اقرار کیا ہے کہ افغانستان کے گردونواح کا ملک جسکے
ایک حصہ پر اِس وقت ہزارہ فرقہ کے لوگوں کا قبضہ پایا جاتا ہے اُنکے حوالہ کردوں
یہاں پہاڑ اور دریا کثرت سے موجود ہیں جن سے وہ بہت خوش ہونگے کہ
جنکے وہ ہمیشہ عادی رہتے آئے ہیں اور اِس مقام کی آب و ہوا بھی کافرستان
ہی کے مشابہ پائی جاتی ہے۔ اِن لوگوں کے لیئے یہ بات دشوار ہے کہ مفید مقام پہ
اور کابل ایسے ایک گنجان شہر میں رہ سکیں اور وہاں کی بدبو کو برداشت
کرسکیں اور یہاں ہزارہ فرقہ کے جو لوگ آباد ہیں اُنکی نسبت میرا ارادہ یہہ ہو گیا
ہے کہ اُنکا اصلی ملک جو غزنی کے قریب واقع ہے پہر اُنکے حوالہ کردیا جائے کیونکہ
اُسکے لیئے وہ کئی مرتبہ عرضیاں دیچکے ہیں اور وہ ملک خالی پڑا ہوا ہے اور اِس
طور پر یہہ تبدیلی انتظام سب کی خوشی کا باعث ہوگی۔ افغانستان میں یہہ نیئے
لوگ جاکر آباد ہونگے اُنکی نسبت میرا ارادہ ہے کہ اُنکو بحیثیت ایک جُداگانہ فرقہ
کے آباد رکھوں۔ اُنمیں سے بارہ ہزار آدمیوں کے قریب تو میں اپنی فوج کے
سپاہیوں کے طور پر بہرتی کرلونگا اور اُنکے اطفال کو مکتبوں میں تعلیم دیجائیگی
تاکہ آخرکار وہ کچہریوں وغیرہ میں ملازم ہوسکیں۔ اِسکے سوا اور کسی طرح پر
اُنکے امور میں دست اندازی نہ ہوگی نہ تو اُنکی عورتیں اور نہ بچے لونڈی غلام
کے طور پر فروخت کیئے جائینگے۔ گو اُنکی قیمت کیسی ہی گراں کیوں نہ لگائی جائے
لیکن اگر وہ خود میری دوسری رعایا کے لوگوں سے شادی بیاہ کرنا چاہینگے

تو شریعت اسلامیہ کے مطابق انکی شادی بیاہ ہونے میں مانع نہ ہوگا۔
اصل یہ ہے کہ پغمان میں انکو اسی طرح کی آزادی رہیگی جیسی انکے خاص
وطن میں انکو حاصل تھی اور جس ملک کو انہوں نے خالی کیا ہے۔ اسپر قرب وجوار
کے افغانی جرگے قابض ہو جائیں گے۔ جنکو فوجی خدمات کے معاوضہ میں اراضی
دیجائے گی۔ کولوم میں ایک چھاؤنی علاوہ سیگذینوں کے قائم کرونگا۔ وہاں تیاری
اسلحہ کا بھی ایک چھوٹا سا کارخانہ جاری کیا جائیگا۔ کیونکہ قرب وجوار میں درخت
بہت کثرت سے موجود ہیں جنکی لکڑی کارخانہ مذکور کے ایندھن میں کام
آسکتی ہے۔ کافرستان کی دوسری جانب واخان اور پامیر کے سامنے مناسب
قلعجات تعمیر کئے جائیں گے۔ تاکہ بعوض اسکے کہ یہ مقام کمزور خیال کیا جائے وہ
اس قابل ہو جائیگا کہ دلیرسے دلیر غنیم کا اچھی طرح سے مقابلہ کر سکیگا۔ لیکن فتح
کافرستان سے بہت بڑا فائدہ افغانستان کو یہ حاصل ہوگا کہ جلال آباد
کابل پنج شیر بوزبان وغیرہ سے پامیر اور بدخشاں جانیکا بہت ہی سیدھا
راستہ کافرستان میں ہو کر نکل آئیگا۔ بعض صورتوں میں تو نصف مسافت
کی کفایت ہو جائے گی۔ اور اس صورت میں شمالی سرحدات کو فوجیں بڑی
عجلت کے ساتھہ روانہ ہو سکیں گی۔ علاوہ بریں بالعوض اس امر کے جو اس وقت
پایا جاتا تہا کہ ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے مابین ایک ایسا فرقہ جو اپنا
دوست نہو آباد رہتا اب ایسے افغانی سپاہی وہاں موجود رہیں گے جنکی فطرتی
خواہش یہ ہوگی کہ روسیوں کی حملہ کی صورت میں اپنے وطن اور ملک کو محفوظ
رکھیں گے۔

فتح کافرستان سے افغانستان کا فائدہ

امیر صاحب نے جس دور اندیشی اور مصلحت سے کافرستان کو زیر کیا ہے
اسکی حقیقت تو دو انگریز گواہوں کے اظہارات سے کہل گئی۔ ان حالات کو

دیکھکر امید نہیں کہ کوئی معترض اب امیر صاحب کی اس حکمت عملی پر اعتراض کرسکے کہ اُنھوں نے کافروں کو بلاضرورت مطیع کیا۔ یا انہیں صرف غلام اور مسلمان بنانے کی غرض سے تابع کیا ہی۔ اب صرف ایک اعتراض معترضین کا باقی رہگیا ہے کہ امن پسند کافروں کو خواہ مخواہ مصیبت اور تباہی کا شکار بنایا گیا۔ اسکا جواب بھی میں ایک انگریز مصنف ہی کی زبان سے دینا چاہتا ہوں ہندوستان کے اخبار پڑھنے والے لوگ ناواقف نہیں ہونگے کہ ایک صاحب ڈاکٹر رابرٹسن جو بعد میں اپنے چترال کی خدمات کے صلہ میں سر جارج رابرٹسن بنائے گئے ہیں۔ مدت تک کافرستان میں رہے ہیں۔ اور در اصل یہی ایک انگریز شخص ہی جو کافرستان کی وسط تک جا سکا ہی۔ کافرستان کے حالات بجز اِن کے معتبر شہادت ملنا مشکل ہے۔ انھوں نے حال میں ایک کتاب لکھی ہی جسمیں ثابت کیا ہی کہ کافرستان سے جو سلوک امیر صاحب نے کیا ہی وہ نہایت مستحسن ہی۔ کافر لوگ بڑے شریر شقی اور قاتل ہوتے ہیں۔ اُنکے اپنے لفظ یہہ ہیں:۔

کافروں کے خصایل

”کافر بھولوٹن کا بادشاہ ہے اور ایسے جھوٹ کو جسمیں کامیابی حاصل ہو ایک ہنر تصور کرتا ہے۔ اُسکو آزادی سے الفت ہی۔ مگر اپنے گھروں میں غلام رکھتا ہی اور مسلمانوں کو قتل کرتا داخل اصول سمجھتا ہے۔“

اِسکے قیافہ کی نسبت سر جارج رابرٹسن لکھتے ہیں:۔

”اُسکا چہرہ آرین طرز کا ہی اور اُسکی رنگت بہت کھلی ہوئی نہیں ہی۔ عورتیں پست قد بدصورت اور قوی ہیکل ہوتی ہیں“ بحالیکہ اِس سے پیشتر کافر عورتوں کو خوبصورت بیان کرکے یہی وجہ اُنکے غلام بنانے کی بتلائی جاتی تھی۔ مصنف کا بیان ہی کہ مجھے ایک کافر سے ملاقات تھی وہ ہمیشہ فخریہ کہا کرتا تھا کہ میںنے اپنے ہاتھ سے تقریباً سو شخصوں کو مارا ہے جسمیں خاصکر ناچار عورتیں اور بچے

تھے - ایک دوسرے کافر نے سر جارج کو یقین دلایا تھا کہ گل کافر چور اور قزاق ہوتے
ہیں - اب اُن خطرات کی ایک مثال بیان کرتا ہوں جو سر جارج کو اپنی سفر میں [illegible]
کرنے پڑے - وہ لکھتے ہیں :-

"ہمیں اور مڈوگل یا موسن فرقہ کے کافروں کے ایک جرگہ سے جو ایک شخص ہو سٹر
مسمی بہادر کی سرگروہی میں سفر کر رہے تھے - مڈبھیڑ ہو گئی - بہادر مزاج کا بڑا
سخت تھا - گردیش کے قریب جہاں میں ایک چھوٹے جھونپڑے میں مقیم تھا بہادر
میرے کمرے میں گھس آیا اور میں سب کچھ کھا گیا مگر اُسنے جانے سے انکار کیا - آخر ملنے سنگ
دھکیل کر باہر نکالدیا - وہ اُس وقت بڑبڑاتا ہوا چلا گیا - لیکن جب ہم درہ پار
سے گذر رہے تھے تو بہادر کے کئی شخصوں نے مجھکو پکڑ لیا اور میرے پٹھان ملازم
کی طرف غرائے اور انمیں سے ایک نے جلدی سے اپنی زہری کمان میری طرف کر دی
اور چلا کر کہا "بناٹ گاٹس" یعنی ہمکو نذر دو - حالانکہ میرا پٹھان سپاہی نہتھا تھا
لیکن وہ یکبارگی کافر پہ ٹوٹ پڑا گو میں اُسکے نیچے سے چھوٹ گیا لیکن میں اُسکے
سامنے چلا آیا اور ایسی صورت اختیار کی گویا میں اُسکے سوال کا مطلب نہیں سمجھا
اور دل لگی دل لگی میں میں نے ا   اُسکی کلائی پکڑ لی اور زور سے پہاڑ
کیطرف دھکیل دیا - وہ اور دوسرے شخص مجھکو ہنستے ہوئے دیکھا کئے اور ہم
جلدی جلدی قدم بڑھائے چلے گئے حتی کہ اُس مقام پر پہونچے جہاں بہادر
کھڑا تھا اور اُسکو فوراً پکڑ لیا اور کہا کہ کھانا لاؤ - اُسنے مجھکو کھانا لاکر دیا لیکن
کہتا تھا کہ اگر ہم تم ایک ساتھ کھانا نہ کھاتے تو نہ معلوم تمپر آج کیا مصیبت نازل
ہوتی - اسکے بعد اُسنے غرور کے ساتھ بیان کیا کہ میں نے بیشمار آدمی اپنے ہاتھ سے مارے ہیں"
جبکہ کافر سچ مچ کے کافر تھے اور قتل اور سنگدلی اُنکا شعار تھا - دنیا کی شائستگی
سے وہ کوئی حصہ نہ رکھتے تھے - سلطنت افغانستان کے لیئے باعث خطر تھے -

ان حالات میں اگر امیر صاحب نے انہیں ایسے طور پر فتح کر کے کہ جہانتک ہوسکا انکے بہت کم آدمی مرنے دیئے اپنے تابع کر لیا تو کونسا برا کام کیا۔ بلکہ محبان بنی نوع انسان کو امیر صاحب کی اس خدمت نوع انسان اور اشاعت تہذیب کے لیئے انکا مشکور ہونا چاہیئے۔ کافرستان کی فتح کا بیان کبھی مکمل نہیں ہوسکتا۔ جبتک کہ اس مہم کے کارناموں کی تفصیل نہ لکھی جاوے۔ جو امیر صاحب کی نامور جنرل سالار غلام حیدر خاں[۱] کی سرکردگی سے کافرستان کو سر کر چکی ہیں لیکن اس مختصر کتاب میں اس تفصیل کی گنجایش نہیں۔

جنگ چترال

امیر صاحب کے حالات سے جنگ چترال کو ظاہر کوئی تعلق نہیں لیکن چونکہ ان تمام سرحدی ریاستوں پر امیر صاحب اور انکے آبا و اجداد کا رسوخ ہمیشہ سے چلا آتا ہے اسلیئے کوئی ایسا سرحدی واقع پیش نہیں آسکتا۔ کہ جس سے امیر صاحب کم و بیش متاثر نہوں شیر افضل خاں نے امیر صاحب کی قید سے بھاگ کر چترال پر قبضہ کر لیا تہا اور عمرا خاں نے اسکی حمایت کی تہی اسپر سرکار انگریزی انیس ہزار فوج کی جمعیت کے ساتھ حملہ آور ہوئی اور کئی لاکھ روپیہ خرچ ہوگیا۔ مگر عمرا خاں بہاگ کر امیر صاحب کی حمایت میں چلا گیا۔ اور گو امیر

---

(۱) سپہ سالار غلام حیدر خاں چرخی۔ یہ وادی لوگر کے ایک گاؤں چرخ نامی کا رہنے والا ہے۔ اسکا خاندان یوسف زئی ہے۔ آکر لوگر میں اقامت گزین ہوا تھا۔ امیر شیر علیخاں کے عہد میں اسی منصب سپہ سالاری ملا۔ ۲۱ نومبر ۱۸۷۸ء کو اسنے علی مسجد میں انگریزی فوج کا مقابلہ کیا تہا جب عبد الرحمن خاں امیر کابل ہوئے تو یہ انکے دربار میں حاضر ہوگیا۔ ۱۸۸۵ء میں امیر کے ساتھ راولپنڈی آیا تہا۔ تب سے یہ جلال آباد کا گورنر ہے۔ اسی حیثیت سے اسنے سرحد ہندی سکے تصفیہ کے علاوہ کونار کے شنواریوں کی تادیب کی نیز کافرستان کو فتح کیا۔

(۲) سپہ سالار غلام حیدر خاں اورکزئی جو پست قد ہونیکی وجہ سے لنڈا ہی کے نام سے افغانستان میں مشہور ہے۔ ایک بہادر سپاہی ہے۔ اور شنواریوں کی لڑائی میں اسنے اچھی داد شجاعت دی تہی۔ ۱۸۸۸ء میں اسنے غزنی گہاک میں اسحاق خاں کے لشکر کو شکست دیکر منتشر کر دیا۔ علاوہ بریں شمالی ہزارہ کا ملک بہی اسی نے فتح کیا ہے۔ یہ امیر کا ایک نہایت عقیدت کیش افسر ہے۔

(۳) جنرل غلام حیدر خاں توخی۔ یہ غلزئی فرقہ کا شخص ہے۔ امیر شیر علیخاں کے وقت میں سپہ سالار تہا۔ مگر اب بلوچستان میں پناہ گزین ہے۔

(۴) جنرل غلام حیدر خاں [illegible] امیر شیر علیخاں کے وقت میں مزار شریف کا جنرل تہا۔ جب نومبر ۱۸۸۰ء میں امیر عبد الرحمن خاں سمرقند سے روانہ ہوگئے اور دریائے آکسس کو عبور کر کے بدخشاں پہنچے تو انہیں ایام میں اس نے امیر کے ایک بھتیجے کو جو اسکی ملاقات کے لیئے آیا تہا۔ مار ڈالا۔ اور خود بخارا بھاگ گیا۔ جہاں وہ ابتک امیر بخارا کا ملازم ہے۔ امیر صاحب نے [illegible] اگر اب وہ افغانستان میں واپس لوٹ آنے کو [illegible] پسند نہیں کیا۔

صاحب سے سرکار انگریزی نے اسکو مانگا۔ لیکن امیر صاحب نے سرکار انگریزی کی خواہش کے
عمرا خاں کو سپرد نہ کیا۔ بلکہ بڑی عزت کے ساتھ اپنے پاس رکھا اور نیز کبھی
یہہ بہی سننے میں آتا ہے کہ اُسے کافرستان یا کسی دوسرے صوبہ کی گورنری
بہی سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ وزیرستان میں ملا پاوندہ کی ترغیب سے معلوم کسقدر
انگریزوں کے سر کٹ گئے تہے۔ اور اسکے بعد حال کے ہندووں کے فساد میں کیا نقصان
کیا ہے امیر صاحب نے اُسکے سر کے لیئے انعام مقرر کیا ہوا تہا۔ لیکن جب ملا پاوندہ
ایک سو ملاؤں کے گروہ کے ساتھ قرآن مجید ہاتھ میں لیکر امیر حبیب اللہ خاں
ضیاء الملت والدین اختیار کرنے کے موقعہ پر پیار کیا و دیئے گیا تو انہوں نے
عزت کے ساتھ اسکو مہمان رکھا۔ اور اسکی مالی مدد بہی کی۔ اسکے بعد حال ہی
میں جنرل غلام حیدر خاں نے سرحد باجور کے ایک ایسے مقام پر قبضہ کر لیا جو
بموجب معاہدہ ڈیورنڈ کمیشن کے انگریزی حلقہ رسوخ میں پڑتا تہا تو امیر
گورنمنٹ انگریزی چوکنی ہوئی۔ پہلے تو اندیشہ تازہ مشکلات پیش آنیکا
ہوا تہا۔ مگر بعد بہت سی قیل وقال کے انگریزی کمیشن مقام متنازع کے
فیصلے کے لیئے سرحد افغانستان پر پہونچی۔ امیر صاحب کی طرف سے جنرل
غلام حیدر خاں مختار تہے۔ دو چار روز کی سرگوشی کے بعد کمیشن واپس آگئی
اور ہندوستان کے نیم سرکاری اخبارات نے لکھدیا کہ فیصلہ حسب دلخواہ ہو گیا لیکن
سرحد کی خبروں سے معلوم ہوا کہ حسب دلخواہ سے مراد امیر صاحب کی حسب دلخواہ
ہوگی۔ کیونکہ امیر صاحب نے اس موقع پر نرمی اختیار کرنے کی پالیسی کو اختیار کیا تہا
اور انکے وکیل نے کہا تہا کہ جبکہ سرکار انگریزی اتنی دوستی کا دعویٰ
کرتی ہے تو ایک ذرہ سی غلطی جو معاہدہ ڈیورنڈ مشن کے متعلق چہوٹے
سے علاقہ کی ہوگئی ہے۔ اسکو نظر انداز کردے۔ اس علاقہ کی قوم میں کیا

ملا پاوندہ

ایک اور رکہتی سمجھہ گئی

کہینگی کہ مسلمان امیر نے مسلمانوں کو فرنگیوں کے ہاتہہ فروخت کرڈالا- اسلئیے بہرنہج علاقہ افغانستان کی حکومت میں رہنا چاہئیے- چونکہ اوہرکوئی تفصیل اس جب مرلخواہ فیصلہ کی نہیں چہپی- اسلئیے معلوم ہوتا کہ اس جہگڑے میں بھی امیر صاحب فائدہ میں رہے ہیں- بہرحال امیر صاحب ایسے معاملات میں سرکار انگریزی کو رام کرنے میں ایسا ید طولی رکھتے ہیں کہ زمانہ اُنکی کامیابیاں دیکہکر حیران ہوجاتا ہے÷

باب نہم

ذاتی عادات طبعی صفات سوشل حالات اور اصلاح حکومت

امیر صاحب کی تصویر اس کتاب کے شروع میں ناظرین کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے- اُسکو دیکہکر معلوم ہوتا ہے کہ امیر عبدالرحمن خاں ایک مرد فرزانہ اور شیر شرزہ ہیں- بدن دوہرا ہے- قد میانہ ہے- اور چہرہ سے رعب وداب سلطنت نمایاں ہے- پیشانی پر ہوشمندی کا ستارہ چمکتا ہے- آنکہیں بڑی بڑی خوبصورت اور دلکش ہیں اور ریش مشین اور مقطع ہے- بتقاضائے عمر امیر صاحب کے دانت ٹوٹ گئے ہیں اور مصنوعی دانت لگائے ہوئے ہیں- سرلیپل گریفن نے امیر صاحب کا حلیہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے امیر عبدالرحمن خاں میانہ قامت مگر مضبوط آدمی ہے- اُسکے چہرہ پر پہلے درجہ کی ذہانت برستی ہے- آنکہیں بھوری ہیں- ہنستا ہوا چہرہ پیشانی کشادہ اور اطوار پسندیدہ ہیں اُسکی

صورت مجھے اور میرے ہمراہیوں کو بہت بھلی معلوم ہوئی۔ میری رائے میں وہ تمام بارکزئی سرداروں سے جو آجتک مجھے ملے ہیں لیاقت میں بڑھا ہوا تھا۔ اور اُسکی گفتگو سے دانائی اور فہم و فراست ظاہر ہوتی تھی۔ ہنگام گفتگو ہر امر و مطلب پر نہایت قابلیت سے نکتہ چینی کرتا تھا۔ اور اُسکی رائے لیاقت اور ذہانت سے مملو تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُسکی تمنا یہ ہے کہ سلطنت انگلشیہ سے رابطہ اتحاد قائم رکھے۔

مسٹر اسکرلر امریکہ کا مشہور سیاح جسنے امیر صاحب کو ۱۸۸۵ء میں دیکھا تھا بیان کرتا ہے۔ کہ "امیر تنہائی میں زندگی بسر کرتا تھا۔ اور اپنی پنشن میں سے صرف مبلغ پانچہزار سالانہ صرف کرتا تھا۔ وہ ایک جوان رعنا اور مضبوط آدمی ہے۔ اسکا سر بڑا سا ہے۔ ڈاڑھی گھنی اور گھنگریالی ہے وہ نہایت رعب و داب کے ساتھ چلتا پھرتا ہے اور اُسکی حرکات اور سکنات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات کا پکا اور حکمرانی کا عادی ہے"

گاسیاڈین پاشینو جو جلاوطنی کے زمانہ میں امیر صاحب کا ترجمان تھا بیان کرتا ہے۔ "عبدالرحمن بمشکل فارسی لکھ پڑھ سکتا ہے۔ وہ ایک میانہ قامت مگر مضبوط آدمی ہے۔ اُسکی ڈاڑھی بطرز مناسب کٹی ہوئی ہے۔ ناک باقاعدہ ہے۔ آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی ہیں۔ وضع قطع سے وہ زیادہ تر ایرانی معلوم ہوتا ہے بارکزئی نہیں معلوم ہوتا"

جب امیر عبدالرحمن خاں کو تخت نشین کرکے انگریز ہندوستان کیطرف لوٹے اور امیر انہیں رخصت کرنے کو آئے تو اُس وقت اخبار ٹائمس کا ایک نامہ نگار موجود تھا۔ اُسنے اخبار مذکور میں یہہ خط چھپوایا۔ "امیر کو دیکھکر جو کچھہ میرے دلپر تاثیر ہوئی وہ یہہ تھی کہ اُسکی صورت افغان سرداروں

چہرے پر تیوری رہتی ہے۔ شکن و نگاہیں ناک اور سر شمل ہیں۔ اسکی آنکھیں ہمیں خاموشی
اور اسی قدر بیدار رہتا ہے۔ اسکے ہونٹ سخت ہیں اور موٹھ چوڑا ہے۔ مگر کئی
دانتوں کے ٹوٹ جانے سے اسکا چہرہ پتلا ہو گیا ہے۔ وہ میانہ قامت ہے
اسکے گال چپٹے داڑھی اور مونچھیں گھنی اور سیاہ ہیں۔ گو اسکا چہرہ بحالت
مجموعی دلکش نہیں ہے

مسٹر کرزن نے اپنے خطوط میں جو امیر صاحب کی ملاقات کے بعد اخبار ٹائمز میں
شائع کرائے ہیں۔ امیر صاحب کے سراپا کی نسبت حسب ذیل رائے دی ہے:۔

"امیر عبدالرحمن خاں بہت طویل القامت قوی الجسامت ہیں اور عالم شباب
میں بہت طاقتور رہے ہونگے۔ اگر راولپنڈی کے دربار کے فوٹو سے جو ۱۸۸۵ء
میں لیگئی تھی ملائے جاویں تو اب بیماری کی وجہ سے بہت تغیر پایا جاویگا۔ مگر
میری رائے میں اب بھی رو بصحت ہوتے جاتے ہیں۔ ایک قوی الجثہ شخص اطلس
کے مسند پر بیٹھا رہتا ہے جو نیچے پلنگ پر بچھی رہتی ہے۔ اور کل جسم تنگ پشمینہ
سے ڈھکا رہتا ہے۔ ایک بیداغ ریشمی عمامہ افغانی تو کدار سنہری بار پھلی کلاہ
پر بندھا رہتا ہے جو پیشانی تک آیا ہوا ہوتا ہے خط و خال چوڑے اور زبردست
ہیں مگر حال کی علالت سے کچھہ زرد سے ہو گئے ہیں۔ ابرو بوقت فکر یا بحث کچھہ
سکڑ جاتی ہے۔ آنکھیں سیاہ اور چمکدار ہیں۔ جنکی نظر بلا جنبش یا حرکت کی سیدھی
قایم رہتی ہیں۔ سیاہ خشخاشی مونچھیں اور مقطع داڑھی جو نہ لنبی ہے نہ گھنی اس
حسن کو مزین کرتی جسمے بوقت خندہ دو سلسلہ دندان کامل کے نمودار ہوتے ہیں
آواز بلا میل تلخی شیریں صاف و زوردار ہے ...... علاوہ بریں میں کہسکتا ہوں
اگر انہیں ہوس آف کامنز کی اگلی بنچ پر بٹھلایا جاوے تو مدلل تقریر کرنے
میں اپنا جواب نہیں رکھیں گے۔"

سراپا کے متعلق گو مندرجہ بالا بیانات میں کسی قدر اختلاف ہے مگر اسمیں شک نہیں کہ ہندوستانیوں اور افغانوں کے اندازہ کے مطابق امیر صاحب ایک خوبصورت اور رعب دار انسان ہیں اور یہ غلط ہے کہ انکا چہرہ بحالت مجموعی دلکش نہیں معلوم ہوتا۔

امیر صاحب کی محنت کشی اور مصروفیت

ایسے قیافہ اور ایسی شکل و شباہت اور نقش کے ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دینا چاہیے کہ امیر کیسے سمجھدار اور کتنے کام کرنے والے ہیں۔ در اصل امیر صاحب تمام دن اور آدھی رات تک ہمیشہ کام کرتے رہتے ہیں اور کسی وقت تھکتے نہیں۔ ایک مرتبہ ایک سفیر کابل نے مجھسے ذکر کیا تھا کہ در اصل امیر صاحب خود ہی اپنے سر رشتہ دار اپنے وزیر اپنے محرر اپنے خزانچی اور اپنے محافظ دفتر ہیں۔ یورپ کے ایک اخبار نویس نے لکھا تھا کہ شاید تمام یورپ میں سب سے زیادہ سخت کام کرنے والا اور محنت کش شخص سلطان ٹرکی ہے۔ جو شب و روز کام میں مصروف رہتا ہے۔ مگر امیر عبدالرحمن خان کی جفاکشی کے حالات دیکھکر مجھے بیساختہ کہنا پڑتا ہے کہ شاید ایشیا میں امیر کابل سے بڑھکر محنت کش کوئی شخص نہ ہوگا۔ امیر صاحب عموماً صبح نو بجے اٹھتے ہیں غسل اور ناشتہ کے بعد دربار میں کام شروع کرتے ہیں۔ دوپہر کا کھانا دربار ہی میں تناول کرتے ہیں۔ شام کو دربار سے اٹھکر اپنے پرائیویٹ مکان میں جا بیٹھتے ہیں اور یہاں بھی عموماً کام کرنے میں مصروف رہتے ہیں رات کے بارہ ایک بجے دریافت کرتے ہیں کہ کیا اب کوئی کام نہیں رہا۔ اور کھانے سے فراغت پاکر دو تین بجے سونے کو جاتے ہیں۔

امیر صاحب نے تمام دفاتر سلطنت کو ایک مکان میں رکھوا دیا ہے اور خود ان سب کے منتظم اور سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ نہ صرف یہ ایک ایک پرزہ کو دن کا حال جانتے ہیں اور سب فیصلے خود لکھتے ہیں یا ان پر دستخط کرتے ہیں بلکہ ایک ایک پائی تک سلطنت کا

خاص کاموں کے خاص دن

اُنکی منظوری کے سوائے نہیں ہو سکتا۔ شاہ ہمایون کیطرح آپنے بھی خاص دن
خاص خاص کاموں کے لیئے مقرر کر رکھے ہیں۔ چنانچہ دوشنبہ کے دن آپ قندھار
اور ہرات کے معاملات کا تصفیہ کرتے ہیں۔ سہ شنبہ کے دن فوجی دربار کرتے
ہیں اور تمام فوجی افسروں کو دوپہر کو ساتھ کھانا کھلاتے ہیں۔ چارشنبہ اور
شنبہ کے دن دربار عام کرتے ہیں جبکہ ہر امیر و غریب کو عرض کرنے کے لیئے باریابی
حاصل ہوتی ہے پنجشنبہ کے دن ہندوستان کی خط و کتابت کرتے ہیں یکشنبہ کے
دن خانگی معاملات کیطرف غور کرتے ہیں اور جمعہ کو آرام فرماتے ہیں۔ لیکن قاعدہ
کلیہ نہیں ہے۔ کیونکہ اگر حرم سرائے میں امیر صاحب نہیں جاتے تو کوئی آرام نہیں کرتے
بلکہ کام کرتے رہتے ہیں۔ امیر صاحب جب عدالت پر بیٹھتے ہیں تو ایک ہاتھ قبضہ شمشیر
پر رکھے رہتے ہیں۔

شاہ کابل کا قانون پولیس[۱] مختصر اور صاف ہے۔ اگر کوئی شخص سید کی شان میں
ناشائستہ الفاظ کہے تو اسکو بیس ضرب تازیانہ اور دس روپیہ جرمانہ کی سزا

---

[۱] دراصل یہ قانون زیادہ تر شریعت اسلام کے تابع ہے۔ مگر خاص صورت کی سزاؤں
میں امیر صاحب کی زبان بمنزلہ قانون کے ہے۔ شریعت کی پابندی کے لیئے امیر کابل کا سرکلر جو ۱۸۹۶ء
میں ہندوستان کے اخبارات میں شائع ہوا تھا حسب ذیل ہے۔
امیر عبدالرحمن خاں نے اپنے محتسبوں کے نام "دربارہ حفظ قوانین شریعت و پابندی شعار
اسلام مندرجہ ذیل ہدایت جاری کی ہے"۔ بعد حمد خدا و ند و نعت پیغمبر اور تعریف سچے اسلام
کے ہدایت ہے کہ خواب غفلت میں سونے والے بیدار ہوں۔ پرہیزگاری اور رات بھی احکام
الٰہی کے موافق شریک ہوں۔ جو شخص محتسبی کے عہدے پر مقرر ہو چاہیئے کہ خدا ترس
نیک طبیعت اور قانع ہو تا کہ لوگ اُسکی عزت کریں اور کوئی اس سے عداوت نہ رکھے
اُسکا کام پولیس جیسی نہیں بلکہ مذہبی تعلیم دینا ہے۔ جو شخص نماز کا پابند نہیں یا کافی رکوع

دیجاتی ہے۔ اگر کوئی کسیکو گالی نکالے تو دس ضرب تازیانہ اور دس روپیہ جرمانہ
کی سزا دیجاتی ہے۔ جرائم متعلق جائداد کی نسبت بڑی سختی سے سزا دیجاتی ہے
اگر کوئی شخص مسجد میں آکر شور مچائے تو وہ بھی قابل سزا ہے۔ اگر کوئی شخص
نماز نہ پڑھے تو پہلے اسکو ملائمت اور نرمی سے سمجھایا جاتا ہے۔ اگر نہ مانے تو درشت
کلامی سے۔ اسکو بھی نہ مانے تو چوب چماق سے دعوت کی جاتی ہے۔ اگر پھر بھی نہ

کابل کا قانون پولیس

[illegible]

وسجود بجا نہ لائے اسکو مہربانی اور سہولیت سے سمجھائیے اگر سہولت میں ناکامی ہو
تو فہمایش کرے۔ اگر پھر بھی ناکامی ہو تو محتسب اُسپر چیں بر جبیں ہو اور سخت
کلامی سے صرف اسقدر خطاب کرے کہ اے بے وقوف یا اے عجمی۔ اس سے زیادہ
تیز کلامی نہ کرے۔ پھر بھی نہ مانے تو تہدید کرے۔ اور سپاہیوں سے کام لے۔ پھر بھی نہ مانے
تو حاکم وقت سے رپوٹ کرے۔ وہ جو کچھ مناسب سمجھے کرے۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس محتسب کو
زیادہ دھمکی نہ دے صرف اسیقدر کہ وہ عمل کر سکے۔ لوگوں کی خفیہ باتوں کا تجسس نہ
کرے۔ کیونکہ یہ امور احکام الٰہی کے خلاف ہیں۔ سزائے تازیانہ کی نسبت امیر نے چند
ہدایتیں کی ہیں جنکو آگے درج کیا جاتا ہے۔ تازیانہ کا ایک مہردار نمونہ تمام مقامات
میں بھیجا گیا ہے۔ اسمیں اونٹ گائے یا بھیڑ کی کھال کے تین تسمے ہیں۔ ہر ایک
تسمہ چار انگل چوڑا ہے۔ انگل کا شمار چھ جو کا ہے۔ اور ۲۴ انگل لمبا ہے۔ جو موافق
شمار حروف کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ہے۔ کیونکہ اس کلمہ کے حروف
بھی ۲۴ ہیں۔ نہ تو تسمے کی سرے موٹے اور نہ باریک ہیں نہ اسمیں گرہ ہے جس سے
زیادہ چوٹ لگے۔ تسمے کا دستہ چوب زیتون کا ہے۔ ہدایت ہے کہ جب تازیانہ
کی ضربیں لگائیں تو کلمہ پڑھیں۔ ہلکی ضرب لگائیں۔ ضرب لگانے وقت تازیانہ سینے سے
بلند نہ ہو۔ تاکہ محتسب کو غرور نہ ہو۔ اس سے کہا جائے کہ تمکو مجرم کی حالت پر افسوس
کرنا چاہیے۔ کیونکہ سب مسلمان ایک جسم ہیں۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ خاطی کے مقابلہ میں اپنے کو برا نہ جانے۔

دیکھو صفحہ ۴۴

ملنے تو امیر کو خبر کیجاتی ہے۔ اور پھر جو سزا اُسکی قسمت میں ہو اُسکو ملجاتی ہے۔
مگر امیر صاحب کی نسبت گرے صاحب اپنی کتاب میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ وہ خود
نماز کے پابند نہیں۔ ہر چند کہ وہ بڑے پکے اور بڑے ریا مسلمان ہیں۔ یہہ رمضان
میں روزے نہیں رکھتے۔ بلکہ اس لیئے کہ آدمی روزہ رکھکر بیمار ہو جاتا ہے۔ وہ
کبھی رمضان کو "مرضان" ہی کہتے ہیں۔ البتہ عیدین کی نماز میں امیر صاحب ضرور
شریک ہوتے ہیں۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ گرے صاحب کی باتیں بہت معتبر نہیں۔

اگر کوئی شخص شارع عام میں فحش بکتا ہو یا کسی سید یا ملا وغیرہ کو گالیاں
دیتا ہو تو بیس تازیانہ اور پچاس روپیہ جرمانہ۔ اگر کسی عامی کو گالیاں دیتا
ہو تو دس تازیانہ اور دس روپیہ جرمانہ۔ اگر مسلمان مذہبی گالی مسلمان کو دے
تو دونوں میں کوئی تفریق نہ کریں صرف مسلمان ہونا کافی ہے۔ اول مرتبہ گالی دینے پر
۳۰ تازیانے اور ۳۰ دن کی قید (کیونکہ اسلام میں ۳۰ ہی مذاہب ہیں) دوبارہ
جرم پر ۳۰ تازیانے اور چھہ ماہ کی قید۔ تیسرے مرتبہ کے ارتکاب پر پھانسی (کیونکہ
اسلام میں فساد ڈالتا ہے) اگر کسی شخص کے جسمانی اعضاء یا روح کو گالی دے تو یہی
قابل تازیانہ و قید ہے۔ اگر باٹ یا پیمانہ کم ہو تب بھی سزا ہے۔ ناقص اشیاء کی فروخت
بے پردہ نہانے۔ مکروہ اشیاء کے کھلانے۔ قمار بازی۔ ترک صوم و صلوۃ۔ مسجد
میں بیجا حرکت کرنے پر سزا ہے۔ تعویذ فروخت کرنے۔ خیرات پانے کے
لیئے قرآن پڑھنے کی سزا ہے۔ محتسب تمام مشتبہ اور عیبی آدمیوں کی نگرانی
رکھے۔ بوڑھے ضعیف اور کمزور آدمیوں کم سن بچوں کی خبر گیری کرے جنکے
گذارہ کی کوئی صورت نہیں۔ عورتوں کی عصمت کا لحاظ رکھے۔ اگر مرد کسی غیر
عورت کا بوسہ لے تو بیس تازیانے اور قید۔ اور اگر کسی عورت یا مرد کی زناکاری
ثابت ہو تو اُنکو سنگسار کیا جاوے۔

امیر صاحب نے فوج میں بھی اصلاح کی ہے۔ انتظام جدید کے بموجب اول درجہ کے جرنیل کی تنخواہ چھہ سو روپیہ کابلی ہے۔ برگیڈیر کی تنخواہ اڑھائی سو روپیہ ہے کرنیل کی تنخواہ دو سو روپیہ ہے میجر کی ۱۲۰ روپیہ۔ کپتان کی اسی اگر وہ رسالہ کا ہو اگر پلٹن کا ہو تو صرف تیس روپیہ ہے۔ سوار کی بیس روپیہ اور پیدل کی ۸ روپیہ ہے ہر رجمنٹ میں ایک ملا۔ ایک حکیم اور ایک جراح ہوتا ہے۔ جو الدا سے نیچے سب کو نصف تنخواہ نقد اور نصف تنخواہ کے عوض میں جنس اور غلہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔ ایک امر امیر صاحب کی فوج میں اصلاح طلب یہ ہے کہ وہاں ترقی لیاقت پر نہیں دیجاتی عموماً عہدہ دار لوگ اعلےٰ خاندانوں کے بیٹے ہوتے ہیں۔ امیر صاحب کو افغانوں کی جہالت پر بڑا افسوس ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر گرے کو کہا تھا کہ میں ان لیس اولوں کو تعلیم دینا چاہتا تھا۔ مگر یہ کچھہ نہ سیکھے اور اب فوج میں کام کرینگے۔

امیر صاحب کی جنگی طاقت

باقاعدہ فوج کے علاوہ اور بہت سی فوج امیر صاحب بوقت ضرورت جرگوں سے مہیا کر سکتے ہیں۔ علاوہ انکے انہوں نے ایک بہت عمدہ ڈھنگ سے انتظام تیار کر رکھا ہوا ہے[1] سنہ ۱۸۸۲ء اور ۱۸۹۶ء میں امیر صاحب کی فوج بترتیب حسب تفصیل ذیل تھی

سنہ ۱۸۸۲ء	سنہ ۱۸۹۶ء	تفصیل
۱۳۰۰	۱۷۰۰	توپ خانہ کی فوج
۹۷۵۰	۹۰۰۰	سوار اور رسالہ
۳۰۹۵۰	۴۰۰۰۰	پیادے اور پلٹنیں
۷۵۰۰	۱۰۹۹۰	ریگلر (باقاعدہ) سوار
۶۰۰۰	۱۰۰۰۰	خاصہ دار
۱۸۰	۳۰۰ تقریباً	الوا توپ

[1] حال میں امیر صاحب افغانستان میں فوجی ملازمت لازمی کر دی ہے۔ اور اعلان جاری کیا ہے کہ ہر آٹھہ آدمی پیچھے ایک آدمی کو جنگی ملازمت اختیار کرنی ہوگی۔ امیر صاحب کی ۱۰ ہزار ریگلر فوج ہر وقت کابل میں تیار رہتی ہیں۔ باقی جلال آباد۔ ہرات۔ مزار شریف (دیکھو صفحہ ۱۲۶)

اگرچہ امیر صاحب نے یہہ منظور نہیں کیا کہ کوئی انگریز رزیڈنٹ کابل میں متعین ہو۔ لیکن اُنہوں نے بلاتامل دوسرے کاموں کے لیئے انگریزوں کو ملازم رکھہ لیا ہے۔ پہلے پہل امیر صاحب نے ایک شخص مسمی جیروم کو جو فرانسیسی انجنیر تھا کارخانہ اسلحہ کے لیئے ملازم رکھا۔ اِس شخص نے عبد السبحان خان کاشمیری کی صلاح و مشورہ کے بعد کارخانہ جاری کرنے کا وعدہ کیا۔ یہہ عبد السبحان پہلے انگریزوں کے سروے ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تہا۔ اور بڑا ہوشیار آدمی تہا۔ جنگ افغانستان میں انگریزوں کے ساتہہ کابل گیا تہا۔ جنگ کے خاتمہ پر اُسکی خاطر خواہ قدر نہ ہوئی کہ جس سے وہ دِل برداشتہ ہوکر کابل میں ٹہر گیا۔ یہہ شخص امیر صاحب کی فوج میں برگیڈیر ہوگیا تہا۔ اور بہت بڑی عزت حاصل کی تہی۔ مگر کسی سازش کے جرم میں قتل کیا گیا۔ اِس شخص کی صلاح سے جیروم ہندوستان

کابل کے کل کے کارخانوں کی بنیاد

قندہار وغیرہ مقامات میں ہے۔ پایونیر لکھتا ہے کہ بیچ بوڈر بندوقیں تو امیر صاحب کے پاس سقدر کافی ہیں کہ پچاس ہزار فوج کو فوراً مسلح کرسکتے ہیں۔ لیکن چاندماری کی مشق نہیں کرائی جاتی۔ کیونکہ وہ سکٹری پراکٹس میں روپیہ ضائع کرنا فضول سمجھتے ہیں فی سپاہی صرف ۴ کارتوس سالانہ نشانہ بازی کے لیئے دیئے جاتے ہیں۔ پایونیر کی رائے ہے کہ بجائے تعداد بڑہانے کے امیر صاحب کو چاہیئے کہ افغانی فوج کی قابلیت نشانہ بازی کو ترقی دیں تاکہ جس وقت روس پیشقدمی کرے تو جب تک ہماری فوجیں وہاں پہنچیں وہ اسکو روک سکیں۔ ان قسم کی توپخانہ انمیں سے کچھ توپیں کابل کی ڈہلی ہوئی ہیں اور باقی انگریزی ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہہ ۱۸۹۲ء کا حساب بہی صحیح نہیں۔ اور بہت پرانا ہے کہ جسمیں ۱۸۹۸ء سے بہت کم تفاوت ہے۔ کیونکہ کوئی شک نہیں کہ اِس عرصہ میں امیر صاحب نے جمعیت فوجی اور توپوں بندوقوں میں بہت اضافہ کرلیا ہے۔ بندوقیں توڑے دار سے لیکر سنائیڈر تک ہر قسم کی بِلا عِلّی ہیں۔ مگر توڑے دار بہت کم رہگئی ہیں۔

افغانستان از پایونیر ۱۸۹۲ء

کو آیا اور زر کثیر صرف کر کے بہت سی قیمتی کلیں خریدیں مگر جبتر وم زیادہ مدت نہ ٹھہرا۔ آخر عبد السبحان خاں کی صلاح سے امیر صاحب نے مسٹر پین کو جواب سالٹر پائن[۱] ہے اور جو علم جر ثقیل میں مشاق اور انجنیری میں ماہر ہے ملازم رکھا۔ سالٹر پائن نے سنہ ۱۸۸۶ء میں ورکشاپ یعنی کلوں کا کارخانہ جاری کیا اور سنہ ۱۸۹۳ء میں کئی بندوقیں اور توپیں کابل میں ڈھالی گئیں۔ کابل میں جسکو بہتر نمونہ اور یورپ کی اصلاح یافتہ طرز کی کل سی بنی ہوئی توپیں اور بندوقیں تیار ہونا دنیا کی

---

[۱] لندن میں روٹر کے ایجنٹ سے مسٹر پائن نے اوائل سنہ ۱۸۹۳ء میں اپنی کارگذاری اور افغانستان میں مغربی شائستگی کی ترقی اور امیر صاحب کی خدمت میں اپنے داخل ہونے کی کیفیت اسطرح بیان کی تھی کہ جسکو دلچسپ سمجھکر میں نقل کرتا ہوں۔

جبکہ لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند ہوئے تو اُنھوں نے بغرض استحکام تعلقات بابت گریٹ برٹن اور افغانستان کے امیر صاحب کو ہندوستان میں بُلایا۔ امیر صاحب نے اِس استدعا وطلبی کو قبول کیا اور حضور وائسرائے بہادر سے راولپنڈی میں ملاقات کی۔ یہاں امیر صاحب نے علاوہ اور چیزوں کے ایک دُخانی انجن بھی دیکھا۔ امیر صاحب نے اسکو پسند کیا اور کابل میں کلوں کا کارخانہ جاری کرنے کی طرف خیال رجوع ہوا اور دار الخلافت کابل میں گویا ایسے کاموں کی بنیاد اس طرح سے ہوئی۔ ایک فرانسیسی جو راولپنڈی کی کلوں کا انچارج تھا امیر صاحب نے اوسی کابل لیجانا چاہا۔ لیکن اُسنے بغیر کسی یورپین کے جو اُسکا ہمراہی ہوجانے سے انکار کیا اور اِس غرض سے اُسنے مجھہ سی کلکتہ میں خط وکتابت کی اور مجھکو اپنے ساتھہ لیجانا چاہا۔ میں راضی ہوگیا لیکن حضور وائسرائے بہادر نے یہ خیال کر ایک خطرناک معاملہ ہے مجھے اجازت نہ دی۔ وہ فرانسیسی افغانوں کا بھیس بدل کر کابل کو چلا گیا اور سفر کی دقتیں جھیلکر دار الخلافت میں پہونچا اور ایک ہفتے کے بعد امیر صاحب نے اُسکو کلیں خریدنے اور کابل میں ورکشاپ قایم کرنیکا حکم دیا۔ نیز امیر صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا سے بھی درخواست کی کہ انجنیروں کو یہاں آنے کی اجازت ہوجاوے۔ لیکن اسکا کچھ نتیجہ نہ ہوا۔ کیونکہ گورنمنٹ اپنے قدیمی عندیہ پر جیسا کہ میرے ساتھ ظاہر ہوا تھا قایم تھی اور انگریزوں کو وہاں جانے سے منع کیا۔ وہ فرانسیسی مجبور ہوا اور اُسنے کابل کو واپس نہ جانیکا ارادہ ظاہر کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب کو بھی اس آدمی سے

تاریخ میں کوئی خفیف بات نہیں اور اس خاص احسان کے لیئے تو ہم افغان اور
افغانستان کی آیندہ نسلیں امیر عبدالرحمن خاں کی جسقدر مشکور اور ممنون ہوں تھوڑا ہے
اسلحہ حرب اور دیگر اشیائی تجارت تیار کرنے کے کارخانے بنا کر امیر صاحب نے افغانستان کے
لیئے وہ کام کیا ہے جو پیٹر اعظم نے روس کے لیئے کیا تہا۔ اگر افغان بت پرست

از صفحہ ۱۲۶

کچھ شبہ ہوگیا تہا اسلیئے اسکو چہہ افغانی افسروں کی سخت نگرانی میں ہندوستان کو
روانہ کیا تہا اور ہر ایک افسر کو شدید حکم تہا کہ اسکو آنکھ سے جدا نہ کریں۔ اس عرصہ میں
کلیں جو فرانسیسی نے منگائی تہیں یورپ سے کراچی میں پہونچگئیں۔ امیر صاحب کے ایک
ایجنٹ کے حوالہ کی گئیں۔ اب فرانسیسی غائب ہوگیا اور خیال کیا جاتا ہے کہ کسی وقت پہرے
والوں کو غافل پا کر رات میں یورپ جانے والے کسی جہاز میں چلا گیا۔ کئی مہینے کے بعد جبکہ امیر
صاحب نے دیکہا کہ فرانسیسی کابل کو واپس نہ آیا تو گورنمنٹ انڈیا کو انجنیر کے واسطے لکہا۔ جسکا
جواب دیا گیا کہ سرکاری طور سے ایسی درخواست کی تعمیل نہیں ہوسکتی لیکن اگر کسی آدمی
کی تشریح کیجاوے تو اسکو اجازت ہوسکیگی۔ آخرکار مجہے اجازت ہوئی اور ۱۲ مارچ ۱۸۸۵ء
کو میں اپنے آپکو بالکل افغانی سواروں کی سپردگی میں دیکر جو مجہے لینے آئے تہے پشاور سے
کابل کو روانہ ہوا۔ اور مجہے فوراً ہی یہ بہی معلوم ہوا کہ یہہ سوار اسمیں اپنی توہین سمجہتے تہے
کہ انکو فرنگی کے ساتہہ جانیکا حکم دیا گیا ہے۔ زمین افغانستان میں میری پہلی رات مقام
ڈکہ میں بسر ہوئی جو خیبر کے بعد افغانستان کی ابتدا ہے اور یہ وہ رات تہی جسکو میں کبہی
نہ بہولونگا۔ شنواری جو ایسے مطیع نہ تہے جیسے کہ بالفعل ہیں آخر حصہ رات میں گاؤں پر
حملہ آور ہوئے اور اسکو لوٹ لیا۔ کچہہ لڑائی بہی ہوئی جسمیں بہت آدمی مارے گئے۔ اور زخمی
ہوئے۔ مجہے میرے محافظین نے بنظر احتیاط ایک چہوٹے حجرہ میں جو شہر پناہ کی دیوار میں
تہا ٹہہرا دیا۔ اس کوٹہری میں زینہ لگا کر ایک کہانی دار دروازہ کی راہ سے جانا ہوتا تہا اور
جبکہ زینہ ہٹا لیا تو میں مثل ایک قیدی کے ہوگیا۔ جسکے چہار طرف گولی چل رہی تہی میری
اس وقت کی حالت کا بجائے تحریر میں لانے کے خود ہی بہت اچہی طرح اندازہ ہوسکتا ہے
لہذا میں نے دوسرے دن ہندوستان کو واپسی کا قصد کیا۔ لیکن معلوم ہوا کہ یہ غیر ممکن
ہے۔ یعنی امیر نے مجہے کابل میں لانیکا حکم دیا ہے اور افغانی افسر میری رسید دیچکے ہیں

قوم ہوتی تو میں اُنکو صلاح دیتا کہ اُس شکر گذاری کے لئے جو امیر نے تمہاری قوم کو آجکل دنیا میں ایک زبردست قوم اور تمہاری سلطنت کو دنیا کی سلطنتوں میں ایک نامور سلطنت بنا کر حاصل کی ہے اُسکی بُت کو پوجا کرو مگر الحمد للہ کہ وہ خدا پرست

[illegible]

اور علاوہ اِسکے درہ خیبر ہی بند ہے۔ اب بجز آگے بڑہنے کے کچھ چارہ نہ تہا۔ وہاں سے روانہ ہوئے اور باریکاب میں پہنچے۔ لیکن میں بہت ہی خستہ اور دل شکستہ تہا نیند آگئی۔ صبح کو جب سو کر اُٹھا تو پہلی چیز یہ دیکھی۔ کہ ایک فقیر تہہ پیر بندہا ہوا صحن میں پڑا ہے۔ مینے اُسکا سبب پوچھا۔ تحمل کے ساتھ جواب ملا کہ رات میں وہ مجھے قتل کرنا چاہتا تہا اور میرے پلنگ سے صرف دو قدم کے فاصلہ پر افغانی چھرا ہاتھ میں لئے ہوئے پہونچا تہا اگر نہ پکڑا جاتا تو میرا کام تمام ہوچکا تہا گرفتار کیا گیا ہے۔ خیر اِسکو کابل لیگئے اور وہاں اُسکا فیصلہ ہوا کئی روز کے بعد جلال آباد پہونچے۔ یہاں غلام حیدر خاں کمانڈر انچیف نے بہت اچھی طرح تواضع کی اور اس تکریم سے خوش ہوکر دار الخلافت کو روانہ ہوئے۔ اور بجز ایک واقعہ کے کہ باریکاب میں میرے قتل کا ارادہ کیا گیا بخیریت تمام کابل میں پہونچگیا۔

کابل میں پہونچکر دس روز تک مینے آرام کیا اور اِس عرصہ میں امیر صاحب کی مدارات کے متعلق مینے ایسے عجیب و غریب قصے سُنے کہ مجھے اُنکی مملکت میں آنے سے شبہات عائد ہونے لگے۔ القصہ میری پہلی ملاقات کے واسطے ایک دن مقرر ہوا۔ اُس روز ایک عظیم الشان دربار عام تہا اور مجھے نہایت سنجیدگی کے ساتھ امیر عبد الرحمن خاں کے حضور میں حاضر کیا گیا۔ لیکن مجھے بہت ہی تعجب ہوا۔ کہ امیر صاحب نے اپنا ہاتھ بڑہایا اور دیر تک مصافحہ رکھا اور یہہ امید ظاہر کی کہ میں کابل کو مثل اپنے گہر کے سمجھونگا۔ اور ہر طرح خوش و خرم رہونگا کُرسی منگائی جو اُس وقت کابل میں ایک انوکھی چیز تہی۔ اور مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کو ارشاد کیا یہہ دربار ڈیڑہ گھنٹے تک رہا اور امیر صاحب بیشتر مسائل پر گفتگو کرتے رہے۔ دوسرے دن بہی مجھے آنے کو کہا اور اسی طرح میں دو ہفتے تک ہر روز جاتا رہا۔ اسکے بعد بلا کسی تخصیص کے کہا کہ ہمکو کابل میں ایک ڈاکٹر شاپ جسکو ملکی ضرورتیں بہم پہونچانے قائم کرنا ضرور رہے۔ مینے

(دیکھو صفحہ ۱۳۰)

ہیں۔ اسلیئے میں اُنکو یاد دلاتا ہوں کہ "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ"۔ کابل میں امیر صاحب کی سرکاری کارخانوں میں اُس وقت چار ہزار کے قریب آدمی کام کرتے ہیں یعنی شہر کابل کی آبادی کا ساتواں حصہ روٹی ورکشاپ کی بدولت حاصل کرتا ہے۔ ہر روز دس ہزار مارٹینی کارتوس اور دس ہزار سنائیڈر کارتوس تیار

کارخانوں کا فائدہ

ٹکسال یعنی ۱۸۹۱

جلد ہی سے کاروبار اور تعمیر شروع کر دی۔ بے تعداد روپیہ اور مزدور بھیج دیئے گئے تین مہینے کے بعد امیر صاحب میرے کام کو دیکھنے آئے اور بلاحظہ کے بعد بلا کسی تشریح کی مفصلہ ذیل تقریر فرمائی۔ "آج کا دن میری زندگی میں سب سے زیادہ مسرت کا دن ہے۔ میں آج اُس کام کی بنیاد دیکھتا ہوں جو افغانستان کے واسطے ایک معاملہ عظیم ہونے والا ہے۔ قبل ازاں کہ یہ ورکشاپ ختم ہو تین چیزیں ضروری ہیں۔ اوّل خدا کی مدد دوم میرا روپیہ سوئم تمہارا کام۔ اور تمہارا اور میرا روپیہ بغیر خدا کی مدد کے بیکار ہے۔ خدا کی مدد اور میرا روپیہ بغیر تمہارے کام کے اور تمہارا کام اور میرا روپیہ بغیر خدا کی مدد کے بے حقیقت ہے۔ میں روپیہ لگاؤں تم کام کرو اور خدا کی مدد پر امید رکھنی چاہیئے جب عمارت ختم ہو جائے تو میرے پاس آنا۔"

عمارت کے اختتام میں کوئی تین مہینے اور صرف ہوئے اُسکے بعد امیر صاحب نے مجھے یورپ نے اور کلیں لانے کا حکم دیا۔ اگر ایسا آدمی میرا حامی نہ ہوتا جسنے ناکامیابی کی مشکلات کو کسیطرح راہ نہ دی تو عمارت ہی پر میرے کام کا خاتمہ ہو جاتا۔ بھاری کلوں کے لانیکے بے انتہا مصارف اور اُنکا پشاور سے ریل کے بعد پہاڑوں میں لیجانا معمولی آدمی کا کام نہ تہا۔ کلوں کے بہم پہونچانے اور اُنکی مخصوص تیاری میں اٹھارہ مہینے انگلستان میں لگے اور اتنے ہی دن مجھکو کابل سے غیر حاضر رہا اور یہہ کچھ تعجب نہ تھا اگر مجھے بھی فرانسیسی مغرور کیطرح خیال کر لیا جاتا۔ لیکن قبل کسی الزام کے ایک لکڑی چیرنے کی کل جاری ہوگئی اور اس پہلی ہی کل کا یہ نتیجہ ہوا اور امیر اور اُنکی رعایا کو اسقدر تعجب ہوا کہ ساری ناگذیر تاخیر مطمئن نتیجوں کے ساتھ فراموش ہوگئی۔ اسکے بعد ٹکسال جاری ہوئی جسمیں لاکھوں روپیئے تیار ہوتے ہیں۔ سکوں کا نقشہ بنایا گیا اور ٹھپے کاٹے گئے۔ یہ کام افغانستان کے کاریگروں کو بہت مشکل معلوم ہوا۔ لیکن بہت سے الٹ پھیر کے بعد دو چاندی کے سکے اور ایک تانبے

ہوتے ہیں۔ ہفتہ وار دو توپیں مع کل سامان متعلقہ اور پندرہ رائفلیں یومیہ بنتی ہیں۔ جلد جلد چلنے والی توپیں بھی ہفتہ میں دو تیار ہوتی ہیں۔ گولوں کے ڈھالنے اور بارود بنانے کے لیئے جدید کلیں منگوائے گئے ہیں۔ ٹکسالوں میں یومیہ ایک لاکھ بیس ہزار مختلف سکے مضروب ہوتے ہیں۔ چمڑے دیا سلائی صابون اور شمعی وغیرہ کے کارخانوں کے علاوہ حال میں کلٹ سازی کا کام بھی شروع کر دیا گیا ہے۔ کارخانے اگر سیدھے خط میں رکھے جاویں تو انکا طول ۱/۲ میل اور عرض سو گز تک ہو۔

کارخانوں کا کام

[illegible] ۱۳۱

کا بنایا گیا۔ جنکو میں خیال کرتا ہوں ایسے ہیں جیسے کہ اور کسی ٹکسال میں بنائے جاتے۔ نیز نئے سکوں کے رواج نے افغانیوں کی رائے کو اپنے حکمران کی نسبت بدلا اور اسکی ترقی کرنے والی پالیسی کے بہت مداح ہوئے۔ لیکن ہمیشہ شبہ کرنے والے افغان میری کوششوں کی اور حقارت کیوسطے کسی بہانے کے منتظر رہتے تھے اور یہ کہنا شروع کیا کہ کیا سبب ہے کہ جو صاحب کارتوس اور لڑائی کا سامان ہمارے واسطے نہیں بناتا۔ کوئی بھی کارتوس کے کارخانے سے واقف ہو وہ ان مشکلات کی ضروری قدر کریگا۔ جو مجھے اس کام میں بغیر مدد کسی ہوشیار کاریگر کے پیش آئیں۔ تاہم صبر اور استقلال کے ساتھ اس مشکل کو بھی طے کیا۔ اور ہم سات ہزار کارتوس مارٹینی کے اور ۹ ہزار اسنائیڈر کے روزانہ تیار کر سکتے ہیں۔ اس سامان حرب کے کارخانے نے افغانوں کے شبہ کو ٹھنڈا کر دیا اور انکو یقین ہو گیا کہ انگریز انکے دوست ہیں ورنہ وہ اپنے ایک ہم وطن کو ہمیں ایسی چیزیں سکھانے کی اجازت نہ دیتے۔ دوسرے توجہ مارٹینی بندوق ڈھالنے کیطرف منعطف ہوئی۔ ہندا ایک ہوکنی اور تھوڑا ادخانی طاقت سے چلنے کے لیئے لگا یا۔ سال گذشتہ میں کوئی پچاس منہ کی طرف سے بھرنے والی اور بریچ لوڈر توپیں بنائی گئیں۔ یہ تو ٹھیک نہیں کہ انکو ولیچ کے کارخانے سے مقابلہ کیا جاوے۔ لیکن ہر توپ سابق کی توپوں سے عمدہ ہے۔ اور میں یقین کرسکتا ہوں کہ بہت ہی خوفناک حربے ہیں۔

یہانتک کابلیوں کو مطمئین کرکے ہمنے صابون اور ربتی اور بوٹ بنانا شروع کیا۔ بوٹ کے ۵۰ جوڑے روزانہ فوجی استعمال کے لائق تیار رہتے ہیں اور ۵۰۰ تک بن سکتے ہیں۔

افغانی رعایا کی حالت

۱۸۸۹ء میں امیر صاحب نے مسٹر اومیر احلیم وندان کو کابل میں بلایا تہا اور
اُس سے اپنے دانت بنوائے تہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ امیر صاحب راہ چلتے ہوئے
بلالحاظ مرتبہ ادنےٰ سے ادنےٰ آدمی سے عرضی لیلیتے ہیں اور ہر بات پر خود
توجہ فرماتے ہیں۔ ایکدن ہنگام گفتگو میں امیر صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب
افغان لوگ بڑے سرکش ہیں۔ مالیہ یعنی معاملہ کی ایک چوتہائی تو بہ آسانی وصول
ہوجاتی ہے۔ ایک چوتہائی لڑ بہڑ کر وصول ہوتی ہے۔ ایک چوتہائی حصہ باقی کل

[illegible]

اور برانڈی کی آٹھ سو بوتل روزانہ بن سکتی ہے۔ ان تمام حالات سے معلوم ہوگا
کہ کابل میں کیسا کام ہوتا ہے اور میں مختصر لکھ سکتا ہوں کہ بم کا گولہ باروت تلوار
فرنیچر گاڑیاں زیور اور ہر چیز جو مطلوب ہو کابل میں بن سکتی ہے۔

امیر صاحب کو کابل میں اس کام کی تکمیل سے اسقدر اطمینان ہوا ہے کہ اُنہوں نے جلال آباد
میں جہاں کنارہ رکابل نامی ندیوں کا سنگم ہے ایک ورک شاپ قایم کرنیکا حکم دیا ہے
وہاں اتمار کے جنگل سے بہت قیمتی لٹھے آسکتے ہیں جو درست کرکے ہندوستان کو فروخت کے
واسطے بہیجے جاویں گے اور اس طرح ہم ایک برآمد کی تجارت جاری کرنے والے ہیں۔
آخر دفعہ جبکہ امیر صاحب نے ورکشاپ کا ملاحظہ کیا تو اُسکو اسقدر پسند کیا اور شوق غالب آیا
کہ وہ خود بھی کام کرنے لگے۔ پس ہم کو دیکھنا کہ وہ ریتی سے دہات کو رگڑتے تہے اور لکڑی
کو خراد پر لگاتے تہے میں کبھی نہ بہولونگا۔

اخیر میں مسٹر پائن نے کہا کہ ان سب باتوں کا اثر آئندہ حالت افغانستان پر ایسا ہوگا کہ
جسقدر اوسکو بیان کریں کم ہے۔ امیر نے کبھی امید نہ کی تھی اور وہ خود کہتے تھے کہ ان کاموں
سے اونکو کوئی مالی فائدہ مقصود نہیں ہے بلکہ اپنے مذہبی گروہوں کو مہذب اور شائستہ
بنانا ہے بیس برس سے پہلے جبکہ امیر صاحب تخت نشین ہوئے جو افغانستان کی حالت تھی بالکل
اُسکے خلاف ہی جواب اوسکی کیفیت ہے۔ اسی طرح اب سے دس برس بعد اگر بھی امیر حکمران رہے
تو کچھ اور ہی صورت ہوگی چہوٹی چیزسے بڑے نتائج نکلتے ہیں۔ اگر امیر صاحب وہ چھوٹا انجن
راولپنڈی میں نہ دیکھتے تو آج اس وسیع کارخانہ کا جسمیں لاکھوں کیا بلکہ کروڑوں روپیہ
صرف ہوا ہی وجود نہوتا اور وہی عداوت وخوف جسکے سبب لوگ کابل نہ جاتے تہے آج دس گنا ہوتا۔

امیر صاحب کے مصنوعی دانت

وصول نہیں ہوتا - اور ایک چوتہائی وہ لوگ نہیں جانتے کہ کسکو دیں - بس یہ اسی طرح خورد برد ہو جاتا ہے - ڈاکٹر گرے کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امیر صاحب دربار شریف میں تہے اور سر عام امیر صاحب نے اپنے مصنوعی دانت جو مسٹر [illegible] نے بنائے تہے - منہ سے نکالکر برش سے صاف کیئے اور پہر منہ میں دہر لیئے - افغانوں کو بڑا تعجب ہوا اور وہ بہت ڈرے - یہہ عجیب امیر ہے جو جڑائے ہوئے دانت کو بہی جس وقت چاہے ریزہ ریزہ کر سکتا ہے - یا تو وہ زمانہ تہا کہ کابل کے نام سے غیر قوم و مذہب کے لوگ گہبراتے تہے - کابل کیا پشاور میں جانا غیر مامون سمجہتے تہے - یا اب وہ زمانہ ہے کہ خاص کابل میں یورپین لیڈیاں جاتی ہیں اور امیر صاحب کی فیاضی سے بہرہ ور ہوتی ہیں - بیشک اس امن اور انتظام کے فخر کا نو لکہا ہار امیر صاحب کے گلے میں ہے اور وہ ہر طرح سے تحسین اور تعریف کے قابل ہیں - علاوہ مسالٹر

افغانستان کے یورپین ملازم

پاین کے مفصلہ ذیل انگریز امیر صاحب کے ملازم رہ چکے ہیں -

ڈاکٹر جان گرے - ایم - ڈی - (حال مستعفی)

کپتان گرسباچ - ماہر علوم طبقات (الارض [illegible])

مسٹر آرتہر کالنس - ایف جی - ایس - افسر معدنیات (حال مستعفی)

مسٹر کلیمنس میر اصطبل سابقہ (حال مستعفی)

اسکے علاوہ مس ہیملٹن[2] بہت مدت کابل میں رہیں - مس ہیملٹن کی حکمت کی

---

[1] مسٹر فرینک ایچ کلیمنس نے بہی جو امیر صاحب کے میر اصطبل رہے ہیں - فروری ۱۸۹۶ء میں مشہور لنڈن میں ایک لکچر امیر صاحب کی تدبیر و ملکی شائستگی کو ترقی دینے کے متعلق دیا تہا جسکا دلچسپ بیان ترجمہ کیا جاتا ہے -

"امیر صاحب افغانستان کی تہذیب میں بڑی کوشش کر رہے ہیں - وہ عقیل ہوشیار اور شخص صاف اور سچے ہیں اور جو کوئی انکی مرضی کے موافق کام کرتا ہے اس سے بہت خوش ہوتے ہیں اور جو وہ کہتا ہے وہی کرتے ہیں - ذرا انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ افغانستان کی ترقی چاہتا ہے

ایسی تعریف کابل میں ہوئی کہ لوگ اُسے بقراط ثانی اور جالینوس زماں سمجھنے لگے مسز کلیمنس اور مسز والٹر ۱۸۹۴ء میں کابل گئیں اور موسم تابستان وہیں گذارا مسز کلیمنس کا

پھر جو وہ مانگتا ہے اُسے دیتے ہیں۔ امیر نے اپنی ہی پوشاک محل دار السلطنت اسباب خانگی اور فوج کو یوروپ کے ڈھنگ کا نہیں بنالیا ہے۔ بلکہ وہ اپنی عملداری کو یورپین بنایا چاہتے ہیں۔ یہانتک کہ گھوڑے اور مویشی بھی ویسے ہی کر لیتے ہیں انکی فوج میں سوار بہت ہیں۔ اسلیئے گھوڑے بھی اسی نسل کے اپنے ہاں پیدا کراتے ہیں۔ عرب آسٹریلیا اور دیسی گھوڑوں کے بچے لیئے جاتے ہیں اور انگریزی عام گھوڑوں کی نسل میں بڑی ترقی کی ہے۔ مسٹر کلیمنس کہتے ہیں کہ میری تحت میں جو گھوڑوں کا کارخانہ ہے اسمیں ۲ پورے گھوڑے پرنس آف ویلز نیو مارکیٹ نارفوک اور چشایر سے مول منگوالئے گئے ہیں اور ۳۰ ہزار گھوڑیاں آسٹریلیا کی ویلر عربی ترکمانی ہراتی اور عام کابلی ہیں۔ ہاں عمدہ گھوڑے پرنس آف ویلز سے آئے ہیں اور جہاں کوئی عمدہ نسل سُنی جاتی ہے وہیں سے منگائی جاتی ہے۔ خچر ہندوستان سے خریدے جاتے ہیں۔ غرضکہ ہمارا کارخانہ خوب چل رہا ہے اور ہر صورت سے ترقی ہے۔ انگریزی نسل کے بچے چھوٹے تھوڑے کے خوب پیدا ہوتے ہیں البتہ ہڈی کی درستی میں کچھ زمانہ صرف ہوگا۔ امیر زین سواری کو پسند کرتے ہیں یا گاڑی کو؟ وہ زین سواری کے بہت شوقین ہیں۔ مگر چار پانچ قسم کی گاڑیاں بھی اُنکے پاس ہیں۔ انکے خاص اصطبل میں ۸۰ گھوڑے ہیں اور ایسے عمدہ ہیں کہ اگر کہیں ہونگے تو ایسے ہی ہونگے۔ اُنمیں ۱۲ تو عربی ہیں اور باقی سب دیسی ہیں اور سب عیب ہیں۔ افغانی گھوڑے بھی کچھ بُرے نہیں ہوتے چار برس پہلے تو یہاں گھوڑے کا ساز و سامان مشرقی ہوتا تھا مگر جب سے مسٹر پائن نے یہاں چمڑے کا کارخانہ کیا ہے۔ بڑے بڑے لوگ کابل کی زین کا استعمال کرنے لگے ہیں اور یہاں کی زینیں عام انگریزی شکار کی نقل کی ہوتی ہیں۔ افغان شہسوار ہوتے ہیں اور سرپٹ جاتے ہیں گو شکار کا شوق کم ہے۔ چاء نوشی اور مٹھائی کھانے سے دل بہلاتے ہیں۔ کبھی کبھی تھوڑی گولی سے شکار کھیلنے یا باز کے شکار کو نکل جاتے ہیں۔ جاڑوں میں تو وہاں انگلستان سے بھی زیادہ سردی پڑتی ہے کابل کے قریب پرندے کچھ ملجاتے ہیں اور برف کے مارے ہیڑ پہاڑیوں سے اُتر آتے ہیں۔ اُنکا چاہو تو شکار کر لو۔ پہاڑی بکریاں ملجاتی ہیں مگر بڑے جانور نہیں ملتے۔ حالانکہ ترکستان میں جنگلی سور اور شیر بھی ملتے ہیں۔ امیر صاحب ایک دفعہ شیر کا

امیر صاحب کا اصطبل

چھوٹا بچہ بھی اُنکے ہمراہ تہا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ جب ہم گاڑی میں سوار ہو کر
امیر صاحب کے درِ دولت پر گئے تو راہ میں لوگ ہمیں جہک جہک کر سلام کرتے تھے

[illegible]

بچے ترکستان سے لائے تہے۔ اور ہاتھی ہندوستان سے یہاں لائے گئے ہیں۔ امیر جیسے
گہوڑوں کے شوقین ہیں ویسے ہی بہیڑ کی طرف بہت رجوع ہیں۔ اُنکے لیئے بہیڑوں کے
بچے بھی لیئے جاتے ہیں۔ سو بہیڑیں مختلف نسل کی انگلستان سے منگائی ہیں اور سب

بہیڑونکی اون

ہیں جنکی اون بہت عمدہ ہوتی ہے۔ افغانستان کی بہیڑ کی اون ادنے درجہ کی ہوتی ہے
اور بڑھکے بال ہو جاتی ہے۔ اب دیکہیں کہ انگریزی بہیڑ کی نسل سے یہاں کیا نتیجہ نکلتا ہے
اگر اون یہاں اچھی ہونے لگی تو کپڑے کے لیئے اسکی بڑی مانگ ہوگی۔ یورپ کے فیشن کی تراش
کے کپڑے تو افغانوں میں پہیلگئے ہیں۔ یہہ محکمہ مسٹر والٹر کے ہاتھ میں ہے۔ جو اب انگلستان
گئے ہوئے ہیں۔ وہاں سے امیر اور اُن کے دربار کے لیئے بہت سا مال خرید کر لائیں گے۔ اور کارخانہ
کے لیئے کپڑا بھی آویگا۔ انگریزی پوشاک افغانوں میں بہت رائج ہوگئی ہے۔ سب جاکٹ، کوٹ
پتلون، قمیص، گلوبند اور نکٹائی کا استعمال کرنے لگے ہیں۔ امیر تو اب بالکل یوروپین معلوم ہوتے

افغانوں کی پوشاک

ہیں۔ مسٹر والٹر انگلستان سے امیر اور شہزادوں ہی کے لیئے کپڑے اور پوشاکیں خرید کے
نہ لاوینگے بلکہ افغانستان کے لیئے بھی انگریزی پوشاکیں آوینگی۔ بعض وقت امیر آرام
کے لیئے اپنی اصلی ڈہیلی ڈہالی پوشاک پہنکے پٹی باندھ لیتے ہیں۔ مگر پسند انگریزی ہی پوشاک
ہے اور پہنتی بھی آپکو خوب ہے۔ انگریزی وضع میں آپ بہلے معلوم ہوتے ہیں۔ ٹوپی استراخان
ترکمانی دیتے ہیں۔ جو عموماً وہاں مستعمل ہے۔ جاڑوں میں وہاں عموماً پوستین پہنا جاتا ہے یہ
ایک کوٹ بہیڑ کی کہال کا ہوتا ہے جسکی اون اندر رہتی ہے اور چمڑا باہر ہوتا ہے جسے
پیلا رنگ لیتے ہیں اور اکثر اُسپر کام بھی کرا لیا جاتا ہے۔ وہانکے درزی انگریزی کپڑا خوب
بنانے لگے ہیں۔ اور پہر مسٹر والٹر قطع کر دیتے ہیں۔ اور جن لوگوں کو اُنہوں نے اپنا شاگرد کر لیا
ہے وہ سی دیتے ہیں۔ یوروپین خیالات افغانی گروہ میں سماتے جاتے ہیں۔ انگریزی
بولنے والے دنیا کی شاخ اب کابل میں جا پہنچی ہے۔ افغانستان کی عام زبان فارسی ہے۔ مگر امیر تہوڑی
سی انگریزی بہی بول لیتے ہیں۔ اور درباری ترجمان نے شہزادہ حبیب اللہ خان کو اچھی

اور بہ آواز بلند دعائیں دیتے تہے۔ اور کہتے تہے ماندہ نباشی۔ مسز والر لاٹنے لکہا ہی کہ ملکہ یعنی بی بی حلیمہ نہایت خوبصورت شائستہ اور با اخلاق بیگم ہے مسز کلیمنٹس ہی

[illegible]

طرح انگریزی بولنا سکہا دیاہے۔ اونکے محل میں بہت سے یورپین اسباب ہیں کمروں میں یورپین میزیں اور کرسیاں ہیں۔ اور دیواروں میں انگریزی تصویریں لگی ہیں۔ اور انگریزی کلاک اور گہڑیاں وقت بتاتی ہیں اور انگریزی پیانو بجتے ہیں

سوال۔ امیر صاحب یورپین لوگوں سے کیسا اچہا سلوک کرتے ہیں۔ اور کابل میں یورپین لوگوں کی زندگی کسطرح بسر ہوتی ہے۔ امیر صاحب کی لیڈی ڈاکٹر مس ہملٹن کی ہمشیرہ کی اس گفتگو سے معلوم ہوسکتا ہے جو انسے ہندوستان میں ایک اخبار کے نامہ نگار سے کی تہی۔ اسمیں سے ایک حصہ اخذ کیا جاتا ہے:۔ میری ہمشیرہ میزیں کرسیاں اور اس قسم کی دوسری چیزیں اپنے ساتہہ لیتی گئی تہیں۔ پہر امیر صاحب نے بہی انکو بعض نفیس قالین وغیرہ مرحمت کیئے اور ہمارے آرام کی چیزیں اس طور سے بخوبی مہیا ہوگئیں۔ بازار کابل میں کہانے پینے کا بہت اچہا سامان پایا جاتا ہے۔ ہمکو اپنی ضرورت کی چیزوں کی محتاجی کبہی نہیں ہوئی۔ وہاں ہیڑ کا گوشت بہت اچہا ملتا ہے۔ لیکن ترکاریاں البتہ کم ہیں۔ خاصکر جاڑوں میں اور بہی کم ملتی ہیں۔ ہم لوگوں کی خبرگیری کے لیئے سات آٹہہ کوئی چہہ سپاہی متعین کیئے گئے تہے بعض اوقات تو سب کے سب ہیں لہٹے تہے اور کبہی تین ہی آدمی رہا کرتے تہے۔ لیکن اس سے ہمکو کچہہ سروکار نہ تہا۔ ہم جس وقت باہر نکلکر دیکہتے تہے تو ایک سپاہی ضرور بالضرور گہوم گہوم کر دروازے کے پاس موجود رہا کرتا تہا۔ زیادہ تر تو ہمکو انکی وجہ سے اس امر کا اطمینان رہا کرتا تہا کہ ہماری پیغام وغیرہ وہی لیجایا کرتے تہے۔ پہلے تو میں چہل قدمی کرنیکو شہر میں پیدل نکلا کرتی تہی۔ بعد اسکے جب لوگوں نے مجہسے بیان کیا کہ پاپیادہ چلنے کی حالت میں دیسی باشندے تمکو حقارت سے دیکہتے ہیں تو اس وقت سے سواری پر نکلتی رہی جب ہم لوگ باہر جاتے تہے تو ایک سپاہی ساتہہ چلتا تہا۔ کابل کی گلیاں نہایت کی تنگ ہیں۔

اس بات کی تائید کرتی ہے۔ جب یہ دونوں عورتیں امیر صاحب کے سامنے گئیں تو مسٹر کلیمنٹس کا چھوٹا بچہ دوڑ کر امیر صاحب کے پاس جا کھڑا ہوا۔ اور منہ اُنکے آگے کر دیا کہ چومو۔ امیر صاحب اُس سے بہت خوش ہوئے۔

[illegible]

اور بازار میں نہایت ہی ہجوم رہا کرتا ہے۔ لیکن ڈیلی باشندی جسکو ایک عجیب و غریب شئے تصور کرتے تھے۔ باغ میں ہم زیادہ ٹہل نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ بہت ہی چھوٹا تھا۔ لیکن اسپر بھی میوہ جات کے درخت سے بھرا ہوا تھا۔ خوبانی۔ سیب۔ انگور انجیر وغیرہ سب ہی قسم کے درخت موجود تھے اور لگائے ہمارے گھر میں خاص اپنی پلی ہوئی تھی اس وجہ سے بڑی لطف سے گذران ہوتی تھی۔ امیر صاحب انتہا درجہ کے مہربان رہتے تھے مثلاً ایک روز ہم لوگ افسوس کر رہے تھے کہ ہمکو لیموں اور نارنگیاں میسر نہیں ہوتی ہیں۔ یہ خبر کسی ذریعہ سے امیر صاحب کو پہونچ گئی انہوں نے ٹوکری بھر لیموں اور نارنگیاں بھجوا دیں۔ جبسے میں کابل گئی صرف چھ مرتبہ امیر کی ملاقات کی نوبت آئی۔ آپکو معلوم ہوگا کہ وہ ہمیشہ بیمار رہا کرتے ہیں۔ البتہ میری بہن ایک زمانہ میں تو اُنسے ہر روز ملاقات کیا کرتی تھی۔ جب وہ پہلے پہل کابل میں پہونچی تو اُس وقت امیر بہت ہی علیل تھے اور کارخانجات کے قریب اپنے ایک باغ میں رہا کرتے تھے اور میری بہن ہر وقت اُسکے احاطہ ہی میں بیٹھی رہتی تھی۔ آپ جانتے ہونگے کہ میری بہن وہاں ڈاکٹر کی حیثیت سے نہیں گئی تھی بلکہ نرس کے طور پر گئی تھی۔ اور امیر صاحب چونکہ علیل تھے انکو معلوم ہوا کہ ایک ڈاکٹر مل سکتی ہے تو اُنکو بلوا بھیجا۔ اور بعد ازاں میری بہن کی مہارت فن طب کا امیر صاحب پر بہت اثر ہوا۔ اُنہوں نے ترغیب دی کہ میری بہن کچھ زمانہ تک کابل میں مقیم ہو۔ اُنہوں نے وہاں مستقل طور پر رہنے کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے۔ اور امیر کے حالات سے اسکو کوئی واسطہ نہیں رہا۔ جب امیر اچھے ہو گئے تو انہوں نے وہ مکان جسمیں ہم لوگ رہتے تھے عنایت فرمایا اور وہ خود اپنے مکان کو چلے گئے جو ایک نفیس خشتی عمارت ہے اور بستان السرائے کے نام سے مشہور ہے۔ نامہ نگار کے اس سوال کے جواب میں کہ امیر تو بڑے مزے کے آدمی ہونگے مس ہملٹن نے ایسا جواب دیا کہ جو ایک عورت ہی اچھی طرح دے سکتی ہے کہ جو شخص اسکو

امیر صاحب کی مہربانی اور مدارات

جلا وطنی سے پہلے امیر صاحب کی شادی سردار فقیر محمد خاں کی دختر سے ہوئی
تھی جو امیر دوست محمد خاں کا بھتیجا تھا۔ اس زوجہ سے امیر صاحب کے ہاں ایک لڑکا
پیدا ہوا تھا جسکا نام عبد اللہ خاں تھا لیکن یہ دونوں ماں بیٹے امیر شیر علیخاں
کے ہاتھ آ گئے جب امیر بیچارہ جلا وطنی میں بھٹک رہا تھا شیر علیخاں نے امیر
کی والدہ کے ساتھ ان دونوں کو بھی قید کر دیا اور وہ طرح طرح کی اذیتوں
میں مبتلا رہے۔ جنوری ۱۸۷۹ء میں جرنیل ڈانلڈ سٹیورٹ نے قندھار پر
قبضہ کیا تو سردار عبد اللہ خاں جسکی عمر اُس وقت اُنیس سال کی تھی جرنیل
کی ملاقات کو آیا۔ بیچارہ کی والدہ اور نانی نہایت محتاج تھیں اور بیچاریوں
نے اپنے بچے بچائے زیور بیچکر عبد اللہ خاں کے لئے کپڑے خریدے تھے کہ آدمیوں
کی صورت میں جرنیل کے پاس جائے۔ چند دن کے بعد عبد اللہ خاں کی والدہ
ایسی بیمار ہوئی کہ اُسکے بچنے کی امید نہ رہی۔ آخر عبد اللہ خاں نے انگریزی
علاج شروع کیا اور وہ تندرست ہو گئی۔ امیر صاحب کی بیوی تو اچھی ہو گئی
مگر بیچارہ عبد اللہ خاں خود فوت ہو گیا۔ اور اُسکو باپ کا مُنہ دیکھنا
نصیب نہ ہوا۔

امیر صاحب کا پہلا بیٹا

دیکھے پسند کر لے۔ وہ ایک اس طرح کے آدمی ہیں جنکو جاذب القلوب کہنا چاہئے اور
کبھی کبھی تو وہ ہمپر خاص طور کی مہربانی کیا کرتے تھے۔ امیر صاحب نے ایک مرتبہ سنا تھا
کہ ہم لوگ دیسی روٹی رغبت سے نہیں کھاتے۔ اسپر اُنہوں نے اپنے باورچی کو حکم دیا کہ وہ
انگلش طریقے کی روٹیاں یعنی پاؤ روٹی تیار کرے اور بعد اسکے ہمکو ہمیشہ ویسی روٹیاں ملتی رہیں اور
خوب ہی کھائی گئیں۔ گو بوجہ کام کم ہونے کے ہمارا جی وہاں نہ لگتا تھا۔ تاہم ہم لوگوں کے پاس
ایک پیانو تھا جسکو امیر صاحب نے مستعار دیا تھا اور میری بہن نے امیر کے بعض کمسن غلاموں
کو پیانو کے بجانے کی تعلیم دی اور ان میں ایک شخص اچھی طرح بجا سکتا ہے۔ پھر کوئی ایک سو دیسی
مریض میری ہمشیرہ سے علاج کیلئے مکان پر آیا کرتے تھے۔ اس طرح یہ وقت کٹ جایا کرتا تھا۔

دو اولو شہزادے

امیر کی دوسری بیوی دختر جہاندار شاہ ہے۔ جو کسی زمانہ میں میر بدخشاں تھا
اس وجہ سے امیر کے ہاں کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ لیکن اسکی ایک پری چہرہ
کنیز کے بطن سے جسکا نام گل ریز ہے سردار حبیب اللہ خاں اور سردار نصر اللہ خاں
دو شہزادے پیدا ہوئے۔ اول الذکر سمرقند میں ۱۸۷۲ء میں اور آخر الذکر بڑے
بھائی سے تین سال بعد پیدا ہوا۔ لیکن امیر صاحب کی چاہتی بیوی اور حرم سرائے
کی ملکہ بی بی حلیمہ ہیں جو بی بی شمس جہاں دختر امیر دوست محمد خاں کی صاحبزادی
ہیں۔ بی بی حلیمہ کے والد کا نام عتیق اللہ خاں تھا جو مشہور ملا سید سراج اعظم
کا بیٹا تھا۔ ان سے امیر صاحب کو نہایت شغف ہے اور انہیں امیر صاحب کے
مزاج پر بڑا قابو ہے۔ اور کابل میں سلطانہ کے نام سے مخاطب کیجاتی ہیں۔
یہ بڑی دانا اور دقیقہ فہم ہیں اور فیاضی میں بھی بہت نام پایا ہے۔
ڈاکٹر گرے جب کابل میں تھے تو یہ کبھی کبھی ملکہ کا علاج بھی کیا کرتے تھے
بی بی صاحبہ ایک پردہ کے باہر اپنا ہاتھ پھیلا دیا کرتی تھیں اور ڈاکٹر صاحب
نبض دیکھ لیا کرتے تھے۔ وہ ڈاکٹر صاحب سے گفتگو بھی کیا کرتی تھیں۔ ایک
دفعہ انہوں نے اپنا مرقع انکو دکھایا۔ اور اپنے پہننے کی چند انگریزی وضع
کی ٹوپیاں بھی دکھائیں۔ ایک ٹوپی سیل مچھلی کے چمڑے کی تھی جس پر
گنگھیری کی دم اور مصنوعی پھول لگے ہوئے تھے۔ اور اپنا البم بھی خود تبلایا
یہ حقہ پینے کے بیحد شائق ہیں۔ اور باوجود ڈاکٹر کے اصرار کے بھی
نہیں چھوڑا۔ بلکہ رات کو نیند لانے کے لیے کلورل کھانے کے بھی عادی
ہیں۔ جو ہر چند کہ زہر ہے۔ مگر یہ ہر شام کسی قدر کھا جاتے ہیں
جولائی ۱۸۹۱ء کو بی بی حلیمہ کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔
جس کا نام شمس الدین رکھا گیا۔ مگر یہ بچہ ستمبر ۱۸۹۳ء میں

بیٹی فوت ہوگیا جس سے بی بی صاحبہ کو بہت صدمہ ہوا۔ لیکن ۱۵ دسمبر ۱۸۹۵ء میں خدا نے اُنہیں بمقام مزار شریف نعم البدل عطا کیا۔ اور اس نومولود کا نام محمد عمر رکہا گیا۔ جو اسقدر ہونہار اور امیر صاحب کا ہمشکل نظر آتا ہے کہ امیر صاحب اُس سے بڑی محبت کرتے ہیں اور اُسکے بچپن ہی میں شاہانہ عادات اور رعب و داب ظاہر کرنے پر خوش ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر گرے نے اس بچے کے پیدا ہونے پر امیر صاحب کے خوشی منانے کی مفصل کیفیت لکھی ہے۔

محمد عمر کا تولد

امیر صاحب نے ایک سال کی عمر ہی میں شہزادہ محمد عمر کو علیحدہ دو مکان بنام گلستان سرائے و بوستان سرائے اور علیحدہ نوکر چاکر اور کل سامان دیدیا تہا اور اسکا مکان و رسامان بہی سے اپنے دونوں بڑے بہائیوں شہزادہ حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں سے بہت عمدہ اور بیش قیمت ہے شہزادہ حبیب اللہ خاں امیر صاحب کا سب سے بڑا بیٹا اور تخت کا حقدار موجود ہے۔ امیر صاحب کے مزار شریف کے سفر اور اقامت کے ایام میں انکی غیر حاضری میں حبیب اللہ خاں نے بڑی لیاقت سے کابل کی حکومت کا کام سرانجام کیا ہے جو بڑا مشکل کام تہا اور وہی امیر صاحب کے ولیعہد بہی سمجھے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ انکی والدہ شاہی نسل سے نہیں اسلیئے خیال کیا جاتا تہا کہ شہزادہ محمد عمر آخر کار امیر صاحب کا جانشین قرار پائیگا کیونکہ افغانوں کی نظر میں شاہی ماں کے بطن سے پیدا ہونا بہت بڑی قسمت رکہتا ہے۔ اور ایسی نظر سے امیر دوست محمد خاں نے کئی بڑے بیٹوں کے ہوتے ہوئے شیر علیخاں کو جو چہوٹا تہا اپنا جانشین مقرر کیا تہا۔ شہزادہ حبیب اللہ خاں جب محمد عمر کی والدہ کے سامنے جاتا ہے تو بلا اجازت بیٹھ نہیں سکتا کیونکہ اسکی والدہ شاہی نسل سے نہیں تہی۔ گویا امیر صاحب نے شہزادہ حبیب اللہ کو ولیعہد بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لیکن اسکو مشتہر نہیں کیا

تقرر ولیعہد کا مسئلہ



سردار حبیب اللہ خان

ہر امر کو منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن بقول ڈاکٹر گرے کے ابھی سے کابل میں دو فریق موجود ہیں۔ ایک حبیب اللہ خاں کا طرفدار سمجھا جاتا ہے اور دوسرا سلطانہ کا۔ شہزادہ حبیب اللہ خاں بڑا باتمیز اور خوش مزاج خوبصورت نوجوان ہے جسم مضبوط اور اعضائے قوی مثل امیر صاحب کے ہیں۔ شکل بھی انسے ملتی جلتی ہے کسیقدر انگریزی بھی سیکھی ہے اور بہت ہر دلعزیز ہیں۔ تاہم گرے صاحب کی رائے میں یہہ طبیعت اور عزم کے بہت بڑے مستقل نہیں۔ اور اسلئے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ امیر عبد الرحمٰن خاں کا جانشین کون ہوگا۔ مگر آنریبل جی این کرزن عال نائب سکرٹری خارجہ نے افغانستان کے دلچسپ حالات جو خبار ٹائمز میں شائع کرائے تھے اُنمیں سردار حبیب اللہ خاں کی نسبت بہتر کئی ہوئی رائے ظاہر کی تھی۔ بقول اُنکے سردار صاحب نہایت باخلاق نوجوان ہیں۔ تمام ملک اُنکو پیار اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور اُنکی قابلیت بدرجہ غایت عمدہ اور قابل تعریف ہے۔ جو شخص اُنسے ملاقات کرتا ہے بے اختیار اُنکے اخلاق کی تاثیر اور لیاقتوں کی خوبی کا قائل ہوتا ہے۔ فی الحقیقت سردار حبیب اللہ خاں ہر طرح سے اس قابل ہیں کہ ولیعہد تصور کئے جاویں۔

شہزادہ نصراللہ خاں کا سفر انگلستان

شہزادہ حبیب اللہ خاں کا چھوٹا بھائی ایک ہی والدہ سے شہزادہ نصراللہ خاں ہے کہ جسکو پھر گذشتہ سفر انگلستان نے اُسے دنیا بھر میں مشہور معروف کر دیا ہے۔ یہہ بڑا دیندار اور صالح نوجوان ہے جو صوم و صلوٰۃ کا بالتخصیص پابند ہے۔ جب امیر صاحب نے شہزادہ نصراللہ خاں کو سفر لنڈن کے لئے نامزد کیا تو پھر صرف تعجب ظاہر کیا گیا تھا کہ امیر صاحب نے اپنے بجائے اپنے بڑے بیٹے کو بھی نہیں بلکہ اُس سے چھوٹے بیٹے کو روانہ کیا ہے۔ اور یہہ شاید ایسی ذمہ داری کے کام سے بخوبی عہدہ برآ نہ ہو سکیگا لیکن

نصر اللہ خاں نے جسطرح اِس اہم منصب کو انجام دیا اُس سے لوگوں کو ماننا
پڑا کہ وہ بیشک لایق باپ کا لایق بیٹا ہے۔ ایک اَور بیوی کے بطن سے امیر
صاحب کا ایک لڑکا حفیظ اللہ ہے جسکی عمر سترہ اٹھارہ سال کی ہوگی۔

افغانستان کے محاصل میں ترقی

امیر صاحب نے اپنے زمانہ میں افغانستان کے محاصل کو بھی بہت کچھ ترقی دی
ہے۔ گو افغانستان کے سرکاری مداخل و مخارج کا اندازہ تو گورنمنٹ ہند کو بھی امیر
صاحب نے نہیں بتلایا ہوگا۔ لیکن ظاہر ہے کہ امن کے زمانہ میں ہر طرح سے کسی
ملک کی سرکاری آمدنی بڑھ جاتی ہے۔ مگر امیر صاحب نے اِسکو بڑھانے کے لیئے
طرح طرح کے طریقے اختیار کیئے ہیں۔ محصول چنگی تو اسقدر بڑھا دیا ہے کہ افغانستان
کی چیزیں جو ممالک غیر کو آتی ہیں۔ اُنکی لاگت دفعتاً دوچند ہوگئی ہے۔ کابلی گھوڑے
کابلی پوستینیں اور پستہ بادام کشمش وغیرہ اِسکے شاہد ہیں۔ بلکہ بعض صورتوں
میں امیر صاحب نے سہولت اِس بات میں سمجھی ہے کہ وہ خود ہی کسی خاص چیز
کی فروخت کا اجارہ رکھیں۔ چنانچہ اِس وقت افغانستان کی پوستینوں
باداموں پستہ مغز اور کشمش کے وہ خود اجارہ دار ہیں۔ تمام ملک کی پیداوار
ایک مناسب نرخ سے لوگ اُنکے پاس فروخت کرتے ہیں۔ اور وہ جس قیمت
سے چاہتے ہیں ان چیزوں کو ممالک غیر میں فروخت کرتے ہیں۔ پشاور میں
امیر صاحب کا بادام بیچنے والا عہدہ دار ایک بہت بڑا افغان افسر ہوتا ہے
اِسکے علاوہ افغانستان میں چھوٹی چھوٹی پلوں اور چوکیوں پر امیر صاحب
نے محصول لگا رکھے ہیں۔ گورنمنٹ ہند جب تجارت کی رپورٹیں چھاپتی
ہے تو افغانستان اور ہندوستان کے درمیان کی تجارت کے کم ہو جانے پر رائے
دیجاتی ہے کہ امیر صاحب تجارت کا گلا گھونٹ رہے ہیں[سلہ]۔ اور کہ وہ اِس سے اپنی

سلہ جبکہ ہم امیر صاحب پر تجارت کو نقصان پہونچانیکا الزام دیتے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۴۴)

آمدنی کا بھی نقصان کر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں وہ اپنی آمدنی کے نفع نقصان کو بخوبی سمجھتے ہیں اور انہوں نے اپنے عمدہ انتظام اور ٹکسوں کے بڑھا دینے سے جو ترقی افغانستان کی آمدنی میں کی ہے اگر اسپر گورنمنٹ ہند کی سالانہ امداد اور امیر صاحب کے بڑے بڑے جرمانے اور تاوان جو وہ اپنی رعایا اور

[illegible]

تو اُس وقت ہم اُنکے سب حالات سے واقف نہیں ہوتے وہ اپنی خاص طرز میں اپنی تجارت کو ایسا ہی زندہ بھی کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ کابل کو مہذب اور اہل کابل کو شائستہ بنانا چاہتے ہیں۔ اسکے متعلق مجھے ایک تاجر سے معلوم ہوا ہے کہ جب امیر صاحب راولپنڈی سے واپس جا رہے تھے تو دو روز پشاور میں قیام کیا۔ اور وہاں ایک پارسی جنرل مرچنٹوں کی دکان کو جسکا نام جہانگیر اینڈ کمپنی تھا دیکھا۔ امیر صاحب نے چاہا کہ یہ دکان ایک شاخ کابل میں بھیجدے چنانچہ امیر صاحب نے اِس دکان سے کئی ایک رعایتیں کرنیکا بھی وعدہ کیا۔ اور اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ دوکان کو سرکاری مکان سوائے موتی دروازہ لاہوری میں بلا کرایہ دیگئی۔ دوکان کی اسباب پر سرکاری ٹکس چنگی وغیرہ معاف کیا گیا۔ دوکان کے مالکوں کو ایک لاکھ روپیہ بلا معاوضہ دو سال کے لیئے قرض دیا۔ دوکان کی حفاظت بذمہ سرکار رکھی اور دوکان کے ایک حصہ بکری کی وصولی سرکاری اہلکاروں کے ذمہ کر دی۔ اصل لاگت اور خرچہ پر ۲۰ فیصدی نفع دینا منظور کیا۔ اِن سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب کو اپنے دارالخلافہ میں ایسی دوکان رکھنے کا کسقدر شوق تھا

تاوان کے ذکر کے متعلق اسقدر ضرور بیان کر دینا چاہیئے کہ امیر صاحب کی نسبت مشہور کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے طامع ہیں کہ کسی رئیس یا امیر کے پاس زیادہ روپیہ دیکھ نہیں سکتے۔ اور کسی نہ کسی حیلے سے اُس روپیہ کو خزانہ شاہی میں داخل کر لیتے ہیں چنانچہ جب کابل کی جامع مسجد امیر صاحب نے تعمیر کرائی تھی تب بھی مشہور ہوا تھا کہ وہ ایک سوداگر کا مال ضبط کر کے اِس رقم سے تعمیر کی گئی ہے۔ مگر میں اسکا یہی جواب دونگا کہ بوجہ افغانوں ایسی سخت قوم اور جاہل اور بددیانت اہلکاران سے سابقہ پڑنے کے امیر صاحب کی نیک نیتی کی غلط تاویلیں کیجاتی ہیں۔ جو اہلکار رعایا کو لوٹ لوٹ کر موٹے ہوئے ہیں

اہلکاروں سے وصول کرتے رہتے ہیں بڑھا دیئے جائیں تو یقیناً افغانستان کے

محاصل معقول مقدار تک پہونچ جاتے ہیں۔

امیر صاحب کے انتظام حکومت کی بڑی سے بڑی باتوں میں انکا سلسلہ خبر رسانی

کا انتظام ہے۔ اور میرے خیال میں انکی زندگی کے حالات خواہ کیسے ہی اختصار کے

ساتھہ لکھے جاویں وہ کبھی مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتے جبتک کہ انکے محکمہ مخبری

کا ذکر نہ کیا جاوے۔ امیر صاحب نے ہر قسم کی خبریں افغانستان کے اندر اور اسکے باہر

صحت کے ساتھہ خفیہ طور پر حاصل کرنیکا ایسا عمدہ انتظام کر رکھا ہے کہ جس سے بہتر

کی خواہش نہیں ہوسکتی۔

کابل میں سلسلہ مخبری

قدیم زمانہ میں ممالک مشرقی خصوصاً ملک عرب کے بادشاہ بھیس بدلکر رات کو رعایا

کے حالات معلوم کرنیکو نکلا کرتے تھے۔ مگر معلوم نہیں کہ امیر صاحب کیا کرتے ہیں کہ افغانستان

اور خصوصاً کابل کے ایک آدمی اور ایک ایک اغذ کا حال امیر صاحب کو معلوم ہوتا رہتا

ہے۔ کابل کی دوکانوں اور مکانوں میں جب لوگ باتیں کرنے لگتے ہیں تو انہیں ہمیشہ

اس بات کا شک رہتا ہے کہ امیر صاحب انکی بات کو بجنسہ سُن رہے ہیں لیکن

اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ امیر صاحب نے ہندوستان میں ایسا

(حاشیہ)

اور امیر صاحب کے محاسبہ میں پورے نہیں اترتے انکا مال و اسباب امیر صاحب ضرور ضبط کرلیتے ہیں۔ اور وہ محاصل جیسا کہ انکے ملک کا طریق انصاف ہے اسکے روبرو ادا کرنے کے سوائے اور کوئی چارہ بھی نہیں۔ اب ضبط کیا ہوا مال اگر خزانہ سرکار میں جاوے تو اور کہاں جاوے۔ سلطنت انگریزی میں بھی جرمانہ کا روپیہ سرکار کا ہی حق ہوتا ہے ایک شخص نے جو امیر صاحب کے دربار میں رہا حاضر رہا ہے مجھسے بیان کیا ہو کہ امیر صاحب کا قول ہے کہ اگر بادشاہ کی نیت میں طمع ہو تو رعایا سرسبز رہتی ہے مگر بمقدار زیادہ کم رہتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو کچھ امیر صاحب کرتے ہیں نیک نیتی اور انصاف کی غرض سے کرتے ہیں اپنی نیت کی مطابق وہ اسکا ثمرہ بھی دیکھہ رہے ہیں (مؤلف)

اچھا انتظام خبر رسانی کا کیا ہوا ہے کہ بمبئی میں کوئی افغان امیر صاحب کے خلاف
ایک لفظ زبان سے نکالتا ہوا جھجکتا ہے اور اُسے شک ہوتا ہے کہ میری
یہی بات امیر صاحب کے کان تک جا پہنچے گی۔ شہنشاہ محی الدین عالمگیر اورنگ زیب
کی نسبت مشہور ہے کہ اسکو اپنے کسی اہلکار پر اعتبار نہیں تھا بلکہ ہر ایک پر ایک مخبر
چھوڑ رکھا تھا مگر امیر صاحب کی نسبت مشہور ہے کہ نہ صرف اہلکاروں پر بلکہ رعایا پر
بھی مخبر چھوڑ رکھے ہیں۔

امیر صاحب کے باخبر رہنے کی تدبیر

کچھ عرصہ گذرا ہے ہندوستان کے کسی انگریزی اخبار نے ایک دلچسپ قصہ امیر
صاحب کے سلسلہ خبر رسانی اور جاسوسی کے متعلق لکھا تھا۔ جو غالباً ایک فرضی
قصہ تھا۔ لیکن چونکہ وہ امیر صاحب کے اس ضروری محکمہ کی کارروائی کی بہت عمدہ
مثال ہے اسلئے میں اُسکا خلاصہ ذیل میں درج کرتا ہوں :-

"چند روز کا ذکر ہے کہ تین شخص مسافروں کی حیثیت میں سفر کرتے ہوئے کابل
پہنچے اور نان بائی کی دوکان پر جا بیٹھے۔ ایک مسافر سے ایک شخص نے پوچھا
کہ تم کابل کو کیوں جاتے ہو۔ اُسنے جواب دیا کہ سفید پوش آدمی ہوں لڑکے کی شادی
درپیش ہے۔ پانسو روپیہ نقد ہو تو کارِ خیر ہوتا ہے۔ نہیں تو ناک کٹتی ہے۔ اب کابل کو
امیر صاحب کا نام سنکر جاتا ہوں ممکن ہے کہ حاجت پوری ہو جائے۔ سائل نے
یہہ سنکر فرمائشی قہقہہ مارا۔ اور کہا ارے میاں ہوش کی دارو کرو۔ اور عقل کے
ناخن لو۔ امیر صاحب تو وہ ذات شریف ہیں کہ جنکا دیدار خدا کسی دشمن کو خواب
میں بھی نصیب نہ کرے اور انکی شر سے بچا دے۔ آپ انسے پانسو روپیہ جھٹکانے
جاتے ہیں۔ یہہ سنکر یہہ صاحب تو خاموش ہو گئے۔ اور ایک اور صاحب جو اسی
جماعت میں شریک تھے بولے کہ اب امیر صاحب درست ہو جائینگے۔ خدا نے
اُنکا علاج کرنیوالا بھیجدیا ہے کہ ہر دم منحوس آ رہا ہے۔ یہ یہیں بیٹھے تھے

اُنکی باتیں اُسی وقت امیر صاحب کی خدمت میں پہونچگئی تھیں امیر صاحب نے اُن تینوں کو دربار میں طلب کیا۔ سب سے پہلے امیر صاحب اُس شخص سے مخاطب ہوئے جس نے پانچسو روپیہ کی آرزو ظاہر کی تھی وہ ڈر کے مارے بول نہ سکا لیکن آخر کو سچ سچ بولنا پڑا۔ اُسکا حال سُنکر امیر صاحب نے اُسکو پانسو روپیہ دلوا کر رخصت کیا۔ اِسکے بعد اُس شخص کی نوبت آئی جو امیر صاحب کا دیدار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُسکا حال سُنکر امیر صاحب نے اُسکو دو سپاہیوں کی حراست سے ملک بدر کر دیا۔ پھر وہ اجل رسیدہ پیش ہوا جس نے کہا تھا کہ امیر صاحب کی مزاج پرسی کے واسطے روس آرہا ہے حکم ہوا کہ اِس شخص کو فلانے میدان میں درخت کی چوٹی پر باندہ کر پھر اُس شخص کیطرف مخاطب ہوکر بولے کہ خبردار ہوشیار رہنا جب روس آوے تو ہمکو خبر کرنا۔

آجکل بعض اینگلو انڈین اخبارات میں امیر صاحب پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ اُنہوں نے اپنے چند ارمنی ملازموں کو افغانستان سے یہہ کہکر نکالدیا ہے کہ تمہاری اہل قوم نے سلطنت عثمانیہ میں سلطان المعظم کے خلاف بغاوت کر کے اِس سلطنت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اسلئے میں تمکو اپنی قلمرو سے خارج کرتا ہوں اور اِس بنا پر یہہ اخبارات امیر صاحب کو ایک متعصب بادشاہ قرار دیتے ہیں۔ مگر میری رائے میں امیر صاحب کا اپنی رعایا اور ملازموں سے برتاؤ اور اُنکے انصاف کرنے میں امیر صاحب کے طریق عمل پر اعتراض کرنا مشکل ہے۔ افغانستان میں ہندو بھی بہت آباد ہیں مگر امیر صاحب کے انتظام اور انصاف کے متعلق اُنھیں ہرگز کوئی شکایت نہیں۔ اپنی عبادت کے وقت ہندو ڈھرتے سے ناقوس بجاتے ہیں۔ البتہ اذان کے وقت نہیں بجاتے۔ ویسے ہی امیر صاحب کی ملازمت میں ہندو مسلمان پارسی عیسائی غرض ہر مذہب اور قوم کے لوگ رہچکے ہیں اور

امیر صاحب متعصب نہیں

رہتے ہیں لیکن کبھی مذہب کے خیال نے انہیں کسی سے خاص سلوک یا بدسلوکی کرنے کی تحریک نہیں کی۔ وہ صرف لیاقت کو دیکھتے ہیں اور اُسی کے مطابق عزت کرتے ہیں۔ جن چند آرمینوں کے کابل سے نکالے جانے کی شکایت کیگئی ہے اُنکی صورت پر غور کرنے کے لیئے امیر صاحب کے مندرجہ ذیل خط کو ضرور پڑھ لینا چاہیئے۔ وہو ہذا:۔

"بعد اظہار عنایات و مکارم کے کلکتہ کے ارمنی عیسایوں کو معلوم ہو کہ مرحوم نادرشاہ کے عہد دولت میں ارمنی عیسائیوں کے چند خاندانوں نے جنمیں ایک سو آدمی شامل تھے کابل میں آ کر سکونت اختیار کی اور آرام و راحت کے ساتھ اپنا گذر اوقات کیا۔ آجکل صرف ایک خاندان ارمنی عیسائیوں کا کابل میں باقی رہگیا ہے جسمیں بوڑھے جوان اور بچے سب ملاکر اکیس آدمی ہیں۔ اُنکی ہمقوم کے یہاں نہ ہونے کے سبب سے اُنکو تنہائی کی تکلیف ہے۔ ہمارے سابق فرمانرواؤں اور موجودہ حکومت میں اُنکو کسی طرح کی تصدیع و تکلیف نہیں پہونچی بلکہ بوڑھے جوان سب ارمنی لوگوں کو سرکاری خدمات اور معقول وظائف دیئے جاتے ہیں جس سے اُنکی زندگانی عیش و آرام کے ساتھہ بسر ہوتی ہے۔ تمہاری مذہبی اور قومی ہمدردی کے لحاظ سے میری خواہش ہے کہ تم اپنے ہمقوموں کے دس بارہ خاندانوں کو جنمیں تعلیم یافتہ اور اچھے حرفت اشخاص شامل ہوں افغانستان میں بود و باش کرنے کے لیئے کابل کو روانہ کردو۔ جن سے یہاں کے ارمنیوں کی تنہائی کی تکلیف رفع ہو جاوے اور سب ملکر عیش و آرام کے ساتھہ اوقات بسر کریں گے۔ ہمارے ملک میں سکونت ہونیکے بارہ میں ہم تمکو یقین دلاتے ہیں کہ تمکو مراتب اور وظائف اور رہنے کے لیئے مکان ہر ایک شخص کی حیثیت اور لیاقت و مرتبت کے موافق عطا کیئے جائینگے اور یہ کہ تمہاری جان و مال کی کامل طور سے حفاظت کیجائیگی۔

آرمینیوں کو دعوت

یہہ خط امیر صاحب نے غالباً اپریل یا مئی ۹۶ء میں لکھکر ہندوستان کو بھیجا ہے
اور کلکتہ سے ارمنیوں کو کابل میں رہنے کے لیے بلایا ہے۔ اظاہر ہے کہ اپریل یا
مئی ۱۸۹۶ء میں ارمنیوں کے ٹرکی میں فساد کرنے کی خبر اظہر من الشمس تھی کیونکہ
وہ بہت عرصہ پہلے سے شورش مچا رہے تہے۔ اور امیر عبدالرحمن خاں ایسے بیخبر نہیں
کہ انہیں ارمنیوں کے ٹرکی کے خلاف مفسدہ پردازی کی پہلے خبر نہ ہو۔ پھر جبکہ انہوں نے
اس بات سے بخوبی واقف ہو کر ارمنیوں کو بلایا تہا اور بعد میں انکو بہت جلد
نکالدیا تو ضرور کسی انکے ذاتی قصور سے انہیں نکالا ہوگا۔ یہہ امر باور کرنے کے
وجوہات موجود ہو سکتے ہیں۔ کہ امیر صاحب کو سلطنت ٹرکی سے ہمدردی اور سلطان المعظم
سے ارادت ہو۔ لیکن اس صورت میں بہی ارمنیوں کو کابل سے نکالدینا لازم نہیں آتا
جبکہ قسطنطنیہ میں وہ ہزاروں اور لاکہوں موجود ہیں۔

امیر صاحب کا غیر مذاہب سے سلوک

اوائل ۱۸۹۱ء میں امیر صاحب نے اپنی رعایا کی بعض سرکش قوموں کو جو شیعہ
مذہب رکھتی ہیں بوجہ انکی شورہ پشتی کے خوب سرزنش کی تھی۔ ہزارہ جات
کے لوگوں کو جو ہمیشہ سے سرکش چلے آتے تہے مطیع کیا تہا اور کسی وجہ سے اپنی
ایک شیعہ رجمنٹ بالکل توڑ دی تھی۔ اسپر اخبارات میں امیر صاحب کے شیعوں
کا دشمن ہونیکا الزام دیا گیا تہا۔ اس وقت بعض لوگوں نے یہہ بھی رائے دی تھی کہ
یہہ اثر شہزادہ حبیب اللہ کے جو شیعوں سے بہت بیزار ہیں امیر صاحب کے دل
ہے۔ مگر بعد کے معاملات نے ثابت کر دیا ہے کہ امیر صاحب مذہبی اختلاف کی وجہ
اپنی رعایا کے کسی فرد و بشر سے دشمنی نہیں رکہتے۔ انکے ملک میں ہندو بھی بہت
سے آباد ہیں مگر امیر صاحب انسے ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا کہ مسلمانوں
سے کرتے ہیں۔ اس سے پہلے افغانستان میں ہندو رعایا کے لیئے ضروری تہا کہ سرخ
پگڑیاں پہنکر بازار میں نکلیں مگر آجکل یہہ قانون بہی منسوخ ہو چکا ہے۔

امیر صاحب نے کافرستان میں اسلام پھیلانے کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن سختی سے ہدایت کرنے کا ہرگز حکم نہیں۔ صرف پولیٹیکل مصلحتوں کے لحاظ سے ان لوگوں کا مسلمان ہو جانا مستحسن سمجھا گیا ہے۔

امیر عبدالرحمن خاں صاحب کی اگر سب تحریریں فرمان اور مراسلات جمع کیئے جائیں تو رقعات ابوالفضل کے مقابل کی کتاب تیار ہو جاوے۔ لیکن کوئی ایسی کتاب تیار ہو یا نہ ہو امیر صاحب کے مصنف ہونے میں کلام نہیں رہتا۔ امیر صاحب نے اپنے تزک کا ایک حصہ لکھکر ہی مصنفوں کی جماعت میں قدم نہیں رکھا بلکہ ایک دوسری تصنیف تقویم الدین نے بھی انہیں مصنف کہلانیکا مستحق کر دیا ہے

امیر صاحب بحیثیت مصنف۔

اس کتاب میں جیسا کہ ذیل کے خلاصوں اور اقتباسوں سے ظاہر ہوتا ہے اہل افغانستان کو قرآن اور حدیث کے احکام کے مطابق اپنے ملک کی حفاظت کے لیئے مذہبی جنگیں کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اور مسلمانوں کو حفاظت خود اختیاری کے لیئے کافروں سے جہاد کرنے اور شہید ہونے کی تاکید کیگئی ہے۔

تقویم الدین سنہ ۱۳[illegible]ھ میں فارسی زبان میں بہت خوشخط اور عمدہ چھپائی کے ساتھ قریب ۲ سو صفحے کے حجم پر امیر صاحب کے مطبع واقع کابل میں چھاپی گئی۔ امیر صاحب کو اسکی تصنیف میں تیرہ علماء نے مدد دی کہ جنکی مہریں اخیر میں ثبت ہیں۔ امیر صاحب کا اپنا دستخط بھی کتاب کے اخیر میں اس طور پر چھپا ہوا ہے:۔

تقویم الدین کا خلاصہ مطلب

"امیر عبدالرحمن خان دستخط کردم فقط"

امیر صاحب کے حکم سے میر محمد عظیم خاں سارجنٹ میجر اور عبدالرزاق دہلوی کے اہتمام سے یہ کتاب چھپی ہے جو چھ فصلوں یعنی چار ابواب ایک دیباچہ اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اور کل کتاب میں ۳۶۰ آیات اور حدیثیں اقتباس

کی گئی ہیں۔

جہانتک میں کہہ سکتا ہوں یہ کتاب کسی زور عایا مؤ انگریزی کی قبضہ میں یا قلمرو سرکاری میں نہیں پائی گئی۔ اور جو کچھ اس کتاب کے مطالب کی نسبت لوگوں کو علم ہوا ہے وہ صرف دو تین انگریزی اخبارات کی تحریرات سے ہوا ہے۔ سب سے پہلے پاؤنیر یا ٹائمز آف انڈیا نے اس کتاب کی کیفیت سے اطلاع دی تھی۔ اور پھر سول اینڈ ملٹری گزٹ نے سنہ ۱۸۹۵ء میں اسکا خلاصہ شایع کیا ہے۔ چنانچہ میں اُن خلاصوں کو ذیل میں نقل کرتا ہوں۔ امیر صاحب نے قرآن حدیث اور فقہ سے وہ تمام مسایل جمع کر لیے ہیں جو حفاظت سلطنت۔ خدمت بادشاہ اور مذہبی جنگوں کے متعلق وارد ہیں۔ اور جنمیں مسلمانوں کو اپنا ملک کافروں کے دستبرد سے بچانے کی تاکید کی ہے عیسائیوں کا اسمیں کہیں ذکر نہیں ہے۔ ساتھ ہی ایک جگہ یہہ بھی لکھا ہے کہ تمہارے بادشاہ کا خواہ کیا مذہب ہو اُسکی اطاعت کرو۔ بعض اخبارات نے اشارہ کیا ہے کہ یہ کتاب ہندوستان کی مسلمان فوجوں میں امیر صاحب نے تقسیم کرائی ہے مگر یہ بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل انتخاب "تقویم الدین" کا سول اینڈ ملٹری گزٹ نے شایع کیا تھا۔

سبب تالیف کتاب کے متعلق تقویم الدین کے دیباچہ میں لکھا گیا ہے کہ ایک روز امیر صاحب اپنے محل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے علما کو طلب کر کے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسی کتاب تصنیف کیجائے کہ جس سے مسلمانوں کے دلوں میں جہاد کا جوش پیدا ہو۔ اور اُنکے مذہبی اعتقادات نسیاً منسیاً ہونے سے محفوظ رہیں۔ اسبارہ میں جسقدر مضامین لکھے جائیں وہ پہلے میرے گوشگذار کر لیے جائیں تاکہ مجھے بھی اُنپر غور و خوض کرنیکا موقع ملے۔ اور اسطرح ایک موزون رسالہ مرتب ہو جائے" علما حسب الامر امیر کے پاس کتابیں لکھکر لیگئے۔ جنہوں نے اکثر مقامات میں اضافہ و ترمیم کے علاوہ قرآن کی بعض آیتیں بھی داخل

کر دائیں - اور ایک حافظ کو بلانے کا حکم دیا - لوگ غلطی سے دیوان حافظ کو لیگئے تیز جنگ
نے کہا کہ میرا یہ مطلب نہ تھا - خیر اب چونکہ یہہ کتاب بلا طلب پہنچگئی ہے - اس لیئے
اس سے شگون لینا چاہیئے جب امیر صاحب نے کتاب کھولی تو حسب ذیل مضمون کا شعر نکلا
"نسیم سحری کل یہ مژدہ لیکر پہنچی کہ تیری تکالیف کا زمانہ ختم ہو چکا ہے - اور
جب حافظ وصل جنت ہوگا تو اسکی فتح و نصرت کا پھریرا آسمان تک پہنچ جائیگا"
امیر صاحب اس شعر کو پڑھکر باغ باغ ہوگئے - گھڑی دیکھی تو ساڑھے بارہ بجے
دوپہر کا وقت تھا - اُسیوقت نماز جمعہ کی اذان کان میں پہنچی - شاہی منجم کو
بلا کر پوچھا کہ کیا یہ اچھا وقت ہے ؟ اُسنے سوچ بچار کر کہا کہ "خدا سے دعا مانگنے اور علما
کو فراہم کرنے کے لیئے یہہ نہایت ہی مبارک ساعت ہے" عین اسی وقت بارش بھی
شروع ہوگئی جو مسلمانوں کے اعتقاد میں رحمت کی علامت اور اجابت دعا کا عمدہ
وقت سمجھا جاتا ہے - چنانچہ ہز ہائینس نے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی جسکا خلاصہ یہ ہے -
"اے قادر مطلق خدا! اپنے پیغمبر کے دین کی قیام قیامت تک محافظت کر -
افغانوں کو آفات ارضی وسماوی سے بچا - تمام مسلمانوں بالخصوص افغانوں کو
صراط مستقیم کی ہدایت کر جس سے تیری خوشی حاصل ہو -

وجوب جہاد - پہلی فصل میں لکھا ہے کہ قرآن کی اس آیت کے بموجب کہ "ان
بت پرستوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں" جہاد تمام مسلمانوں پر واجب ہے لیکن
بعض مفسدین نے جہاد کو فرض کفایہ لکھا ہے - گویا یہہ ایک ایسا فرض ہے کہ جسکو
اگر چند مسلمان بھی انجام دیں تو سب سے ساقط ہو جاتا ہے - لیکن جب چاروں طرف
سے مسلمان کافروں سے محصور ہو جائیں تو اُس وقت یہ کفایہ نہیں رہتا - بلکہ واجب
ہو جاتا ہے - ایسی حالتیں مجاہدین کو کفار سے اس وقت تک لڑنا چاہیئے جبتک
کہ فساد فرو نہو جائے - یا کفار اطاعت نہ قبول کرلیں - یا خدا کی وحدانیت کے

ملک کی اُنمیں اشاعت نہو جائے۔ مزید برآں خدا تعالیٰ فرماتا ہی کہ "تم میرے واسطے ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ لیکن اپنی حد سے تجاوز نکرو۔ اور نہ تجاوز کرنیوالوں کو دوست رکھو"۔

موعودہ ثواب ؂ ۔ خدا اُن لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اپنے اور مذہب اور قوم کے بچانے کے لیئے مردانہ وار لڑتے ہیں پیغمبر فرماتے ہیں کہ "خدا مجاہد کے اُن تمام گناہوں کو معاف کردیتا ہے جو کسی اور سے تعلق نہیں رکھتے"۔ قرآن کی ایک آیت کا مضمون یہ ہے "وہ لوگ جو اسکے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں اور جان و مال کو دکافروں سے لڑکر خدا کی راہ میں قربان کرتے ہیں وہ اجر عظیم کے مستحق ہیں۔ دوسری دنیا میں بہشت باغ اُنکو عطاء ہونگے"۔ پیغمبر کی ایک حدیث ہی کہ "جب مجاہد بہشت میں داخل ہوگا تو خدا اس سے فرمائیگا کہ تو ہماری خاص شفقت اور عنایت کے سایہ میں آگیا۔ اور یہ عطیہ عظمےٰ بہشت کی تمام نعمتوں پر فوق رکھتا ہے"۔

قرآن میں وارد ہے کہ "جو کچھ تم مقدس جہاد کے قایم رکھنے میں صرف کروگے بلا ناکامی اُسکا بہت بڑا اجر ملیگا۔ وہ اشخاص جو اشاعت اسلام میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ اُنکی گیہوں کے دانوں کیسی مثال ہے کہ ایک دانہ میں سات خوشے لگتے ہیں اور ہر ایک خوشے میں سو دانے۔ خدا اس سے دگنے بھی عطا کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ بڑا فیاض اور علیم ہے اور جو اپنے سرمایہ کا کچھ حصہ اسمیں خرچ کرتے ہیں وہ سچے مسلمان ہیں اور انھیں کے واسطے معافی اور بہشت ہے"۔

پیغمبر فرماتے ہیں کہ "وہ شخص جو خود تو میدان میں نجائے مگر مجاہدین کے واسطے ہتھیار خوراک اور دیگر ضروری سامان جنگ مہیا کرے اُسکو سات سو گنا اجر ملتا ہے۔ اگر وہ خود بھی شامل جہاد ہو تو سات لاکھ گنا ثواب عطا ہوتا ہے۔ جو لوگ کہ اسلامی ممالک کی حدود کی محافظت کریں انکی ایک نماز اُن مسلمانوں کی پانچ سو نمازوں کے برابر ہے جو گھروں میں ادا

گیجا ئیں گا"

جب اسلامی ممالک پر کفار حملہ کریں تو ہر ایک مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت جوان ہو یا بوڑھا۔ آقا ہو یا غلام۔ جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ انکو شوہروں۔ آقاؤں۔ محافظوں وغیرہ کی بلا اجازت فوراً میدان جنگ کا رخ کرنا چاہیئے۔ مسلمان ہر گا پابند ہیں کہ وہ کسی بادشاہ کے جھنڈے کے نیچے۔ خواہ وہ عادل ہو یا ظالم جہاد کریں۔ انکو مقدس جنگ کے واسطے اپنی جان و مال روپیہ کا ذرا بھی خیال نہیں ہونا چاہیئے اور اپنی عزت اور ایمان کی ذلت ہرگز گوارا نہیں کرنی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں میدان جنگ میں شہید ہوئے مرا نہ سمجھو۔ نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور خدا کی بخششوں سے خوش و خرم ہیں" پیغمبر کا قول ہے کہ مجاہد کے واسطے یہ چھ خاص اعزاز ہیں (۱) اسکے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں (۲) فشار قبر سے مامون رہتا ہے (۳) روز باز پرس کے تفکرات سے بچ جاتا ہے (۴) سر پر جلال کا تاج پہنتا ہے (۵) بہتر سیاہ چشم حوریں اسکو عطا ہوتی ہیں (۶) نیز وہ اپنے ستر رشتہ داروں کو بھی اپنے ساتھ بہشت میں لیجاتا ہے۔ جو شخص جہاد کے ارادہ سے گھر سے نکلے اور رستہ میں مر جائے خواہ گھوڑے سے گر کر یا کسی زہریلے جانور کے ڈسنے سے یا اجل طبعی سے وہ بھی شہید سمجھا جائیگا۔ اور بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جو جہاد سے زندہ مراجعت کرینگے۔ انکے بھی اچھے ہیں۔ لڑائی میں ثابت قدمی:۔ قرآن میں لکھا ہے کہ "اے سچے مسلمانو! جب تم کسی گروہ کفار سے مقابلہ کرو۔ تو استقلال سے ڈٹے رہو۔ اور اکثر خدا کو یاد رکھو تاکہ تمھیں کامیابی ہو۔ خدا اور اسکے رسول کی اطاعت کرو۔ مغرور نہ ہو میلوا نصرت تم سے رخصت ہو جائے۔ بلکہ ثابت قدم اور صابر رہو۔ کیونکہ خدا صابروں کو دوست رکھتا ہے۔ جب تم بت پرستوں کے مقابلہ کو جاؤ جو بہت بڑی تعداد سے

تمہارے سامنے آئیں تو انکو بیٹھنے نہ دو کیونکہ جو شخص اسدن بیٹھ رہیگا۔ یا لڑائی سے کنارہ کشی اور اسلامی جماعت سے علیحدگی اختیار کریگا۔ وہ خدا کی سخت ناراضی کا مستوجب ہوگا جہنم میں پڑیگا۔ اور یہہ ایک نہایت ہی برا سفر اسکیلئے ہوگا۔"

فرض اطاعت:۔ اسلامی دنیا کے مناسب انتظام کے واسطے خدا نے جو حکم دیا ہے تمام مسلمانوں کو اسپر غور کرنا چاہیئے جو یہہ ہے کہ خدا اسکے رسول اور اپنے بادشاہ کی فرمانبرداری کرو۔ خواہ بادشاہ کا کوئی ہی مذہب کیوں نہو۔ رسول خدا فرماتے ہیں۔ اپنے بادشاہ کے حکم کو سنو۔ اور اسکی اطاعت کرو۔ خواہ وہ حبشی ہی کیوں نہو۔ اگر تمکو بادشاہ کے ہاتھوں سے کوئی تکلیف پہونچے تو صبر سے برداشت کرو۔ اور اسکی اطاعت سے مونہہ نہ موڑو۔ بادشاہ ظل اللہ ہوتے ہیں۔ اور مظلوم انکی پناہ ڈہونڈتے ہیں جو شخص بادشاہ کی اہانت کرتا ہو وہ گویا خدا کے غضب کو اپنے اوپر نازل کرتا ہے۔ اور جو عزت کرتا ہے۔ خدا کی برکتیں اسکے شامل حال ہوتی ہیں۔ بہ نسبت عام بدنظمی کے ایک ظالم بادشاہ کا ہونا بہتر ہے۔

بادشاہ کی ضرورت:۔ تقویم الدین کی دوسری فصل میں لکہا ہے کہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنا فرمانروا منتخب کریں۔ تاکہ وہ رعایا کا پشت پناہ اور انکے مذہب کا محافظ ہو۔ ہر ایک بادشاہ کو ان اوصاف سے متصف ہونا لازم ہے کہ وہ مسلمان۔ آزاد۔ مرد بالغ اور فہمیدہ شخص ہو۔ اور بادشاہ کے یہہ تین فرائض ہیں (۱) اسلام سے پہر جانے والوں۔ اور دہریوں۔ اور دین میں تغیر و تبدل پیدا کرنیوالوں کا قلع وقمع کرے۔ اور سرکشوں۔ دغابازوں اور چوروں کے شر سے لوگوں کو امان دے (۲) مدبرانہ خیالات۔ عقلی طاقتوں۔ فیاضی اور بہادری کے اوصاف سے متصف ہو۔ (۳) اور تمام اسلامی محافظوں اور سرداروں پر مہربان ہو۔

رعایا پابند ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کی نسبت حسب ذیل فرائض انجام دے۔ بادشاہ کی اطاعت اور اسکے نائب کی احکام کو مانیں۔ ایک دفعہ اپنا بادشاہ منتخب کر لیں تو پھر اسکی متابعت سے سرتابی نہ کریں۔ خواہ اسمیں مندرجہ بالا اوصاف بھی موجود نہ ہوں۔ انکے ظاہری خط و خال اور لباس میں عیب نہ نکالیں۔ گفتگو کے وقت نہایت مودبانہ لہجہ اختیار کریں۔ اس سے محبت کریں۔ اسکی تعریف و توصیف اور تعمیل احکام میں ہمیشہ مستعد رہیں۔ ضرورت کے موقع پر بادشاہ کو مدد دیں۔ اور ہمیشہ اسکو دیانتداری سے مشورہ دیا کریں"۔

وہابیوں کے اقوال :- تیسری فصل میں وہابیوں کے اقوال کا رد کیا گیا ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ "پیغمبر اور اولیاؤں سے دعا مانگنا درست نہیں ہے۔ مُردہ کسی بات کو سن نہیں سکتا" "پیغمبر اور اولیا کسی کو نفع یا ضرر پہونچانے کی طاقت نہیں رکھتے" "اس قسم کے نام رکھنے بھی درست نہیں جیسے کہ غلام محمد وغیرہ" مسئلہ نبوت کے متعلق وہابیوں کے ان اعتقادات کی بھی تردید کیگئی ہے کہ پیغمبر صلعم کسی بات میں عام آدمیوں پر فضیلت نہیں رکھتے۔ اور حضرت محمد صلعم خاتم الرسل نہ تھے۔ اس بات کا یقین نہیں کہ قیامت میں شفاعت بھی ہوگی یا نہیں اگر اسکو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو یہ معلوم نہیں کہ شفاعت کرنے والا کون ہوگا؟ علاوہ بریں وہابیوں کے ان خیالات سے بھی انکار کیا گیا ہے۔ کہ جو عالم قرآن اور احادیث سے خود مسایل استخراج کرے اسکو فقہ میں چار اماموں کی تقلید کی ضرورت نہیں۔ عوام الناس بھی ان اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنے کے پابند نہیں ہیں۔ تمام مسلمانوں کو کسی ایک عالم ہی کی پیروی نہیں کرنی چاہئیے۔ بلکہ ہر ایک شخص آزاد ہے کہ وہ جس عالم کی رائے کو درست سمجھے اسپر عمل کرے۔ کیونکہ ان چاروں اماموں کے اکثر مسائل غلط ہیں۔ حضرت رسول خدا

نے فرمایا ہے کہ رکوع میں جاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو اٹھالو۔ اسی طرح دوبارہ سیدھا کھڑے ہوتے کے وقت کرو۔

خاتمۃ الکتاب :۔ وہابی اگرچہ بظاہر پارسایانہ زندگی بسر کرتے ہیں مگر عقائد کے لحاظ سے وہ کافروں سے کچھ بہتر نہیں ہیں۔ اسلئے انکی نماز اور عبادات قبول نہیں ہوسکتیں۔ اس فرقہ کا بانی عبدالوہاب تھا۔ جو ۱۱۲۵ھ میں عرب بمقام نجد پیدا ہوا۔ کہتے ہیں کہ وہ یہودی النسل تھا۔ اور دل میں اسلام کی نسبت سخت عداوت رکھتا تھا اسلئے اسنے مسلمانوں میں اختلاف کا بیج بونے میں نہایت کوشش کی۔ اخیر میں صحت کتاب کی تصدیق کے متعلق علمائے افغانستان اور ہز ہائینس امیر عبدالرحمن خانصاحب کے دستخط ہیں۔

رویائے امیر ۔ ۲۸ ذیقعدہ جمعہ کی صبح کو پو پھوٹنے سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ پھولوں کا ایک نہایت خوبصورت اور وسیع و عریض قالین لٹا اور قالینوں کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ اسی اثنائے میں محمد خاں (امیر کا ایک ملازم) داخل ہوا۔ اور اُسنے کہا یہہ جا جم ہے میں کہا جاجم کے کچھ معنے نہیں ہوسکتے۔ زیادہ صحیح طور پر یہہ جائے جمع (لوگوں کے فراہم ہونیکا مقام) ہوگا۔ امیر اس خواب کی یہہ تعبیر کرتے ہیں کہ انکی دس نسلیں افغانستان اور اسکے ملحقات پر فرمانروا رہیں گی۔

تقویم الدین کا ایک اور خلاصہ

اخبار پاؤنیر میں اس کتاب کا اختصار حسب ذیل چھپا تھا۔

فصل اول میں جہاد کا ذکر ہے جو مسلمانوں پر واجب ہے اس سے کسقدر منافع اور انعامات مجاہد کو حاصل ہوتے ہیں اور اُن لوگوں کو جو مجاہدین کے خاندانوں کی حفاظت مدد اور نگہداشت کرتے ہیں اور انکو ہتھیار دیتے ہیں اور جنگی سامان مہیا کرتے ہیں بہت ثواب ہوتا ہے۔ نظیر الصفوۃ کو معاینہ کرنا چاہئیے جسمیں یہ مسطور ہے کہ تمام ایماندار اور پیغمبر کے پیروان سے مخفی نہ رہے کہ خداوند کریم نے جہاد کو تمام ایمانداروں پر فرض

اور جو آدمی یہ کہیگا [illegible] شرعی امیر کے ماننے سے انکار کریگا وہ کافر ہوگا۔ یہ بات
قرآن شریف اور احادیث نبوی سے صاف صاف ثابت ہے۔ بعد ازاں عربی میں تائید
اپنے بیان کے قرآن مجید اور احادیث شریف وغیرہ سے بہت کچھ اقتباس کیا ہے
پھر یہ بیان ہے کہ جب موت کا وقت قریب ہوگا تو اس سے ایک ساعت کی بھی تقدیم
تاخیر نہ ہوگی اور مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ تم آخرکار دنیا سے رحلت کروگے لہٰذا
جہاد سے غافل نہ رہو۔ اسکے اصول کے برخلاف نہ چلو کیونکہ شہادت ہی حیات ابدی ہے
اور اگر کوئی شخص جہاد نہ کرے اور مر جائے تو منافق ہوگا۔
۲۲ صفحہ میں قرآن شریف کی ایک آیت ہے۔ اسکی یہ تفسیر کی ہے۔ منشاء آیت کا
یہ ہے کہ تم کافروں سے لڑو جو تمہارے قریب ہوں اور یہ ضرور ہے کہ دشمنان مذہب سے
نا ملائم گفتگو کرو۔ اور قبل از جنگ اور جنگ کے وقت تم جفاکشی اور بہادری ظاہر کرو۔
موت سے نہ ڈرو اور اپنے دشمنوں کو کامل زیر کرو اور آگاہ ہو کہ خداوند کریم صالحین کے
ساتھ ہے جسکی وہ یاری کرتا ہے اور انکو وہ نصرت دیتا ہے اور مشرکوں اور گمراہوں
کی نصرت نہیں کرتا ہے۔ بعد اسکے حدیث شریف کا مضمون ہے کہ اے میرے لوگو
مشرکوں سے لڑو۔ اپنی جان و مال راہ خدا میں صرف کرو۔ اور کلام خدا کی بزرگی
کو قائم کرو۔ اگر تمہارے پاس مال دنیا نہیں ہے تو تم خود کافروں سے لڑو۔ اگر تم
ضعف نقاہت علالت وغیرہ کے سبب نہیں جا سکتے ہو تو ایسی صورت میں تم انکی
لوٹنے یا انکے خلاف شان زبان سے کام لینے میں تامل کروگے۔ کافروں کو قتل اور
لوٹ کے خوف دلاؤ انکی ہزیمت اور شکست کی دعا کرو اور فتح اسلام اور مال غنیمت
ہاتھ آنے کی دعا طلب کرو۔ لیکن دوسرے صفحہ کی ہدایت کسیقدر مذکورہ بالا کے
برخلاف ہے۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عمدہ ایماندار وہ لوگ ہیں جو راہ خدا
میں اپنے جان و مال سے لڑتے ہیں۔ لیکن یہ جہاد صرف بزرگی کلام خدا قائم کرنیکے لیئے

بلکہ بغرض شہرت مشغول نہ ہوں اور مقصد حظ نفسانی پوری کرنے خواہشات بد یا دستیاب ہونے مال غنیمت کے ہو۔

پھر جہاد کی بابت دو رجگہ خواہش ظاہر کی ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کرو۔ آلات جہاد حاصل کرو۔ ہتھیار خریدو۔ اور غازیان مذہب اور سچے مجاہدین کو تقسیم کرو اور اپنے اعزاز اور نیکنامی کو نہ چھوڑو۔ اس تھوڑی خوشی کے جہاد میں بہت کچھ کوشش کرو اپنے مذہب کو قوت دو اور جنت کے لئے قابل بنو۔

ضرور ہے کہ تمام ایماندار جہاد کو نکلیں اور عورتوں کے مانند خانہ نشین نہ ہوں مثل بہادروں کے انکو راہ خدا میں غزا لازم ہے۔ موت سے نہ ڈریں۔

دوسرے باب میں ذکر ہے۔ خدا کا فضل اور عنایت ان مسلمانوں کے شامل حال ہوگا جو سرحدات پر بغرض انکی حفاظت کے جائیں گے۔ یہ بات ان لوگوں کو حاصل نہ ہوگی جو اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے۔ ان مجاہدوں اور غازیوں کا بڑا مرتبہ ہے جو اپنے گھروں سے غیر حاضر رہیں گے۔ اور یہہ نہایت ضروری ہے کہ سب آدمی کمربستہ ہوں جب وقت ہتھیار باندھنے کا آوے۔ ایک دن ایک جگہ پر دشمن کے لئے براہ خدا بیٹھنا تمام دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ کیونکہ اگر ایک شخص کا قبضہ تمام دنیا اور اسکی تمام اچھی چیزوں پر ہو جائے تو یہ سب ایک وقت میں گذر جائیں گے لیکن عقبے کی عمدہ چیزیں ہمیشہ کے لئے قائم ہیں۔ ایک چوکی پر ایک رات دن دشمن کے لئے براہ خدا بیٹھنے اور اہل اسلام کی چوکسی کرنے سے تمکو زیادہ تر بہ نسبت ایک ماہ کے کامل صوم اور صلوٰۃ کے ثواب حاصل ہوگا۔ کیونکہ اگر اس طرح ایک شخص مصروف ہو اور وہ اسی عالم مصروفیت میں ہلاک ہوا تو اپنی حرکات کا صلہ جنت میں پائیگا۔ اور قیامت تک وہ اس سے محروم نہ رہیگا اور تمام آزمائشات اور عذاب قبر اور سوال منکر ونکیر سے آز[illegible]

حشر سے اور ملعون دجال اور شیاطین سے محفوظ رہیگا اور قیامت کے دن
شہدا کے ساتھ اٹھیگا اور اپنی قبر میں شہداکی مانند آرام کریگا سکو فشار ہوگا
وہ دنیا سے نہ جائیگا جبتک کہ اُسکے گناہ صغیرہ اور کبیرہ معاف ہوں اور گناہ
سے ایسا پاک ہوگا جیساکہ بطن مادر سے پیدا ہوا تھا جنت میں اسکو جگہہ ملیگی اور
حوروں کی صحبت میں رہیگا جو اُسکی محرم ہونگی اور اپنے بہتر عزیزوں کی بخشش
کا ساعی ہوگا۔

سرحد اسلام کی حفاظت کے لیئے لوگوں کو مسلح کرنا قطعی امر ہے اُسپر یہہ بیان ہوگیا
لہذا ضروری ہے کہ سچے اور پکے مسلمان خواہ پیدل ہوں یا سوار ہوں سرحدات
کو بڑھیں انکی چوکسی کریں اور محفوظ رکھیں۔ شریر کافروں کو ہرگز عملداری اسلام
میں نہ آنے دیں۔ مقابلے کے وقت اُنسے بہادرانہ جنگ کریں اور بڑے بڑے انعامات
کو اپنے ہاتھہ سے نہ جانے دیں اور اپنے کو جنت کے لائق کریں۔ اور خوبصورت اور
مکلل بجواہرات حوروں سے ہم آغوش ہوں اور اپنے مذہب کی نگرانی کی ہرطرح کی
کوشش کریں۔ ہم تمام باشندگان اعلے اور ادنے کی واقفیت کے لیئے خواہ وہ شہر
قصبہ یا دیہات کے باشندے ہوں مشتہر کرتے ہیں کہ سب پر بموجب کلام خدا کے
واجب ہے کہ وہ اسلام کی اُسی طرح مدد کریں جسطرح نماز روزہ اُنپر فرض ہے۔ یہ
فرض جہاد میں ہے اور تمام ایماندار وں کو واجب ہے کیونکہ اب تمام ہتھیار بندی
ہو رہی ہے اور سرحدات اور عملداری اسلام کامل قبضہ ظالموں میں آگئی ہے لغفیر
اینہ ومتعال مذہب محمدی کے قائم رکھنے میں سرگرم ہوں اور شیروں کی مانند
جنگ کو نکلیں اور شریر کافروں کا جنگ میں مقابلہ کریں اور انکی شرارت آمیز
لاشوں کو اپنی شمشیروں سے قطع کرکے پہاڑیں اور اُنکے سروں کے گیند اپنے بلوں
کے لیئے بنائیں۔

جب تم حضرت ... جاؤ کہ شہداء کی ... سے کافروں کو دوست نہ کرو تو تم پر واجب ہے کہ
جب ... کا ... بھی ہے ... جاؤ اور کافروں کو ملک کے اندر نہ آنے دو حدیث
شریف کا یہاں ذکر کیا اور اس طرح تصریح کی ہے کہ ایمان والوں پر واجب ہے کہ ایک
بادشاہ کے زیر علم جہاد کریں خواہ وہ شاہ عادل ہو یا ظالم۔ جب تم جنگ میں کافروں
کا مقابلہ کرو تو جفاکشی ظاہر کرو۔ بھاگو نہیں کیونکہ مسلح مسلمان کا دو کافروں کے مقابلہ
میں بھاگنا سخت گناہ ہے۔ جبتک کہ ہتھیار اسکے ہاتھ میں ہے۔ یہ گناہ مثل گناہ خون
اور زنا کے ہے۔ اگر جنگ میں تین کافروں سے مقابلہ ہو تو بھی تحمل سے مقابلہ کرنا
انسب ہے۔ بھاگنا نہ چاہیئے اور ایک نوع پر انسے بھاگنا بھی درست ہے۔

بعد تذکرہ حدیث شریف کے جسمیں نہایت دلچسپ بیان جنت کی نعمتیں شہداء کا
ہے یہ بیان ہے۔ پس اے ایمان والو تم جنت میں اعلے درجہ حاصل کرنے کی کوشش
کیوں نہیں کرتے ہو۔ خدا کا فضل و کرم حاصل کرو اور اس دنیا میں عزت اور عظمت
حاصل کرو اور پھر جنت میں جاکر نہایت خوش و خرم عمدہ مسندوں پر بیٹھو جہاں
ادنے درجہ کے شخص کو بھی خدمت کے لئے بہتر حوریں ملتی ہیں اور بیاسی ہزار
غلمان اور بہتر مسندیں ملیں گی اور چھوٹے سے چھوٹا موتی جو حوروں کے تاج
اور زیور میں لگا ہوگا مشرق سے مغرب تک اسکی روشنی پھیلے گی اگر دنیا میں
ایک حور آجائے تو تمام دنیا منور ہو۔ اور زمین سے آسمان تک خوشبو پھیلے حوریں
جو چادریں اوڑھتی ہیں وہ تمام دنیا اور اسکے مال کی بہ نسبت زیادہ قیمتی ہیں

تیسرے باب میں ذکر ہے کہ کسقدر اعلے خوشی و خورمی ان لوگوں کو نصیب
ہوتی ہے جو راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں اور جو لوگ جہاد پر گئے اور گھوڑے سے
گر کر یا سانپ یا کسی جانور کے کاٹنے سے مرے ہیں وہ بھی شہید اور غازی خیال کئے
جاتے ہیں؛



چوتھے باب میں کافروں سے جنگ کیوقت صبر و تحمل کا ذکر ہے اور دو چند تعداد
دشمن سے بھاگنے اور قدم ہٹانے کا بہت زیادہ گناہ ہے۔ اگر تعداد چند ہے تو
گو بھاگنا بڑا جرم ہے تب بھی جائز کر لیا ہے کہ ایماندار تکلیف اور نقصان سے بچیں۔
باب پنجم میں شاہوں کی فرمانبرداری اور انسے بغاوت کا ذکر ہے اور جن باغیوں
نے سرتابی کی ہے اُنکو ایک آیۃ قرآن شریف یاد دلائی گئی ہے جسکا یہ مطلب ہے
کہ خدا اور اُسکے نبی کے مطیع رہو اور جو تم میں سے حکومت پر ہو۔ اور اُس راہ پر
چلو جو پیغمبر صلعم نے بتائی ہے بطور شاہ اسلام کے یہ نائب پیغمبر ہیں جنہوں نے لکھا ہے کہ
جو کوئی میرے حکم کی تعمیل کریگا اُسنے گویا خدا اکے حکم کی تعمیل کی۔ اور جو میری نافرمانی
کریگا گویا اُسنے خدا کی نافرمانی کی۔ جو کوئی امیر کے حکم کو نہ مانیگا اُسنے گویا میرا حکم
نہ مانا۔ واقعی امام ایک سپر ہے جسکے پیچھے ایک شخص لڑ سکتا ہے اور ضرر سے محفوظ
رکھ سکتا ہے۔ جو کوئی بات امیر میں پائے جسکو وہ پسند نہ کرتا ہو تو خاموش رہے
اور سرکشی نہ کرے۔ جسنے عمداً کھا مان لیا وہ اُنہیں لوگوں کی موت مریگا جو قبل
از زمانہ اسلام کے مرے تھے۔ اگر والی جابر اور ظالم اپنی رعایا پر ہو تو اُسکا جرم بہت
بڑا ہے وہ خود اوسکا مواخذہ وار ہوگا۔ اور یہ کارروائی شاہونکی خود نتیجہ اعمال
رعایا کا ہے۔ شاہ کا اِسمیں قصور نہیں ہے۔
تمام ایمانداروں کے لیئے یہ امر ضروری ہے کہ موافق آیۃ کریمہ اور بزرگ احادیث
اور تفاسیر علما کے شاہان مذہب کی اطاعت سے سرتابی نہ کریں۔ بلکہ اُنکے احکام بجا
لائیں اُنکے احکام کی تعمیل میں دست بقبضہ شمشیر ہوں۔ اور نہایت عاجزی سے
اُنکی اطاعت کریں۔ اور اُنکے آستانہ کی خاک سرمہ چشم بنائیں۔ وہ باغی اور سرکش
رعایا وغیرہ کے شریک ہوں۔ جو کوئی شاہ سے عہد و پیمان کرے اور دل سے اسکو
قبول کرے تو اُسپر تعمیل واجب ہے۔ اگر کوئی اور شخص آئے اور شاہ سے لڑے اور اُسکی

سلطنت میں فساد اور عناد پیدا کرے تو انکو لازم ہے کہ وہ سرکشوں کو قتل کریں اور انکے شر سے قتل کریں جو ایسے شخص کے شریک ہوئے ہیں۔ ایک فقرہ میں ایک اور مذہبی کتاب کا حوالہ دیا ہے جس سے اسکا اپنے شاہوں کے حکم کی تعمیل خواہ وہ عادل ہوں یا ظالم ہوں واجب ہے۔ اول مذہبی فرض ہے کہ لوگوں کو اپنا شاہ اپنے مذہب کی حفاظت کیلئے قبل از جنگ وجدل شروع ہونیکے منتخب اور مقرر کرنا لازم ہے جو شخص شاہ منتخب کیا جائے اسمیں یہ اوصاف ضروری ہیں۔ وہ مرد ہو اور عمر طبعی تک پہونچے آزاد ہو غلام نہ ہو۔ پکا مسلمان ہو اور عقیل اور مضبوط ہو جو عدل کرے اور ظلم کو مٹادے اور اصول شریعت اسلام کو کامل طور پر جاری کرے۔ اور بخوبی اُسکے لائق ہو کہ اپنی رعایا کے دینی اور دنیوی فائدوں کی نگرانی کرسکے تاکہ اُسکے ذریعہ سے اُنکے مذہب کو قوت ہو۔

بعد ذکر آئیہ کریمہ کے کتاب میں سطور ہے۔ تھوڑے زمانہ میں خدا نے اپنا وعدہ پورا کیا جو ایماندار دوں سے کیا تھا۔ اُنکو جزائر عرب اور علاقہ کسری اور روم عطا ہوئے اور امید کیگئی ہے کہ تمام ممالک مشرق اور مغرب کو بموجب حکم خداوند عالم کے مسلمان جلد سے فتح کرینگے جو پیرو پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ نیز اسمیں یہ ذکر ہے کہ خلیفہ کو ان لوگوں کا قتل کرنا کیسا فرض ہے کہ جنہوں نے اسلام کو اسکے قبول کر لینے کے ترک کیا۔ اور ان لوگوں کی بنیاد مٹانا جو مذہب اسلام میں نئی ایجادیں کرتے ہیں اور باغیوں اور لٹیروں اور غیبت کرنے والوں کا قتل واجب ہے۔ دوسری دفعہ میں عقلمندی فراست اور فہم اور دانش بہادری اور فیاضی شاہوں کی جانچ کا بیان ہے۔ تیسری دفعہ میں انکے الطاف اور رحم اپنی رعایا کی نسبت ذکر ہے اور بہت سی آیات اور احادیث کا تائید مذکورہ بالا حوالہ دیا ہے۔ اسی تیسری دفعہ میں رعایا کی لازمات کا منجانب اپنے شاہ کے بیان ہے اُسکے نقصے ہیں۔

(۱) میں ذکر ہے کہ شاہ کی اطاعت کس طرح کرنا چاہیے تمام مسلمانوں پر واجب ہے

تقویم البیکبیر کے مطالب کی نقل۔

کہ وہ اپنے علما اور خلفا کے احکام کی تعمیل کریں جس سے فایدہ اسلام کا ہو اور جو
برخلاف حکم شرع کے نہیں ہو وہ اُسکے حکم کی تعمیل کریں خواہ وہ عادل ہو یا
ظالم طرفدار رہو یہاں پر تبائید مذکورہ بالا کے انھوں نے بہت سے حوالے دیئے ہیں
(۲) میں فرمانبرداری والی یا گورنر یا حاکم کی جسکو امام بادشاہ اسلام مقرر کرے حدیث
کا حوالہ دیکر اس طرح تصریح کی ہے۔ اگر خلیفہ کیجانب سے امیر تم پر بموجب احکام قرآن شریف
اور شرع کے حکومت کرے تو تمکو خوشی خوشی رضامندی کے ساتھہ حکموں کی تعمیل لازم
ہے۔ اگر والی مذکور حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو اور اُسکا سر منقی کے مانند ہی چھوٹا کیوں
نہ ہو یعنی بے عقیل اور فہیم نہ ہو۔
(۳) میں وجہ اور حالت اون لوگوں کا ذکر ہے جو اپنے امام کی قطعی اطاعت کرتے ہیں اور
اونکو کیا صلہ حاصل ہوتا ہے۔
(۴) جو لوگ مسلمانوں میں شرارت اور نفاق پیدا کرنا چاہتے ہیں اُنکو باغی اور
شریر قرار دیں حکم ہے کہ جہاں کہیں ملیں قتل کیئے جائیں انکے قاتلوں کو بہت ثواب
حاصل ہوگا۔
(۵) یہ مناسب نہیں ہے اور یہی بات کافروں میں مناسب نہیں ہے کہ اونکی عورات اور بوڑھے
آدمی قتل ہوں جو لڑنا نہیں چاہتے یا اُنکے بچوں کو قید کریں مگر اونکی جایداد ضبط کرلیں
تاوقتیکہ وہ نادم اور خجل نہ ہوں اُس وقت اُنکی جایداد واپس ہوجائے۔
(۶) میں ذکر ہے کہ جو لوگ اپنے شاہوں کے نقص ظاہر کرتے ہیں کہ اونپر رعایا کی لوگ
مضحکہ کریں اور قہقہہ لگائیں۔ تمکو اوس پوشاک میں عیب جوئی لازم نہیں ہے
جو تمہارے شاہ پہنتے ہیں اور نہ اونکے کہنے سننے کو حقارت سے دیکھو کیونکہ اگر تمنے
نفرت کی نگاہ سے امیر کو دیکھا تو سب کو ضرر پہونچیگا۔ کیونکہ حیثیت خاص کپڑے پہنے
اور کوئی بات کہے تو وہ خاص مقصد اور مصلحت سے ہے جس سے موجب اُسکے

اعزاز اور عبرت کا رعایا کو ہو۔

(۷) شاہوں کے حقوق کا بیان ہے۔ شاہوں کے بہت سے حقوق میں سے ایک یہ ہے کہ جو لوگ اسکے سایہ میں ہیں دل سے اسکی محبت کریں جب کبھی اسکا ذکر زبان پر آئے کلمات تعریف کے ساتھ ہو۔ اور حتی الوسع اسکے احکام کی تعمیل کریں اور بغیر عذر ٹیکس اور دیگر کاموں کو پورا کریں اور ذرا بھی اعزاز و ادب ظاہر کرنے سے تامل نہ کریں خواہ وہ عام ہو یا پرائیویٹ ہو اور اپنا مال ہمیشہ اوسپر تصدیق کرنے کے لیئے تیار رہیں۔ کیونکہ اوسکی موجودگی سے انکے دینی اور دنیوی معاملات اور اہل و عیال محفوظ رہتے ہیں۔ بعد کچھ ذکر آئیکریہ کے مسلمانوں کی نسبت یہ بیان کیا۔

بعوض اقبال شفقت اور مہربانی کے جو تمپر ہوئی ہے اور بغرض اظہار شکریہ کے تم ایسا طریقہ اختیار نہ کرو کہ جس سے کافر تمپر افسری کریں جس سے موجب تباہی اور ابتری تمہاری اوقات اور بیٹیوں میں پیدا ہو۔

(۸) میں ذکر ہے کہ شاہ کی کیونکر مدد اسکی فتح نصیب ہونے کے لیئے کریں مسلمانوں پر شاہ اسلام کی مدد واجب ہے۔ اگر انمیں سے ایک مصیبت اور دقت میں پھنس گیا تو لازم ہے کہ ایک اور شاہ کی مدد کریں۔ کیونکہ کافر ایک دوسرے کی دوست ہیں۔ اگر مسلمان ایک دوسرے کی مدد نہ کرینگے تو کافر انپر حاکم ہوں گے۔ اسلام کو ضرر اور زوال ہوگا۔

۹۔ اخیر میں وہابیوں کا ذکر ہے۔ اور بیان کیا کہ انکے خیالات عقاید اور ہدایت مسلمان فرقہ سنت جماعت کے خلاف ہیں۔ اس اشاعت میں مع الاحادیث و آیات کا تردید انکے خیالات کے دیا گیا ہے۔

آخیر میں بیان ہے کہ وہابی گو بظاہر خدا پرستی کا جامہ پہنے ہوئے ہیں مع مسلمانی کا دعوی کرتے ہیں مگر واقعی مکار اور لامذہب ہیں اور ظاہر پرست ہیں انکو سلام کرنا یا انکے پیچھے نماز

پڑھنا درست نہیں ہے۔ وہ دشمن مذہب ہیں ہمیشہ سچے مسلمانوں میں نفاق پیدا کرنیکا ارادہ کرتے ہیں اور مذہب کو خراب کرنا چاہتے ہیں تا کہ اپنے مذہب کو ترقی دیں، اور کل اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیں ؂

امیر صاحب کے ہزارہا مراسلات اور خطوط میں سے دو چار کا بطور نمونہ یہاں درج کرنا مناسب ہے۔ سال گذشتہ میں جب ہندوستان میں وبائے طاعون کا زور شور پیدا ہو گیا تو امیر صاحب نے اپنے سفیر مقیم ہندوستان کو اس وبا کی کیفیت سے اطلاع دینے کے متعلق حسب ذیل مراسلہ بھیجا۔ جسکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک عام اور خاص بات کو وہ کسقدر تحقیقات کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُنکے سوالات کیسے جامع ہوتے ہیں :-

تحقیقات وبا کے متعلق امیر صاحب کا فرمان

عالیجاہ عزت نشان غلام رسول خان وکیل دولت خداداد را واضح خاطر باد

درباب کوائف حدوث مرض طاعون کہ در محل بمبئی و کراچی بندر سانح و شائع شدہ کہ مسلسل لاینقطع است شمارا امر ارشاد مے شود کہ از نزد گروہ اطبا یونانی و جمہور ڈاکٹرہا وغیرہ مردم دانستہ و فہمیدہ استفسار کردہ جویا شوید کہ مثلاً در ابتدائے بروز این ورم بچہ عنوان است صغیر الحجم مثل باقلا و یا کوچکتر ازاں یا کبیر الحجم بقدر گردگان و یا بزرگتر ازاں یا سوزش شدید سوزی متجاوز از حد چنانکہ مریض پندارد کہ آتش در آں موضع نہادہ اند و یا غیر آں و در اعضاء غددی اللحم حساس چوں پستان و بیخ زبان و خصیہ یا اعضاء غیر حساس چوں بغل و کنج ران و پس گوش عارض مے شود و یا در دیگر موضع از بدن عارض میشود یا تپ یا بغیر تپ قے و غشی و خفقان و اختلاط عقل عوارض وارد یا نہ رنگ آں بچہ و تیرہ است سرخ و یا زرد گونہ و یا مائل بسیاہی۔ و مریض چند یوم دوام میکند و یا بروز دوم و سوم مے میرد۔ و یا پنج و ہفت یوم مہلت مید ہد ؟ و اشخاصیکہ ندرتاً ازیں مرض صحت یاب میشوند و خلاصی مے یابند۔ در کدام مواضع بدن ایشاں بر مے آید ؟ یکے میباشد و یا متعدد ؟ قابل چرک دریم میشود کہ خون و زرد آب

ازاں ترشح کند یا نہ؟ اطبائے یونانی در مداوا و تدابیر آں بچہ نہیج کوشند۔ از معالجات
اقدام بفصد و مسہل و یا شرط در موضع ورم شرط عبارت از پاکی زدن است۔
و بعد آں مکیدن و در موضع ماؤف در ابتدا رواد عات بارده در اطراف آں
مالیدن معمول داشتہ بکار مے برند یا نہ۔ و از اغذیہ اشربہ چہ مید ہند؟ و از
مقویات و مفرحات وادویہ ذوالخاصیت کدام قسم را لعمل آوردہ معمول میدارند۔
گروہ ڈاکٹرین بچہ وضع تفقد و اہتمام آں بجا مے آرند۔ اطبار یونانی ہم مثل ڈاکٹرہائے
بمبئی علاج میکنند و یا بضد؟ مراد از مثل انیست کہ در مرض کدام کدام از خارج و
داخل استعمال مے نمایند۔ از حد زیادہ سعی و کوشش کردہ کوائف آں سو بجواب جہ
مدلل خود کردہ بزودی عریضہ نگار بارگاہ خسروی شوید۔ زیادہ خیریت است۔

تحریر یوم دوشنبہ
۴ شہر شوال ۱۳۱۳ھ

مہر و دستخط امیر صاحب

مندرجہ ذیل مراسلہ امیر صاحب نے ڈاکٹر جی ڈبلیو لائیٹنر کی ایک چٹھی کے جواب
میں اُس وقت لکھا تہا جبکہ اُنکے انگلستان جانے کے متعلق رائے زنی ہو رہی
تھی اور یہہ ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو میں چھپا تہا۔ وہو ہذا۔

ڈاکٹر لائیٹنر صاحب کے نام امیر صاحب کا دوستانہ خط

زبدہ ماہران علوم و کمالات و عمدہ و اتقان فنون و فطانات و محبت و مودت آیات
ڈاکٹر جی ڈبلیو لئیٹنر الملقب بمولوی عبدالرشید۔ ال۔ ال۔ ڈی۔ ڈی۔ او۔ ایل را
بعد اظہار خیالات محبت و اشفاق ہمایوں والا و اشتیاق ملاقات و ضح خاطر
مودت مظاہر باد و آنکہ مراسلۂ آں دوست از ملاحظہ والا گذشت چوں مبنی بر خیالات
خیر خواہانہ و دوستانہ و احوالات فتحمندی دوستاں بودہ باعث انبساط و فرحت
خاطر عاطر والا گردید۔ و در باب اشتیاق ملاقات و بنا نمودن نشیمن دوستانہ
در لندن برائے حضور اینجانب کہ نوشتہ اید چوں بنا باسید قائم است اُمید نہ

از خداوند واریم که بکدام وقت اتفاق ملاقات حاصل شده موجب حظوظ خاطر
جانبین گردد و چون عزم کار ری عین کار راست بدین دلیل قصد بها نداریم دعوت
حضور والا که بدل و جان اشتید قبول و منظور شده خورسند و رضامند شدیم و آنچه
نوشته اند که در مسجد لندن - که بجهت استفاده مسلمانان تیار کرده ام علمائے دوام
عمر و مملکت سرکار والا کرده میشود چون دعا الغیب اسرع الی الاجابة مشهور است امیدواریم
که دعائے غائبانه آن دوست مستجاب درگاه مجیب الدعوات خواهد بود و شاید نیز مرقوم
داشته آید که بعض اشخاص بدطینت بوسطه اخبارات میگویند که جناب امیر صاحب
مخالف دولت انگریز شده اند بنابرین توجه نماید - او شان را در مجالس شرفا و هم در تصنیفات
مختلفه کرده ام که این سخن بے بنیاد است و دو نسخه از ان کتاب بحضور فرستادم
و ان شاء الله کوشش این دوست خالی از اثر نیست و استدعا دارم که یک قطعه تصویر
خود با جمع حالات خیریت مرحمت فرمایند حسب خواهش شما یک قطع تصویر خود را
بطور یادگار دوستانه برائے شما فرستادیم و در باب خیالات مرقوم غرض جوئے اینکه
البته مردم مخالف و بدطینت لیل و نهار در نفاق و رهائے دوستان و بهم کردن
محبت و دوستی دولتین استعمالاً و طمعاً و طبعاً مدام کوشیده اند و میکوشند - اما چون
از جانبین چه لها صاف و پاک مثل شما صادق و قابل دوستان درمیان بود نگنجائش
ناخن زدن نیافته اند و نخواهند یافت و ثمره کوششهائے باطلانه و کافرانه
او شان بجز حسرت و ناکامی و خجالت ناوانی نخواهد شد از یں خیالات صدق
مقالات شما که مبنی بر فوائد و منافع دولت بهیه برطانیه و دولت خداداد
افغانستان است بسیار خوش و ممنون شدیم و بعد ازیں امید خیالات خیرخواهانه
دوستانه از شما داریم - ثالثاً در شقه از کلکته هم مراسله شما بحضور رسیده
والا نه ضرور جواب به تو هم میفرستیم من بعد از حالات صحتمندی مرد نیکار رائے

خود نویساں باشند۔ کہ حوال خیریت مآل دوستان مدام ولیسل فرحت خاطر والا شدہ جوابات آں از حضور ارسال فرمودہ خواہد شد۔ اختتام مراسلہ ہذا بخیالات محبت و آرزوئے عزت و صحتمندی آں دوست بمع دیگر دوستان مصنفان رسائل خیرخواہانہ مرسولہ مذکور سیفر ایم۔ تحریر یازدہم صفر المظفر ۱۳۱۱ھ ہ ہ ۔ اگست ۱۸۹۳ء۔ امیر عبدالرحمٰن امیر افغانستان دستخط کرد معہ از برائے دوست خود ڈاکٹر لیٹ ترجواب خط دوستانہ او را نقط۔

ذیل میں امیر صاحب کے ایک خط کا ترجمہ انگریزی اخبار اسلامک ورلڈ سے لیا جاتا ہے جو انہوں نے مسٹر عبداللہ کوئیلم شیخ الاسلام جزائر انگلستان کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسٹر عبداللہ کوئیلم شیخ الاسلام انگلستان کو ایک خط

یہ خط آپکے سچے اور محبت کرنیوالے بھائی کیطرف سے بنام شیخ عبداللہ ڈبلیو کوئیلم پیشوائے مسلمانان انگلنڈ و لیورپول اور اُسکے نواح کے مسلمانوں کے نام۔ خدا آپ سبکے دلوں کو اسلام کے نور ہدایت اور اُسکی نعمتوں سے منور فرمائے۔ اس واسطے کہ نیک اور پرہیزگار بندوں کا پیغمبران علیہم السلام کے نزدیک بھی مذہب اسلام بہتر و برتر ہے اور خدا اپنے پیغمبر کے نائبوں کی طرح آپکو پاک روحانی ہدایت اور دین او دنیا کی کامیابی عطا فرما دے۔ آپکا نوازش نامہ جسکو کہ ہم نے نہایت ہی شوق سے پڑھا اور جسکے مضمون نے ہمیں از حد محظوظ کیا۔ ۳ مئی ۱۸۹۴ء کو مطابق ۲۷ شوال ۱۳۱۱ھ کے صادر ہوا۔ الحمد للہ خدا کی رائے ہر ضی جسکا کلام شاہد ہے جاری ہوئی جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا۔ یعنی حق ظاہر ہوا۔ باطل جاتا رہا۔ اور یہ کبھی عود نہ کریگا۔ پیغمبر صلعم آخر الزماں اور اُسکے نائبوں کا کامل سچا اور تثلیث کا رد کرنیوالا مذہب روئے زمین پر روز افزوں ترقی پذیر ہے

بت پرستی اور شرک کے تمام طریقے کمزور اور شکستہ ہو کر برباد ہوتے جاتے ہیں
اور کیوں ایسا نہ ہو اسلئے کہ زمین اور آسمان کا پیدا کرنیوالا نہایت زبردست
اور صاحب قوت ہے اسنے اپنی عنایت خاص کی تجلی سے آپکے سر دل
میں ڈالدیا کہ آپ مشرف باسلام ہوئے۔ اور آپکو تثلیث کی گمراہی سے نکال
کر وحدانیت کے سیدھے اور صاف رستے پر لگایا جیسا کہ آیۂ کریمہ ان اللہ
یخرج المیت من الحی و یخرج الحی من المیت کے لگا دیا۔ چونکہ ایسی نعمت غیر مترقبہ کا حاصل
کر لینا صرف ایک ناچیز انسان کی کوشش سے کیسے ہو سکتا ہے بلکہ مخصوص خدا ہی کی
رحمت کا جسکا کوئی مانع نہیں جوش میں آجاتا ہے اس واسطے ہم سب ہر گز شکر
اس خدا کے واسطے کبھی کافی اور وافی نہیں ہو سکتا ہے سچ ہے کہ نہ تو اس غنی کی
اور قادر مطلق خدا کو ہمارے اظہار اسلام کی تصدیق و وحدانیت کے لیے
کوئی حاجت اور نہ اُسے ہماری مدد کی کوئی ضرورت کیونکہ وہ پاک اور
قادر مطلق ہے تاہم ہمارا یہ کام ہے کہ ہم اسکا شکریہ کریں تا کہ اسکی نعمتیں ہمپر
دن بدن زائد ہوں۔ ہم آپکی مسجد اور مدرسے کا حال سنکر نہایت ہی خوش ہوئے
اور اب ہم آپکے بڑے ممنون ہیں کہ آپنے ہمارے واسطے ہماری غیبت میں اس
مسجد میں دعا مانگی۔ ہمارے پیغمبر کی اسنادوں میں ایک مشہور حدیث ہے کہ حاضر کی دعا
غائب کے واسطے بہت جلد پایۂ اجابت کو پہنچتی ہے۔ ہم آپکی وہ دعا کہ آپنے ہمارے
واسطے فرمائی ایک نعمت سمجھتے ہیں جسکے عوض میں ہم آپکے ممنون و مشکور ہیں
ہم اس امر کے مقر ہیں کہ اس شہنشاہ نے ہم کو ادرہ مسلمانوں کی حفاظت اور انکی
دوردہ خبر گیری کے واسطے امیر المومنین مقرر فرمایا ہے اسلئے ہم جہانتک کہ ہمارے
امکان میں ہے آپکی مدد کرنے میں کبھی اور کسی وقت دریغ نہ کرینگے۔ ہم آپکی خیریت
نیز آپکے نئے مسلمانوں کی جماعت اور انکی خیریت اور ترقی اسلام کی خبر دیکر

ہمیشہ خوش ہونگے۔ ہم اس خط کو اسلام اور سچی خیر خواہی پر ختم کرتے ہیں
انپر جو صراط مستقیم کے متبع ہیں رحمت ہوجیو۔
دستخط امیر عبد الرحمٰن - ایک عاجز حامی اسلام باشندہ افغانستان اور بھائی مسلمانوں
کا دوست - مینے خاص اپنے ہاتھ سے دستخط کیئے۔

امیر صاحب کی معاملہ فہمی اور ضرورت کے وقت سوچ سمجھکر مانع جواب دینے
کی لیاقت کو تو گورنمنٹ ہند کا فارن آفس اور گورنمنٹ برطانیہ ہی خوب
جانتی ہوگی۔ لیکن جب کبھی پولیٹیکل مشکلات کے سلجھانے سے وہ فارغ بھی ہوتے
ہیں تب بھی جواب ایسے ہی مانع لکھتے ہیں کہ انکی وسعت نظر پر تعجب
ہوتا ہے۔ حال میں امیر صاحب نے دو انگریز سیاحوں کو جو بحصول رخصت افغانستان
کا سفر کرنا چاہتے تھے مندرجہ ذیل جواب بھیجا تھا:-

امیر صاحب کے جامع جواب کا ایک اور نمونہ

"بعد اظہار دوستی میں لکھنا چاہتا ہوں کہ تمہاری چٹھی میرے پاس پہنچکر منکشف
حالات ہوئی۔ لہذا میں اسکے جواب میں تحریر کرتا ہوں کہ اگر میں تمکو اجازت
دوں کہ افغانستان میں ہوکر براہ ہرات کابل میں میری ملاقات کو آؤ تو میں
خود کو چند پیچیدگیوں کا ذمہ وار کروں جنکا پڑنا ممکن ہی ہے۔
اول یہ کہ میں ایک گارڈ مقرر کروں جو شب و روز تمہارے گرد رہے اور اس
گارڈ کو اس سفر عظیم میں سخت تکلیف ہوگی اور یہ گارد روانی صرف اس غرض سے
لازم آئیگی تاکہ تم ملک کی کیفیت دیکھو۔
دوم۔ اگر میں نے تمہاری درخواست منظور کی تو میں تقرر گارڈ کا اپنی رعایا کے لیئے
ایک دروازہ کھول دوں جو راستہ پر رہتے ہیں۔ کیونکہ دیگر یوروپین سیاحوں
کے لیئے یہ ایک نظیر ہوگی اور وہ کہیں گے۔ کہ جب ان لوگوں نے بلا وجہ سفر
کیا تو ہمکو کیوں نہیں اجازت دیجاتی لہذا میں ایسی درخواست منظور کرنا

قرین مصلحت نہیں سمجھتا ہوں کیونکہ میرے گارڈ اور رعایا کو بمعاوضہ مصائب سفر کے کوئی فایدہ نہ پہونچے گا۔

سوم۔ اگر تمکو سڑک پر کوئی نقصان پہونچا اور تمہاری جان عرضِ ہلاکت میں پڑی تو ویسا ہی قصہ پیش آئیگا جیسا کہ مردہ بکری کے سونے کے سینگوں کا مشہور ہی۔ پس میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ ایسی کارروائی نہ کرنا چاہیئے جس سے اُن سونے کے سینگوں کا دعوے کیا جائے۔

اگر تم میرے پاس انگلش پارلیمنٹ یا ویسرائے ہند کی چٹھی بھیجگئے جسمیں وہ تمکو اپنے دوستوں سے ملنے کی اجازت دیں تو میں تمکو براہ پشاور کابل میں آنے کی اجازت دیسکتا ہوں اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے ہو تو تم امید نہ کرو کہ تمکو یا کسی سیاح کو براہ ہرات کابل میں داخل ہونے کی اجازت دیجائیگی"

میرے خیال میں اگر لارڈ سالسبری صاحب وزیر اعظم انگلستان بھی امیر صاحب کی جگہ ہوتے تو اِس سے اچھا جواب نہ دیسکتے۔ سر ویسٹ رِجوے نے صحیح کہا ہے کہ "امیر عبدالرحمن زمانہ حال کے معدودے چند قابل آدمیوں سے ایک ہے"۔ گو میرے خیال میں اِس وقت سوائے سلطان عبدالحمید خان ثانی اور میکاڈو شاہ جاپان کے ایک شخص بھی انکے برابر پولیٹکل قابلیت کا کام نہیں کر رہا ہے امیر صاحب کے جتنے خطوط یا مراسلات ہوتے ہیں وہ بخلاف دوسری سلطنتوں کے مراسلات کے صرف ایک شخص واحد کے دماغ کے نتیجہ ہوتے ہیں کہ جو ایسی باتوں میں نہ کسی وزیر کا محتاج ہے اور نہ کسی کونسل یا کیبنٹ کے مشورہ کا۔

باب دہم

امیر کی ذاتی عادات، طبعی مشاغل اور اصلاح حکومت

ایک مشہور شخص جو مدت تک کابل میں رہا ہے امیر صاحب کے مشاغل اور بعض دیگر حالات کا ایک نقشہ اس طرح پر قائم کرتا ہے:-

بالا حصار اوڑا دیا گیا ہے۔ اسلئے ایک نیا قلعہ (ارک) تعمیر کیا گیا ہے۔ اسکے باہر خندق ہے جسکا محیط ایک میل سے زیادہ ہوگا۔ اس ارک میں حرم سرائے امیر صاحب کی کوٹھی۔ صندوق خانہ (خزانہ) اصطبل لنگر اور کئی کوٹھیاں اور حمام وغیرہ ہیں۔ اسکے بیرونی دروازہ پر توپخانہ ہے جہاں چار بجے سے چھ بجے تک نوبت اور انگریزی باجہ بجتا ہے۔ اسکے باہر خندق ہے۔ دروازہ شرقیہ رویہ ہے۔ اسکی بیرونی فصیل کے اندر سلام خانہ یعنے مکان دربار عام ہے یہہ بہت لمبا چوڑا مکان ہے۔ سقف سنہری ہے۔ اسی کے قریب دفتر ہیں۔ امیر صاحب ارک سے نکلکر سلام خانہ میں جاتے ہیں۔ جہاں دربار ہوتا ہے۔ شاغاسی درباریوں کو لاکر درجہ بدرجہ ٹھہلاتا ہے۔ شاغاسی کے ہاتھ میں چوب طلائی ہوتا ہے۔ جو سلام کرنے والے کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے۔ سلام جھک کر اور ہاتھ سینے پر رکھ کرکے کیا جاتا ہے۔ جواب میں امیر صاحب وعلیکم السلام کہکر پوچھتے ہیں۔ خوب ہستید جوڑ ہستید۔ خوش ہستی وغیرہ۔ پھر سلامی کہتا ہے کہ ہاں صاحب ... سر شما را دعا میکنم تخت بخت قایم باشد۔ سلام خانہ کے دروازہ پر تا ... اور پیش خدمت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دربار کی جانب پشت کرکے ...

امیر صاحب کا دربار

کی عرض داد و ستاہے [illegible]

پچاس آدمی جن کو عرض بیگی سامنے لاتے ہیں [illegible] ایک کی عرض [illegible]

کرتا ہے عرض بیگی دو ہوتے ہیں۔ ایک پشتو کی عرض [illegible] پیش کرتا ہے اور

امیر صاحب عرض کس طرح سنتے

ایک فارسی کی۔ داد خواہ شور مچاتے ہیں اور فیصلہ امیر صاحب [illegible]

ہیں۔ کسی کو حاکم شرع کے پاس بھیج دیتے ہیں کسی کو [illegible] اگر حاکم نے ظلم کیا

یا ترکستان نے ستایا ہو تو انکے نام فرمان جاری کر دیتے ہیں۔ ہفتہ اور جمعہ شنبہ

کے دن یہ دربار ہوتا ہے۔ جب عرض داد ہو چکتی ہے تو امیر صاحب درباریوں

کیطرف منہ کرتا ہے۔ اس وقت دسترخوان بچھایا جاتا ہے اور ہاتھ دھلا کر کھانا

امیر صاحب کا دسترخوان

چنا جاتا ہے۔ دو دو پیالے شیریں اور ایک ایک نمکین حاضرین کو چائے ملتی ہے

بعض اوقات دو دو تین تین ہزار آدمی روٹی کھانیکو جمع ہو جاتے ہیں۔

یہانتک کہ سفید پوش ملاں بھی شریک ہو جاتے ہیں۔ امیر صاحب کے سامنے

دس غوریاں رکھی جاتی ہیں اور اپنے ہاتھ سے اچھے اچھے کھانے اپنے پاس

والوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ امیر صاحب اس بات کی بھی بڑے شایق ہیں کہ جسپر

وہ بہت مہربان ہوں اُسے اپنے ہاتھ سے مشروبات دیا کرتے ہیں۔ طعام کے

بعد موسمی میوہ تقسیم ہوتا ہے۔ ہر ایک کو ایک ایک قاب میوہ تر و خشک ملتا ہے

امیر کے پاس بیٹھنے والے اختلاط اور گپ شپ شروع کر دیتے ہیں۔ بچا ہوا کھانا

غلام بچہ کھاتے ہیں جو لوگ عام دربار میں نہیں آسکتے تھوڑی دیر گپ شپ

ساعت تیری کا سامان

[illegible] امیر صاحب دوسری [illegible] مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور پانچ بجے تک

مشغول رہتے ہیں۔ امیر صاحب شام کو شطرنج یا تختہ نرد کھیلتے ہیں کبھی پاس

ایک تھیلی یا توڑا روپے کی شرط بندی کے لئے رکھی رہتی ہے اور کھیلنے والوں

کو امیر صاحب حسب ضرورت کمر بند یا پیش قبض گدڑ کپڑے [illegible]

باجہ کا شوق

دیتے ہیں کبھی آپ کام میں مصروف رہتے ہیں اور کھیلنے والوں میں سے ایک کو بتلاتے جاتے ہیں۔ امیر صاحب پیانو باجے کا بھی شوق رکھتے ہیں۔

لہ شہر کلکتہ کے سوداگران میون انڈ کو کے نائب مسٹر رچز امیر کی فرمائش کے مطابق پیانو باجہ خود کابل لیکر گئے تھے۔ دو ماہ کے قیام کے بعد یہہ کلکتہ واپس آگئے۔ اکتوبر ۱۸۹۰ء میں ایک انگریزی اخبار کے رپورٹر نے ان سے ملاقات کی اور جو بات چیت ہوئی

یہہ خلاصہ جسکا ذیل میں ہے:

"چونکہ ہمارے کارخانہ نے امیر صاحب کی فرمائش کے مطابق خاص نمونہ کا پیانو باجہ طیار کیا تہا۔ اس لیئے امیر نے درخواست کی کہ اسکے ہمراہ کارخانہ کا ایک نائب بھی آوے لہذا میرا افغانستان جانا ہوا امیر سے میری ہمیشہ ملاقات ہوتی تھی اور وہ مجھہ سے نہایت مہربانی سے پیش آتے تھے۔ جولائی کے شروع میں دوپہر کو میں کابل پہونچا اور پہونچتے ہی امیر نے باجہ طلب کیا۔ انکا اشتیاق حد سے زیادہ تہا۔ میں نے محل کے صحن میں فوراً پیانو نکالنا شروع کیا۔ اور جب باجہ درستی سے لگا دیا گیا تو امیر صاحب نے مجھہ سے فرمایش کی کہ اسکو بجاؤ امیر صاحب کو تو باجہ بجانا نہیں آتا تہا مگر درباری کچھہ فارسی گیتیں نکال لیتے ہیں میں دو گھنٹہ تک بجاکر چلا آیا۔ تو امیر نے مس ہملٹن کو بلاکر پیانو بجانے کی فرمایش کی۔ اور سنکر خوش ہوئے۔ مجھے امیر صاحب نے باجہ سکہلانے کی فرمایش کی۔ اور میں نے کہا کہ جو کچھہ مجھے آتا ہے اُسے خوشی سے سکہلاونگا مگر چونکہ اونہیں نقرس کے پرانے آزار سے تکلیف تھی اسلیئے میں نے رائے دی کہ اپنی نشست کے پاس ایک چھوٹا سا پیانو رکھوا لیئے۔ کیونکہ کئی چھوٹے چھوٹے پیانو محل میں موجود تھے۔ مگر اُنہوں نے نہیں مانا اور نئے باجہ کو طلب کرکے کہا کہ نہیں میں برابر بیٹھوں گا گو اس سے پہلے وہ کبھی دن سے نہیں بیٹھے تھے۔ وہ اس نئے باجہ کو کامل تین گھنٹہ تک بجاتے رہے اور مجھہ سے اسکے متعلق ذرہ ذرہ سی باتیں پوچھتے رہے۔ ہماری گفتگو ایک منشی کی وساطت سے ہوتی تھی۔ بعد ازاں ایک مستری یاقوت کی انگوٹھیاں لایا۔ اور اُنہوں نے یہہ میر منشی کو کہا کہ اول آپ پسند فرمالیئے۔ امیر صاحب موسیقی کے بہت شائق تھے۔ ایک دفعہ مجھہ سے کہنے لگے کہ جب میں دربار راولپنڈی میں شریک

امیر صاحب سر شام کمر کھول دیتے ہیں۔ ورنہ دن بھر مسلح رہتے ہیں۔

ہونے کے لئے گیا تھا تو وہاں فوجی باجہ میرے بہت پسند آیا اور میں نے بھی کابل
کی فوج میں ویسے باجہ کو رواج دینا چاہا۔ مگر بینڈ ماسٹر کے نہ ملنے سے کام نہیں چلا آخر
باجہ کی کتابیں فارسی میں ترجمہ کرا کر خود سیکھیں۔ اور پھر اپنے لوگوں کو سکھلائیں۔ امیر نے
کہا کہ میں نے اپنے آدمیوں کو لکڑی کا سامان بنانا سکھلایا ہے۔ میں نے خود ایسا اسباب بنا ہوا دیکھا
اور مجھے پہلے یقین تھا کہ یہ ولایت کا بنا ہوا ہے۔ مگر میرا یہ خیال غلط نکلا۔ جہانتک مجھے دیکھنے
کا موقعہ ملا ہے امیر صاحب ادنے سے ادنے آدمی سے بھی ملتے ہیں۔ مجھے دربار عام کے کمرہ میں بہت
دفعہ جانیکا اتفاق ہوا۔ یہاں دیکھنے میں آیا کہ امیر خود مقدمات سماعت کرتے ہیں اور انکا فیصلہ
بھی خود ہی کرتے ہیں۔ افغانستان میں یورپین بغیر خطرہ کے سفر کر سکتے ہیں۔ جبتک میں
کابل میں رہا۔ اکثر تنہا بعض اوقات بغیر چھڑی کے چاروں طرف پھرتا رہا۔ کسی نے آنکھ اٹھا کر
بھی نہیں دیکھا۔ گو میرے پہرہ کے لیئے سپاہی ہر وقت موجود رہتے تھے۔ مگر میں نے انہیں کبھی
ساتھ نہیں لیا۔ اہل کابل نہایت مروت اور انجادسی پیش آئے۔

امیر صاحب معاملات تعلیم میں نہایت شوق رکھتے ہیں۔ وہ تعلیم کو سب کے لئے لازمی قرار دینے
والے ہیں۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ تعلیم سے انکے ملک کی حالت سدھر جائیگی۔ وہ زراعت
کے معاملات میں بہت دلچسپی ظاہر کرتے ہیں چنانچہ کابل میں انہوں نے کئی مرتبہ زراعتی تجربے
کرائے ہیں۔ مسٹر سالٹر پائن کے زیر اہتمام صنعت و حرفت کے کئی کارخانے جاری ہو گئے ہیں
صابن بنانے کا کارخانہ کھل گیا ہے۔ امیر کابل شراب بھی کھنچواتے ہیں۔ برانڈی اور وسکی
کابل میں طیار ہونے لگی ہے۔ غالباً ادویات کے استعمال کے لیئے۔ یورپین لوگوں کے ساتھ
کابل میں کیسا اچھا سلوک ہوتا ہے۔ مسٹر کلیمنٹس جو کے دو اور عمدہ اصطبل ہیں اور ان اصطبل
میں پرنس آف ویلز کے اصطبل کی بھی نسل موجود ہے۔ ولایت کے گھوڑوں کو یہاں کی آب و ہوا
موافق ہے۔ اور بہت عمدہ اور بڑھیا ہیں۔ ایک یہ بھی امر مسٹر والٹر ہیں جنہوں نے فارسی میں

پہنتی ہیں اور یہ چیز [illegible] پہنتے ہیں۔ اپنے کو آراستہ کرتے ہیں [illegible] شملہ کے دستے ململ
کی ہوتی ہے [illegible] اسی طرح [illegible] پگڑی [illegible] طلائی [illegible] پیشانی پر
[illegible] جو سر پر لنگی باندھتے ہیں۔ [illegible] کی ایک جیب ہیں

امیر صاحب کی پوشاک

سینے اور قطع کرنے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ امیر صاحب ڈاکٹری بہت قدر کرتے ہیں۔ مس ہملٹن کو وہاں سے قیام کرنے کو کوئی بخوشی نہیں معلوم ہوتا۔ وہ کابل کی سکونت کو پسند کرتی ہیں۔ انکی بڑی خواہش ہے کہ افغان عورتوں کے علاج معالجہ کے لیے کابل میں ایک شفاخانہ جاری کریں۔ کابل میں تین انگریزی لیڈیاں رہتی ہیں۔ ایک [illegible] صاحب کی میم۔ دوسری کلیمنس صاحب کی میم۔ اور انکی خادمہ مس ہملٹن انکے علاوہ ہیں۔ امیر بہت اچھے آقا ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنے ملک کو ترقی دیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کابل میں کوئی شخص تجارت کا بڑا کارخانہ کھولے تو وہ روپیہ بغیر سود پیشگی دینے کو آمادہ ہیں۔ میں نے امیر صاحب کے کارخانجات دیکھے۔ فی الحقیقت بہت ترقی پر ہیں۔

۵۱ امیر صاحب لباس اکثر انگریزی وضع کا زیب بر کرتے ہیں۔ اور یورپین فیشن کو پسند کرتے ہیں۔ صبح شام کبھی کبھی دیسی لباس بھی پہنتے ہیں۔ اور اسکے ساتھ سفید ململ کی پگڑی باندھتے ہیں۔ لیکن یورپین لباس کے ساتھ استرخانی ٹوپی پہنتے ہیں۔ امیر صاحب کے یورپین لباس پسند کرنے کے باعث کابل میں یورپین طرز پوشاک کو بہت ترقی ہوگئی ہے۔ اکثر رئیس اور بڑے بڑے لوگ بالکل کوٹ پتلون اور بوٹ پہنتے ہیں۔ عوام الناس میں بھی یورپین فیشن کا خیال پھیل گیا ہے۔ جب سے امیر صاحب نے یورپین درزی ہندوستان سے بلوا کر کابل کے درزیوں کو کاٹنے اور سینے کا کام ان سے سکھلوایا ہے۔ تب سے جو درزی انگریزی فیشن کے اچھے کپڑے قطع کرتے ہیں ان کا کام بہت پسند کیا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے انگلستان و فرانس کے پرانے سول و ملٹری کوٹ ہندوستان کی راہ سے کابل میں جاکر ہزار ہا روپیہ سالانہ کے بکتے ہیں۔

گھڑی اور ایک میں سلطنت کی مُہر ہوتی ہے۔ مُہر کے ساتھ ایک قبلہ نما بھی ہوتا ہے۔ فرش پر بوٹ اُتار دیا کرتے ہیں۔ شب جمعرات کو آدھی رات تک شاہی کے گرد باجے بجتے ہیں۔ اور سازندے گاتے ہیں۔ اُنکے ساز طاؤس وغیرہ ہوتے ہیں۔ اگر دربار کا دن ہو تو امیر صاحب ایک بجے دوپہر کو بیدار ہوتے ہیں۔

روزمرہ

مُنہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کر کے کاغذ دیکھنے شروع کرتے ہیں۔ تین بجے کھانا کھاتے ہیں۔ حرم سرائے سے ہر روز امیر صاحب کی روٹی پچاس آدمی کی تین بجے کے قریب آتی ہے۔ یہہ خاص لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔ اور عام دستر خوان کی کھانے سے پرتکلف ہوتی ہے۔ امیر کے دستر خوان پر چھاچھہ اور دہی ضرور ہوتی ہے۔ وائسرائے ہند کے نام جو امیر صاحب ڈاک لکھتے ہیں وہ دبیر اول سے لکھواتے ہیں۔ اور دستخط کر کے امیر مُہر لگا دیتے ہیں۔ فوج کا ریوالور ہمیشہ ہمراہ رہتا ہے۔ امیر صاحب ناس[1] بھی استعمال کرتے ہیں۔ اِنکے دیوان خاص میں دو دربان چوکی پاتے ہیں جنکی تنخواہ چھہ سو روپیہ ماہوار سے اوپر ہے۔ اور یہہ دربار میں کرسیاں دینے کا دستور امیر صاحب نے مزار شریف سے واپس آکر جاری کیا ہے۔ علاوہ اِسکے اب امیر صاحب بار عام مزار شریف کے حادثہ کے بعد خود نہیں کرتے۔ یہہ خدمت سردار حبیب اللہ خان کے سپرد ہے۔ امیر صاحب بوستان سرائے میں جو سردار اعظم خان فرزند مرحوم مقبول کے لئے تعمیر کیا گیا ہے رہتے ہیں۔ یہہ ارک کا

تمباکو کشی

[1] امیر صاحب کم تمباکو پیتے ہیں۔ لیکن جب پیتے ہیں تو ترکی حقہ لگا کر پیتے ہیں۔ مگر شہزادہ حبیب اللہ خان ہندوستانی سگریٹ پیتے ہیں۔ امیر صاحب کے چچا یوسف خان انگریزی باریک تمباکو کی پتیاں پائپ میں رکھ کر پیتے ہیں۔ [illegible] کہ وہ انکی صحت کے حق میں [illegible] امیر صاحب کی خدمت میں [illegible] امیر صاحب [illegible] بغیر کر جاتے تھے۔

بڑا ہونہار ہے اور امیر صاحب کا بڑا لاڈلا ہے۔

امیر صاحب بڑے فیاض ہیں جسکو کوئی وزیر امیر پیش کردے اُسے انعام دیتے ہیں۔ ہندوستانی ہنرمندوں کی بھی قدر افزائی کرتے ہیں۔ حرم سرائے میں دوسرے تیسرے چوتھے مہینہ ایک دفعہ جاتے ہیں۔ اور دو تین شب قیام رکھتے ہیں۔ کابل شہر کی کل

مسجدوں کا خرچ

مسجدوں میں تیس روپیہ ماہوار اول درجہ کے ملاں کو۔ دس روپیہ درجہ دوم کے ملاں کو۔ اور چھ روپیہ موذن کو ملتا ہے خرچ تیل اور آب گرم کا سب سرکاری ہے۔ امیر صاحب فقط عید کی نماز مسجد میں پڑھتے ہیں۔ لوگ ملانوں کو کچھ نہیں دیتے۔ باوجودیکہ شراب ممنوع ہے لیکن لوگ گھروں میں شراب بنا کر پیتے ہیں۔ کابل میں

درباری خطاب

سب سے بڑا خطاب دربار کا "عالیجاہ" ہے جس عورت کا خطاب "حشمت نشان" ہو صرف وہ ملکہ کے دستر خوان پر بیٹھکر کھانا کھا سکتی ہے۔ باوجود اس کے کہ امیر صاحب کا پیار

امیر صاحب کے نکتہ چین اُن پر سب سے بڑا الزام یہ لگاتے ہیں کہ وہ بڑے ظالم۔ سنگدل اور بے رحم ہیں۔ انسان کو سخت ترین سزا دینے اور جان سے مار ڈالنے کا حکم دینے کے وقت اُنکی طبیعت پر ذرہ میل نہیں آتا۔ ہندوستان کی انگریزی اخبارات نے وقتاً فوقتاً اور خصوصاً لارڈ رابرٹس کی مشن سے انکار کرنے کی وقت امیر صاحب کو جسقدر برا بھلا کہا ہے اور اُنکے ظلموں اور سختیوں کے واقعات کو روغن قاز ملکر پبلک کے پیش کیا ہے۔ اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ امیر عبد الرحمن ایسا سفاک اور ظالم بادشاہ ہے کہ چنگیز خاں اور امیر تیمور اسکے سامنے طفل مکتب

۱؎ جس زمانہ میں سر مورٹیمر ڈیورینڈ کی مشن کابل میں موجود تھی اور کابل کے حالات ہندوستان کے اخبارات چھاپ رہی تھے ایک اخبار نے یہ بھی لکھا تھا کہ امیر صاحب نے اپنے سونے کے کمرہ میں چنگیز خاں کی تصویر آویزاں کر رکھی ہے اور اُسکے ساتھ یاد دلایا گیا تھا کہ امیر عبد الرحمن خاں اس وسط ایشیا کے مہیب سپہ سالار کے نقش قدم پر چلنا چاہتے ہیں۔

تھے۔ میں نے اس وقت بھی "پیسہ اخبار" میں ان مبالغہ آمیز الزامات کی تردید اور امیر صاحب کی حالت مجبوری کا ذکر کیا ہے۔ اور اب چونکہ کسیقدر زیادہ مناسب موقعہ ہاتھ آیا ہے میں زیادہ تفصیل سے اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ جسکا پچھلے باب کے اخیر میں بھی وعدہ کر چکا ہوں۔

امیر صاحب سختی اور نا کے الزامات تردید۔

جس قدر حالات امیر صاحب کے سخت سزائیں دینے کے مختلف وسائل سے معلوم ہوئے ہیں انہوں نے کوئی شبہہ نہیں چھوڑا کہ وہ سزائیں عموماً سخت دیتے ہیں۔ اور اس طرح بڑے ظالم اور ستم گر مشہور ہو گئے ہیں۔ بتلایا جاتا ہے کہ رحم اور شفقت نے انکے سینہ میں ذرہ بھر جگہہ نہیں پائی۔ مگر یہ باتیں صحیح نہیں۔ اسمیں کلام نہیں کہ امیر کی قسمت نے ہر ایک طرح اسقدر پلٹے کہائے ہیں کہ اسنے اُسے پختہ مغز اور تجربہ کار بنا دیا ہے۔ طبعاً وہ مستقل مزاج اور اپنے ارادہ پر قادر ہے۔ اور جس کام کو وہ کرنا پسند کرتا ہے ایک ہی دفعہ ہمیشہ کے لیئے اسکا فیصلہ کر دینا چاہتا ہے وہ خود اُن قابلیتوں کے ساتھ ایک یکتا افغان ہے۔ اور جاہل ضدی سرکش اور شورہ پشت جنگجو افغانوں کے ساتھ اُسے واسطہ پڑا ہے۔ ان سب اسباب کے جمع ہو جانے سے وہ نتائج پیدا ہوئے ہیں کہ جنکو لوگ امیر کے ظلم و ستم سے منسوب کرتے ہیں ورنہ امیر عبدالرحمن خان نے اپنی پرائیوٹ زندگی کے کئی واقعات سے ثابت کر دیا ہے کہ اسکی طبیعت میں شفقت محبت اور رحم بھی موجود ہے۔ گو ان صفات کو عمل میں آنیکا کم موقع ملتا ہے۔ تاہم نادر شاہ کی طرح امیر عبدالرحمن نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اندھا نہیں کرا دیا۔ نہ نپولین بونا پارٹ کی طرح اپنی فوج کے ایک بہت بڑے حصہ کو اپنے سامنے مروا ڈالا کہ فوج ضرورت سے زیادہ تھی۔ بلکہ چنگیز خاں یا امیر تیمور نے جس جہانسوزی اور غارتگری سے نام پایا ہے اس قسم کے واقعات امیر عبدالرحمن خاں کو پیش ہی نہیں آئے۔ اسنے ایک سلطنت کو مستقل کرنے اور اپنی قوم کو

رام بنانے کے لیئے بیشک سختی کا برتاؤ کیا ہے جو مدت سے غیر مستقل اور سرکش
رہنے کے عادی ہوگئے تھے۔ اور اسلیئے اُسے ضرورت سے زیادہ سختی کا برتاؤ کرنا
پڑا۔

تاریخ افغانستان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہی کہ امیر عبدالرحمن خاں نے شاہ زماں
سدوزہی کی طرح افغانوں کو سختی سے زیر کرنا چاہا ہے کہ آئے دن بغاوتیں کرنے کا
انہیں حوصلہ ہی نہ رہے۔ مگر ساتھہ ہی اسکے باپ تیمور شاہ کی نرمی اور اُسکے دادا
احمد شاہ کا تدبر بھی اسکی ذات میں جمع ہے۔ جو سزائیں تعزیرات ہند کے مطابق
ہندوستان کی انگریزی رعایا کو دیجاتی ہیں یہ بیشک زیادہ شائستہ اور کم
ہولناک ہیں۔ لیکن بدمعاشوں کی نظر میں یہہ بجائے جرم کو کم کرنیکے جرم کو
بڑھانے میں مدد دیتی ہیں۔ مگر امیر بھی ہندوستان اور افغانستان کی رعایا کو
یکساں سمجھکر دونوں کی اصلاح کے لیئے یکساں وسائل عمل میں لانا صریح غلطی ہے
افغان پتھروں کی سرزمین میں رہتے ہیں۔ اور اسمیں شک نہیں کہ انہیں
طبیعتیں اور مزاجیں بھی ایسی ہی پتھریلی ہوگئی ہیں۔ اس لیئے امیر عبدالرحمن خاں
کو انہیں قابل عبرت سزائیں دینی پڑیں۔ امیر عبدالرحمن خاں کا عزم اور استقلال
قوت فیصلہ اور ارادہ کی مضبوطی اسی بات کی مقتضی تہیں کہ وہ افغانستان
ایسے ہر وقت ڈگمگانے والے تخت کو مستقل بنیاد پر نصب کرتے۔ انکے ملک کی تاریخ
سے انہیں یہی سبق ملا اور ہر شخص جو افغانستان کی دو تین گذشتہ صدیوں
کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کریگا وہ اُس سے ایسا ہی نتیجہ نکالیگا۔ احمد شاہ ابدالی نے
سختی کے ساتھ اتنی وسیع سلطنت میں اپنا رعب قائم رکہا ہوا تھا کہ اسکے بیٹے
تیمور کے نرمی سے سلطنت میں جابجا بغاوت شروع ہوگئی۔ افغانوں کے خیال
کے مطابق بادشاہ کی رحمدلی اور نرمی کا مطلب یہہ ہی کہ وہ مضبوطی سے

حکومت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اور جو ہیں کہ رعایا کو اس بات کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ قوموں کے سرکش سردار خودسری دکھلانے کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اگر انہیں سخت سرزنش نہ کیجاوے تو وہ تخت کے نئے نئے دعویدار کی اوٹ میں بادشاہ کو چین نہیں لینے دیتے۔ امیر صاحب نے ہر موقعہ کی بغاوت کو سختی کے ساتھہ فرو کیا ہے۔ اور ہر مجرم کو نہایت سنگدلی کے ساتھ سزا دی ہے۔ یہانتک کہ بارہا ہم لوگوں کی زبان سے بے تحاشا خوفناک کلمات ایسی وحشیانہ سزاؤں کو سنکر نکل گئے ہیں۔ مگر زیادہ غور اور فکر کے بعد قایل ہونا پڑا ہے کہ تخت افغانستان کی حفاظت اور افغانوں کی سرسبزی اور بہتری کے لیئے یہی سزائیں ضروری تہیں۔ دانشمند طبیب خوب جانتا ہے کہ اگر ایک نازک مزاج سرام طلب لکھنؤ کے امیرزادہ کو ایک تولہ گلقند دیگئی ہے تو اُسی مطلب کے لیئے ایک پنجابی دیہاتی جفاکش جاٹ کو ایک تولہ جمال گوٹہ دینا پڑیگا ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اس بیان سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ میں ایسی سخت اور خوفناک سزاؤں کو پسند کرتا ہوں جو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے اخبارات میں امیر صاحب سے منسوب کیگئی ہیں۔ بلکہ میں انہیں وحشیانہ سزائیں قرار دیتا ہوں لیکن یہہ جہاں افغانوں کے مزاج کے کسیقدر موافق ہیں ساتھ ہی افغانستان کے طریقہ حکومت کے لیئے موزون ہیں[1]۔

---

[1] جون ۱۸۹۲ء میں ایک اخبار کے ایک نامہ نگار نے امیر صاحب کے ڈیفنس میں لکھا تھا کہ امیر عبدالرحمن خاں سب کو سزا ہی نہیں دیتے ہیں بلکہ جنکو سزا دیجاتی ہے پہر اگر اُنکو معاف کیا جاتا ہے تو اُنکے ساتھ بڑی عالی حوصلگی سے سلوک کرتے ہیں جیسا کہ امیر محمد حسین خاں مستوفی و میر احمد شاہ ضابط وغیرہ کے ساتھ عمل ہوا اور بادشاہ ان سے ترقی کا [illegible]

امیر صاحب نے خود اس قدر قتل کی سزائیں دینے کی وجہ ایک شخص سے یہ بیان کی تھی کہ جبکہ بادشاہ کا فرض ہے کہ رعایا کو جرم سے بچاوے لیکن یہ کام کوئی بادشاہ اپنی ساری عمر بھر میں بھی نہیں کرسکتا۔ اور نہ کوئی قانون لوگوں کو ارتکاب جرم سے روک سکتا ہے اسلیئے میں نے سزائے قتل میں یہ اثر دیکھا ہے کہ نہ مجرم کو ہی آئندہ کے لیئے ارتکاب جرم سے روک دیتی ہے بلکہ دوسروں کو بھی اسکی مثال سے عبرت پیدا ہوتی ہے۔

امیر صاحب کا سخت سزائیں دینے کا جواب

یہی قاعدہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ اسمیں امیر عبدالرحمن خاں کی شکایت بیجا ہے۔ امیر عبدالرحمن خاں کمال رحم کرنے والے رعیت پرور ہیں۔ ان دنوں کابل کی رعایا کو جو آرام چوروں قزاقوں۔ رہزنوں و عہدیداروں کے ظلم اور غارت گری سے ملا ہے وہ اس ملک کی رعیت کو کبھی کسی امیر کے زمانے میں حاصل نہیں ہوا۔ جنہوں نے پچھلے زمانے کے ظلم اور جبر اوٹھائے ہوئے ہیں اُن سے پوچھنا چاہیئے کہ امیر عبدالرحمن خاں کا زمانہ امارت کیسے آرام و آسایش کا ہے۔ امیر کسی رعیت کو کبھی بے ثبوت جرم سزا نہیں دیتے اور مجرم کو اس خیال سے سخت سزا دیتے ہیں کہ پھر کسیکو حوصلہ جرم کرنیکا نہ ہو۔ اس سے پورا پورا رُعب امیر کا بدمعاشوں اور ظالموں اور جرائم پیشہ لوگوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے جس کام کی وہ ممانعت کرتے ہیں اگر کوئی اُس جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو اسکو بے تامل سزا دیتے ہیں۔ ان دنوں پولیس کا انتظام ایسا اچھا ہے کہ چور اور قزاق اسملک میں نام کو نہیں رہے ہیں پہلے امیروں کے زمانہ میں کوئی دو میل شہر سے باہر تنہا نہ جا سکتا تھا۔ اب تمام ملک میں سونا اچھالتا پھرے تو کوئی نظر بھر کے نہیں دیکھتا۔ پچھلے زمانے میں فوجی سپاہی دوکانداروں کو تنگ کرتے تھے ہر شے مفت لیتے اور کچھ دام نہ دیتے تھے۔ اب کسی سپاہی کی یہ مجال نہیں کہ دمڑی کی چیز کسی دوکاندار سے بہ جبر لے یا کوئی شے پڑی گری زمین سے اوٹھالے چنانچہ ایک مرتبہ وہاں ایک تھیلی روپیہ سے بند ہوئی مدت کے متصل گری پڑی رہی کسی نے نہ چھوا جب کوتوال کا گذر ادہر ہوا تو دوکاندار نے اطلاع کی کوتوال نے اوٹھا کر کوتوالی میں بھیجا۔ رہا امیر نے ظلم کی بنیاد کو اوکھاڑ کے پھینکا اور امن مقام بلاد میں آسایش

[illegible]

[illegible]

امیر صاحب کی سو لہ سال کی حکومت نے ہمیں اس قابل کردیا ہے کہ ہم اس بات کے
انکے سخت سزا دینے کے طریقہ کے نتائج پر غور کرسکیں ۔ سب سے بڑی بات جو امیر
کبیر دوست محمد خان کی اولاد میں کسی حکمران کو نصیب نہیں ہوئی یہہ ہے کہ افغانستان
کا تخت اب بالکل محفوظ اور کافی طور سے مستحکم ہے ۔ بیرونی حملوں کے قطع نظر کیونکہ
حالات موجودہ کے مطابق انکا کسی طرف سے اندیشہ نہیں) اندرونی شورشیں
جیسی اس وقت بند ہیں کبھی افغانستان میں بند نہیں ہوئی تھیں ۔ امیر کے
خاندان کے کسی شخص یا انکے صاحبزادوں سے ایسا خیال ایسا ہی غیر متوقع
ہے جیسا کہ ملک کے کسی زبردست قوم کے سرغنہ سے ہے ۔ دوسرا فائدہ اس
سخت گیری سے یہ حاصل ہوا ہے کہ افغانستان میں جرم کی تعداد بمقابلہ ہندوستان
یا دیگر مہذب ممالک کے بہت کم ہے ۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ چند سال میں ہندوستان
میں مقدمات فوجداری و دیوانی کی تعداد کس سرعت سے بڑھ گئی ہے ۔
ہر ایک ضلع اور اسکے ماتحت تحصیلوں میں کتنے کتنے مجسٹریٹ ہیں ۔ اور ان میں سے
ہر ایک ہر روز کتنے مقدمات فیصل کرتا ہے ۔ تاہم کام پورا نہیں ہوتا ۔ چیفکورٹ
میں ۱۰ سال کی تاریخ پیشی پڑتی ہے ۔ لیکن افغانستان میں امیر خود عدالت
ابتدائی اور خود ہی عدالت اپیل ہے ۔ انکے سوائے صرف صوبجات کے گورنر اور
بڑے بڑے مقامات میں قاضی فیصلے کردیتے ہیں ۔ یہ مانا کہ سب کارروائی
زبانی ہوتی ہے ۔ لیکن اگر ہندوستان کے برابر مقدمات کی اوسط ہوتی تو کتنی
عدالتیں امیر صاحب کو بھی رکھنی پڑیں ۔ امیر صاحب کی سختگیری کی وجہ سے
دیوانی اور مال کے صرف سچے مقدمات پیش ہوتے ہیں وہ بھی عرضی نویسوں
اور وکیلوں کی زہر آلود رائے سے پاک ہوتے ہیں ۔ فوجداری اس سے
بھی کم ہوتے ہیں کیونکہ سخت سزا طبعاً جرم کی مقدار کم کردیتی ہے مثلاً

افغانستان
مقدار جرم

رستہ میں پڑی ہوئی چیز کو بھی نہ اٹھاؤ

ایک دفعہ سنا گیا تھا کہ ایک شخص نے افغانستان کے ایک راستہ پر روپیوں کی تھیلی پڑی پائی۔ وہ اٹھا کر امیر صاحب کے پاس لے آیا۔ اسے امید تھی کہ امیر صاحب میری دیانت پر خوش ہونگے۔ مگر امیر نے اس سے دریافت کیا کہ کہاں تھ سے اسنے تھیلی اوٹھائی تھی۔ جب اسنے وہاں کا پتہ بتلایا تو امیر نے اسکے کاٹدینے کا حکم دیدیا۔ اور ساتھ ہی کہا کہ اگر تم اس تھیلی کو رستہ ہی میں پڑا رہنے دیتے تو شاید اسکا مالک ڈھونڈتا ہوا ادھر سے گذرتا اور اسے اوٹھا لیجاتا۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہے اور غالباً صحیح ہوگا تو اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ افغانستان میں چوری کسقدر کم ہوگئی ہے۔

مگر اس سخت گیری اور شدید عقوبات کا جو امیر صاحب کی بارگاہ سے عام طور پر رہزنوں ڈاکوؤں اور قاتلوں سے مرعی رکھی گئی ہیں نہایت عمدہ نتیجہ نکلا ہے کہ جسنے آج افغانستان کو پندرہ بیس سال گذشتہ کے افغانستان سے امن و آسایش کے رستہ میں بہت فاصلہ آگے بڑھا دیا ہے۔ آج افغانستان کے رستے قاتلوں اور ڈاکوؤں سے بہت کچھ پاک و صاف ہوگئے ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سابقہ اور حال کے افغانستان میں اس پہلو میں کسقدر فرق ہوگیا ہے

زمانہ سابق کے افغانستان کی دو تصویریں

افغانستان کے ایک رستہ پر ایک مسافر گذر رہا ہے۔ ایک اور شخص نے کچھ دور سے فرض کرو کہ ایک پہاڑی کی چوٹی سے اسے دیکھا۔ اسکے ذہن میں فوراً سما گیا کہ مسافر کوئی مالدار آدمی ہے۔ غالباً ہندو ہے جو پاس کے گاؤں سے کچھ ترقی وصول کرکے لایا ہے۔ یا شاید اسکے بقچے میں جو پیٹھ پر ڈالے جا رہا ہے چاندی سونے کے زیورات ہونگے۔ فوراً بندوق میں گولی ڈالکر بدنصیب مسافر کو نشانہ بنالیتا ہے وہ کمبخت گر گیا۔ قاتل نے پاس جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ چاندی سونا تو کچھ نہیں البتہ ایک ہندوانہ بقچہ تھا جسنے اسکو دھوکا دیا۔ اور اپنے ایک فائدہ کے باعث وہ ضائع ہوگیا

افسوس کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ ایک دوسرا مسافر جو بہت غریب اور شکستہ حال ہو
کسی دوسرے راستہ پر جا رہا ہے۔ اسکے پیچھے کمین گاہ سے ایک اور شخص نمودار
ہو گیا۔ اور پھرتی سے لپک کر تلوار کے ایک وار میں مسافر کا سر تن سے جدا کر دیا۔
اسکو بھی پیچھے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ جبکہ مقتول کے کپڑے ایسے ویسے نکلے اور
سوائے دو روٹیوں کے اسکے پلے سے اور کچھہ برآمد نہ ہوا۔ یہہ وقعات سابقہ افغانستان
کے ہیں ممکن ہے کہ ان پر مبالغہ کا رنگ زیادہ چڑھ گیا ہو تاہم اسی سے اندازہ
ہو سکتا ہے کہ جس ملک میں انسان کی جان کی قدر اسقدر کم تھی۔ اب حال کی
نسبت انگریز مسافر شہادت دیتے ہیں کہ جب وہ سفر میں رات کی تاریکی میں ساتھیوں
سے الگ ہو گئے ہیں تو افغانوں نے انہیں مدد دی ہے۔ اور یہہ سب تغیر امیر عبدالرحمن
خاں کی اس سختی کا نتیجہ ہے جو وہ مجرموں سے برتا کرتے ہیں[5]۔ انکے سزا دینے کے
ڈھنگ نرالے اور ہولناک ہیں۔ پھانسی یا قتل تو معمولی باتیں ہیں۔ لیکن رات
کے وقت لوگوں کا گھروں سے غائب ہو جانا یا جیلخانہ میں گلا گھونٹ کر مار جانا
یا فاقوں سے مارنا بھی انکی سزائیں ہیں۔ ڈاکٹر گرے جو امیر صاحب کا ملازم رہ چکا
ہے جیلخانہ میں گلا گھونٹ کر مارنے کی سزا کی نسبت حسب ذیل کیفیت لکھتا ہے۔

گلا گھونٹ کر مار ڈالنے کی سزا

" امیر صاحب نے میری حفاظت کیلیئے جو گارڈ مقرر کیا ہوا تھا انمیں سے ایک سپاہی
کا یہہ کام تھا کہ جب میں گھر پہونچتا تو میری سواری کے بوٹ اتارتا اور جب میں

[5] جمرود سے لال پورہ تک انگریزی اسکورٹ مسافروں کی حفاظت کیلیئے دیا جاتا ہے اور جبتک
قافلہ اکھٹا نہو جاوے کوئی شخص جانیکی جرأت نہیں کر سکتا۔ پہلے ہفتہ بھر میں دو سے زیادہ قافلے یعنی جمعرات
کے سوائے نہیں جاتے۔ لیکن جب لال پورہ میں قافلہ پہونچجاتا ہے اور حفاظت کے ذمہ دار امیر صاحب ہو جاتے ہیں تو اس وقت
کسی اسکورٹ کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور نہ قافلہ کی حاجت رہجاتی ہے مسافر اکیلا دوکیلا جہاں چاہے چلا جاوے
اور یہہ امن اسی سختی کا نتیجہ ہے جو امیر صاحب سے انکے نکتہ چین منسوب کرتے ہیں۔

بستر پر لیٹ جاتا تو یہہ چراغ گل کر دیا کرتا تھا۔ یہہ خوبصورت اور قد آور آدمی تھا مگر
اسکی آنکھوں میں ایک عجیب بھیانک نظر موجود تھی۔ "میں نے دریافت کیا کہ میرے گھر
کی حفاظت کے سوائے یہہ شخص اور کیا کام کرتا ہے۔ تو مجھے بتلایا گیا کہ کیا تم نے کبھی
خیال نہیں کیا کہ بعض بعض راتوں کو کوئی دوسرا شخص اسکی جگہہ کام کرتا ہے۔ میں نے
اس بات کو پہلے بھی تاڑا تھا۔ تب مجھے اطلاع دیگئی کہ یہہ شخص سرکاری جلاد ہے اور اسکا
کام یہہ ہے کہ جیلخانہ میں بعض آدمیوں کا گلا گھونٹ کر مارا کرے۔ بدقسمت قیدی
کو کہا جاتا ہے کہ آج رات تم ایک الگ کمرے میں سو رہو۔ جب وہ وہاں جاتا ہے
تو دیکھتا ہے کہ ایک اور شخص بھی وہاں موجود ہے۔ جب وہ سو جاتا ہے تو دوسرا شخص
یعنے میرا دوست سونیوالے کی گردن کے گرد آہستہ سے ایک پھانسی کی گرہ کسکر
دفعتاً اسکو گھونٹ دیتا ہے اور جھٹ سے اپنے شکار کے سینہ پر سوار ہوکر سارا زور
اُسپر ڈالکر دلپر خوب ضربیں لگاتا ہے۔"

پھر مصنف ایک دوسری جگہہ لکھتا ہے کہ نائب میر سلطان جو بڑا ظالم آدمی تھا
جسکو امیر صاحب نے بعد میں پھانسی بھی دلادی کئی طرح لوگوں کو خفیہ مروادیا کرتا تھا
ایک اسکا یہہ بھی طریق تھا کہ شام کی تاریکی کے بعد لوگوں کو گھروں سے منگواکر
مروادیتا۔ مثلاً آدھی رات کے پس و پیش کسی شخص کے دروازہ پر دستک پڑتی ہے
جب اُسنے باہر نکلکر دیکھا تو دو تین شخصوں نے جو پولیس کی وردی پہنے کھڑے تھے
اُسے بتلایا کہ امیر صاحب نے اُسے یاد کیا ہے۔ چونکہ امیر صاحب اکثر رات کو بہت دیر تک
بیٹھکر کام کرتے ہیں۔ وہ بیچارہ جھٹ پٹ کپڑے پہن اُنکے ہمراہ روانہ ہوجاتا
ہے۔ پھر دوسرے تیسرے روز اُسکا سر کہیں اور تن کہیں پڑا پایا جاتا ہے۔
اسکی بیوی امیر صاحب کی خدمت میں فریاد کرتی ہے کہ میرے شوہر کو آپنے بلایا
تھا۔ امیر صاحب انکار کرتے ہیں۔ اور آخر نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ مقتول کسی

آدھی رات کو امیر صاحب نے یاد کیا ہے

ذاتی دشمن کا کام ہے۔ ساتھ ہی اس قصہ کا ناقل کہتا ہے کہ اس واقعہ کے معنے اور بھی بیانات سُنے ہیں۔ یعنی یہ کہ امیر صاحب ہی کے حکم سے اسطرح بھی لوگ قتل کیے جاتے ہیں اور جن لوگوں کے رویہ پر امیر صاحب کو شک ہوتا تھی اُنکا اس طرح قصہ پاک کر دیتے ہیں۔ مگر اسپر اعتراض وارد ہوسکتا ہے کہ جبکہ امیر صاحب کو روز روشن میں کوئی اُس شخص کے قتل سے روک نہیں سکتا تو وہ رات کو خفیہ کیوں ایسا کرنے لگے تھے۔ اور در اصل یہی بات صحیح بھی ہے[1]۔

مسجد کے جوتے کے جرم میں آنکھیں نکلوا دیں

ایک دفعہ مجھے ایک کابلی نے سنایا تھا کہ ایک کمبخت مسجد کی جوتیاں چُرا تا ہوا پکڑا گیا۔ امیر صاحب نے اُسکی دونوں آنکھیں اِس جُرم کی سزا میں نکلوا دیں۔ اور ایک جوڑہ جوتیوں کا جو اُسنے چورایا تہا ڈوری سے باندھکر اُسکے کندھوں سے نیچے لٹکایا گیا اور بایں ہئیت اُسکو شہر میں پھرایا گیا جبکہ اُسکی ماں بھی اُسکے ہمراہ تھی۔ آہ کیسا دردناک اور دلگداز نظارہ ہوگا۔ مگر امیر صاحب نے اسکو عبرتناک سزا سمجھا تہا۔ اور یقیناً اِس سے یہ مطلب حاصل ہوا ہوگا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی رجمنٹ میں کچھ فتور ہوگیا۔ امیر جیسے سو سپاہیوں کی آنکھوں میں چونہ

---

[1] ایک پارسی جنٹلمین نے جو امیر صاحب کی خدمت میں کچھ عرصہ تک رہچکا ہے اِس گلا گھونٹنے کی سزا کے متعلق مجھے یقین دلایا کہ یہ سب کام نائب میر سلطان کا ہوتا تھا۔ امیر صاحب کو اُسکا بہت بڑا اعتماد تھا اور وہ ظالم لوگوں سے کینہ نکالنے اور روپیہ لوٹنے کے لیئے اِن بیچاروں کو بڑی بیرحمی سے اِس طرح مروا دیا کرتا تہا۔ اسکے پاس ایک کتابچہ تھی جسمیں خفیہ رپورٹیں لکھکر اور لاکھ سے سربمہر کرکے امیر صاحب کی خدمت میں بھیجا کرتا تہا۔ امیر صاحب شام کو جب اپنے کمرہ میں جاتے تو اُسکی مُہر توڑکر رپورٹیں پڑھتے اور اُنپر حکم لکھتے۔ اور پھر اُسی طرح لاکھ سے سربمہر کرکے نائب میر سلطان کے پاس بھیجتے تھے۔ مثلاً اسمیں کسی شخص کی نسبت مخبری ہوتی کہ فلاں شخص کے پاس فلاں مقدار کا روپیہ امانت ہے تو امیر صاحب اُسپر حکم دیتے کہ اُس سے وصول کر لو۔ اور اُسے ملک سے خارج کردو۔ یہ شخص روپیہ وصول کرکے اُسکو ایسی بیرحمی سے مروا دیتا تاکہ روپیہ کی مقدار کا کسیکو علم نہ ہو اور امیر صاحب کو تھوڑا سا روپیہ بھیجکر باقی آپ لے لیتا۔

بہر دادیا گیا۔ ایک اور شخص جس نے کسی دوسرے کو زنانہ میں داخل ہونیکا ارادہ کیا تہا اُسکے بدن کی کہال اُوتار ڈالی گئی۔

قزاق کو پنجرے کا سنا

ایک مرتبہ امیر صاحب نے کوہ لتابند کے قزاقوں کو گرفتار کیا اور اُنسے پوچہا کہ وہ اس مذموم کام کو کیوں نہیں چہوڑ دیتے۔ اُنہوں نے کہا کہ پیٹ بڑا ظالم ہے۔ امیر صاحب نے کہا کہ تم کو دس دس روپے ماہوار سرکار سے وظیفہ ملجائیگا۔ اگر یہ کام چہوڑ دو سب نے منظور کیا۔ مگر انمیں سے ایک نے کہا کہ امیر صاحب مجہسے تو یہہ عادت مرتے دم تک نہیں چہوٹنے کی امیر صاحب نے خفا ہوکر عبرت کے لئے اُسکو ایک بڑے سے چوبی پنجرے میں بند کرکے پنجرے کو لکڑی کے بہت بلند بلّے کے سرے پر نصب کر دیا۔ اور وہ بے آب و دانہ چند روز میں بڑے عذاب سے اُسی معلق حالت میں مر گیا۔ وہیں اُسکا گوشت بہی سڑ گیا۔ اور پانی نے ہڈیوں کو صاف کر دیا۔ لیکن ابہی تک وہ ہڈیاں اُسی پنجرے میں آویزاں ہیں۔ اور جبتک کہ وہ بلّی خود بخود نہ گر جائے وہ عبرتناک پنجرہ وہیں کہڑا رہیگا۔

دو پیسہ کا چمڑا چرانے پر ہاتھ کاٹا گیا۔

ایک شخص نے صرف دو پیسے کا چمڑا ایک دوکان سے چرا کر قرآن شریف میں رکہہ دیا تھا اُسکو پہلے تو پہانسی کی سزا کا حکم ہوا۔ مگر ایک یورپین کی بڑی کوشش اور سفارش سے صرف اُسکا ایک ہاتھ کاٹنے پر اکتفا کیا گیا۔

روسی اندیشہ کا علاج

ایک دفعہ ایک بدنصیب سردار نے بخیال خیر خواہی امیر صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ روسی قریب آرہی ہیں۔ ایک شریف آدمی نے جو اُس وقت امیر صاحب کی خدمت میں حاضر تہا مجہے یقین دلایا کہ اُس وقت امیر صاحب بہت خوش بیٹہے ہوئے تہے اور ہنستے ہنستے امیر صاحب نے اُسے حکم دیا کہ ہاں ایک بلند درخت پر چڑہکر دیکہو کتنی دور ہیں۔ اور جب وہ اجل رسیدہ درخت پر چڑہ گیا تو نیچے پہرہ مقرر کر دیا کہ جبتک روسی نہ دکہلاوے اُسے نیچے نہ اُترنے دو۔ بلکہ یہہ اوپر ہی بیٹہا ہوا روسیوں کو تاکا کرے۔ چنانچہ وہ تہک کر اور سردی سے اکڑ کر درخت سے گرا اور مر گیا یقین ہے کہ

اس سے موثر علاج روسی اندیشہ کو افغانوں کے دلوں سے قطعاً دور کردینے کا دوسرا نہیں ہوگا۔ اور اسی لیئے امیر صاحب کو اس شخص کے عبرتناک مثال قائم کرنے میں تامل نہ ہوا۔ امیر صاحب کی طبیعت کی یہہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ جب وہ بات کرتے ہوں تو کوئی اُسمیں دخل نہیں دیسکتا۔ اور غالباً اُس شخص سے اسی قسم کا قصور سرزد ہوا تھا۔

اس سختی کا قوم پر بڑا اثر

امیر صاحب نے افغانستان کے تخت پر بیٹھنے کے بعد اسمیں کلام نہیں کہ جن ہزاروں بندگان خدا کو جائز یا ناجائز طور پر قتل کیا ہے۔ اُنمیں زیادہ تر وہ لوگ تھے کہ جنپر امیر صاحب کو کسی نہ کسی قسم کا شبہہ یا یقین بغاوت یا سرکشی کا تہا۔ افغانستان کے بہت بڑے بڑے سردار کچھہ تو ہندوستان میں انگریزی وظیفہ پر آپڑے اور کچھہ امیر صاحب کی ناراضگی سے جانبر نہ ہوسکے۔ ایک مرتبہ ایک واقفکار افغان سردار نے افسوس اور حسرت کے ساتھہ ذکر کیا تھا کہ امیر صاحب نے بیشک بڑے بڑے سرآوردہ افغانوں کو مار کر اپنے تخت کو محفوظ کر لیا ہے۔ لیکن یہ انکی حیات تک ہی ایسا مضبوط رہیگا۔ اور اُسنے جو وجہ اپنے اس بیان کی تبلائی تہی وہ ہر ایک اہل الرائے کے غور کے قابل ہے۔ اس بوڑہے سردار نے بیان کیا کہ افغانستان میں سب سے بڑی خوبی کہ جسکی وجہ سے بڑی بڑی سلطنتیں اس چہوٹے سے ملک کی قدر کرتی ہیں یہہ ہے کہ قوم افغان کسی غیر قوم کو اپنا بادشاہ بنانا منظور نہیں کرتی۔ وہ چاہتی ہے کہ اسکا بادشاہ ضرور اُسکا ہمقوم ہو۔ لیکن جس طرح امیر عبدالرحمن خاں نے افغانوں پر سختی کی ہے۔ اور قوم کے سربرآوردہ آدمی چنوا چنوا کر مرڈالے ہیں۔ اس طرح افغان امیر کی حکومت سے دل سے ناخوش ہوگئے ہیں۔ اور اگر اب اُنکو موقع ملے کہ امیر صاحب کی حکومت سے کسی دوسرے کو بدل سکیں تو وہ بخوشی اسکو بدل لیں۔ میں نہیں

کہہ سکتا کہ یہہ خیال کہانتک صحیح ہی۔ لیکن امیر صاحب نے جو دو تین سال کا عرصہ گذرا ہے بعض بعض پناہ گزین افغان سرداروں کو ہندوستان سی واپس طلب کر لیا تھا وہ واقعہ ضرور اس پر روشنی ڈال سکتا ہے۔ امیر صاحب کو یقیناً ضرورت محسوس ہوئی ہوگی کہ ملک میں سربرآوردہ آدمیوں کی موجودگی ضروری ہی جو بہت کم ہوگئے ہیں ۔

انتظامی ضرورتیں امیر صاحب کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ اسقدر سختی کریں۔ نہ وہ نرمی اور چشم پوشی بھی کرجاتے ہیں۔ خصوصاً جب کوئی شخص اُنکے روبرو سچے سچے حالات بیان کردے تو وہ درگذر کرجاتے ہیں۔ کبھی کبھی درباریوں سے مذاق کا شوق بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ کئی سال کی بات ہی کہ ایک مرتبہ جب امیر صاحب چڑیوں کا شکار کھیلنے کے لیئے ایک جماعت کثیر کے ساتھ جنگل کو گئے تو اثنائے راہ میں ایک ندی پڑی جسمیں کیچڑ بہت تھی۔ امیر نے کہا کہ جو شخص اِسکو پھاندکر نکل جائے اِسکو بھاری انعام دیا جائیگا۔ بہتیرے لوگوں نے آزمائش کی اور دو ایک آدمی اِسمیں کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن ایک بدنصیب شخص کودنے کی کوشش میں سر کے بل کیچڑ میں گر پڑا۔ اور اُسکی ایڑیاں اوپر کو ہوگئیں۔ اسپر بڑا فرائشی قہقہ بلند ہوا اور اُسکو فوراً لوگوں نے نکال لیا اور خوب ہی ریشخند بنایا۔ اِس پر امیر نے کہا کہ انعام اِسی شخص کو ملنا چاہیئے کہ اِس نے ایسا کام کیا ہے جو کسی سے نہ ہوتا اور جو لوگ مقابلہ میں کامیاب ہوئے تھے اُنمیں سے کسیکو کچھہ نہ ملا۔ اور وہ یوں ہی رہگئے۔ امیر نے یہہ بھی بیان کیا کہ اپنی جوانی کے زمانہ میں خود اِس نالہ کو بہت آسانی سے پھاندجاتا تھا۔

ایک مرتبہ اخبار اکسپریس نے لکھا تھا کہ "امیر صاحب میں یہ کمزوری بھی ضرور پائی جاتی ہے کہ جب اُنسے کوئی شخص کوئی بات بیان کرتا ہے تو وہ اُسپر کچھ اضافہ کرکے اسی طرح کی ایک حکایت خود بھی بیان کردیتے ہیں چنانچہ

امیر صاحب کا مذاق

جس وقت اُنکے سامنے ایک سوٹن کی قد اور قوت کی توپ کا حال بیان کیا گیا۔ تو اُنہوں نے کہا یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ جب میں سفر کرتا تھا تو اثنائے راہ میں ایک مرتبہ مینے ایک ایسی توپ دیکھی تھی کہ جسکا گولہ اتنا بڑا تھا کہ جتنی بڑی توپ کا ابھی تمنے ذکر کیا ہے۔ اور یہہ توپ اتنی لمبی تھی کہ اس دروازہ سے جتنی دور تک تمہاری نظر جا سکتی ہے۔" میرے خیال میں امیر صاحب ایسی بات اُس شخص کو مذاقاً کہتے ہیں کہ جنکی مبالغہ آمیز بات اُنہیں غلط معلوم ہوتی ہو۔ اور وہ چونکہ کسی بات میں بند رہنے والے نہیں۔ ایسا جواب دیتے ہیں کہ قایل حیران رہ جاتا ہے۔

اسی طرح ایک پارسی سوداگر نے مجھے بتلایا تھا کہ اسنے ایک مرتبہ چند بڑی بڑے جاپانی پھولدان جنکے مُنہ تنگ ہوتے ہیں امیر صاحب کے لیے منگوائے تھے۔ مگر جب امیر صاحب کے پیش کیے گئے تو اُنہوں نے دریافت کیا کہ یہہ کیا چیز ہے۔ سوداگر نے پھولدان بتلائے۔ لیکن امیر صاحب نے اُسکی بات کو باور نہ کیا اور فرمایا کہ یہ ضرور گلقند یا مُربہ کے مرتبان ہونگے۔ اور اگر مرتبان نہیں تو ہمیں اِنکی ضرورت نہیں۔ چنانچہ سوداگر بیچارے نے مجبوراً اپنا مال جو امیر صاحب کے خزانچی کو پیش کیا تو اُسمیں انکا نام مرتبان لکھا۔ بصورت پھولدان لکھنے کے اُسکا خیال تھا کہ امیر صاحب انہیں لینا منظور نہ کرتے۔ کیونکہ اُس صورت میں انہیں اپنی لاعلمی یا غلطی تسلیم کرنا پڑتی تھی۔ اور یہ بات کرنا وہ کبھی منظور نہیں کرتے۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ امیر صاحب کو یہ جتلانا کبھی منظور نہیں کہ کسی بات سے وہ ناواقف ہیں۔ اور در اصل انکے ایسے خود مختار اور زیرک بادشاہ کے لیے جو افغانوں کی ایسی جاہل قوم کی قسمت پر حکمران ہو ایسا ہی کرنا شایاں بھی ہے۔ کیونکہ امیر صاحب کا رُعب قایم رکھنے میں یہ بات بڑی

اپنی لاعلمی کبھی تسلیم نہیں کرتے

مدد دیتی ہے۔ علاوہ اسکے امیر صاحب ایسا واقف اور باخبر شخص کم موجود ہوگا۔
اسمیں کلام نہیں کہ امیر صاحب میں ایک دو کمزوریاں بھی ہیں۔ جس بددیانت
اہلکار کے پاس انہیں بہت سا روپیہ نظر آئے اُس سے کسی نہ کسی حیلہ سے وہ روپیہ
کہسکا لیتے ہیں۔ اور بعض اوقات اُنکا یہ فعل قرین انصاف ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ
کا ذکر ہے کہ ایک روز جب امیر صاحب دربار میں بیٹھے تھے تو ایک شخص نے جو ایک درخواست
پیش کرنے آیا تھا امیر کے سامنے چند اشرفیاں فرش پر گرا دیں۔ ایک فیہی مرتبہ
شخص جو امیر کے خاص مقربوں میں تھا اور جسپر امیر بہ نسبت دوسرے اشخاص
کے زیادہ اعتبار کرتے تھے اسپر بھی طمع غالب ہوئی۔ اور پاؤں کھینچاتے کھچاتے
جسقدر اشرفیاں ملسکیں اپنے بوٹ کے اندر ڈال لیں۔ اس واقعہ کی جانب حرم کی
ایک کنیز نے جو کہسک کر امیر کی پشت پر چلی آئی تھی اُنکو توجہ دلائی۔ امیر تھوڑی
دیر تک خاموش رہے۔ بعد ازاں ہر شخص سے خطاب کرکے کہا کہ مینے اس بات کا تجربہ
کیا ہے کہ ہر شخص کے خصائل اُسکے پاؤں کی ہیئت سے معلوم ہوجاتے ہیں چنانچہ
اس آزمایش میں مینے کبھی خطا نہیں کی اور ایک شخص خاص کی طرف اشارہ کرکے
کہا کہ تمہارے پاؤں بہت بڑے بڑے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن تمہارے خصائل
بہت عمدہ ہیں۔ اس وقت جو لوگ یہاں موجود ہیں سب اپنے اپنے بوٹ اوتار لیں
کہ میں پھر اس بات کی آزمایش کرلوں۔ امیر کے اس حکم پر ہر شخص نے اپنے اپنے
بوٹ بجز ایک شخص خاص کے اوتار ڈالے لیکن وہ شخص کانپنے لگا اور یہ بہانا کرکے
کہ مجکو یکایک کیا جانے کیا عارضہ ہوگیا ہے چاہا کہ وہاں سے چلا جائے۔ لیکن امیر نے
اُسکو روک کر کہا کہ "نہیں جب تک میں تمہارے پاؤں نہ دیکھ لوں نہ جانا" اب جو
اسکے بوٹ اُتارے گئے تو اشرفیاں کہن سے زمین پر گر پڑیں اور سلطنت کا سب سے
زیادہ قوی نفر شخص اور سب سے زیادہ امیر آدمی اس طرح سے علانیہ ذلیل کر ڈالا گیا۔

امیر صاحب لوگوں کے پاؤں سے انکے خصائل پہچان سکتے ہیں؟

اِس وقت تو امیر نے اُسکو اور کچھ نہیں کہا لیکن بعد کو اسپر چار لاکھ روپیہ جرمانہ کر دیئے اور ایک برس قید کی سزا دی۔

امیر صاحب ہر چند کہ اکثر ہنستے رہتے ہیں مگر انکا رعب اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ کوئی شخص اُنکے سامنے جاکر حواس بمشکل درست رکھ سکتا ہے۔ یہہ مقولہ ایک ایسے تعلیم یافتہ ہندوستانی کا ہے جو دو تین سال تک امیر صاحب کی خدمت میں رہا ہے اور امیر وہ بہت مہربانی کیا کرتے تھے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ امیر صاحب کی خدمت میں ایک نان بائی کی نسبت شکایت پہونچی کہ وہ کم وزن کی روٹی پکاکر بیچتا ہے۔ وہ امیر صاحب کیخدمت میں طلب کیا گیا۔ تو امیر صاحب نے اُسکی وجہ دریافت کی۔ اُسنے بتلایا کہ میرے آٹا تولنے والے کا قصور ہے۔ مگر امیر صاحب نے یہہ سمجھکر کہ کم وزن فروخت کرنے سے آخر فائدہ تو اسی کو ہوتا ہے۔ نان بائی کو حکم دیا کہ جاؤ اُسی تنور میں جاکر گر جاؤ۔ اور اپنے وارثوں کو کہ جاؤ کہ وہ تمہارے گرنے کے بعد تنور کا مُنہ بند کر دیں۔ چنانچہ سنا ہے کہ نان بائی کو سوائے امیر صاحب کے حکم کی تعمیل کے کوئی چارہ نہ پڑا۔ ہر چند کہ اسکی نگرانی کے لئے کوئی سپاہی متعین نہ تہا۔

امیر صاحب کی علمی لیاقت ہر چند کہ بہت کم ہے مگر وہ بڑے واقفکار اور ایک لحاظ سے عالم آدمی ہیں۔ ڈاکٹر گرے امیر صاحب کی ہمہ دانی پہ تعجب ظاہر کرتا ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش ہوا ہے امیر صاحب کو اُسمیں نہایت باخبر پایا گیا ہے۔ مثلاً اگر طب یا ڈاکٹری کا ذکر آگیا ہے تو معلوم ہوا ہے کہ امیر صاحب تو خاصے طبیب ہیں۔ اسکے متعلق مجھے ایک قصہ یاد آگیا ہے۔ ایک دفعہ ایک انگریز کے حلق میں پھوڑا نکل آیا اور اتفاق سے اُسنے اپنی یہہ حالت امیر سے بیان کی جنہوں نے اپنی بڑی ہمدردی ظاہر کی اور اس بات پر اصرار کیا کہ مجھکو اسکا ایک حکمی علاج معلوم ہے اُسکی تم بھی آزمائش کرو۔ وہ علاج یہہ تہا کہ ایک چڑیا ذبح کرکے حلق پر رکہا جائے

نان بائی کی تنور میں ڈلوانا

امیر صاحب کی واقفیت

اور جب تک ٹھنڈی نہو جاوے اُس وقت تک اِسی طرح رکھی ہی چنانچہ چھ چڑیاں
ذبح کرکے اِسی طرح سے یکے بعد دیگرے اسکے حلق پر رکھی گئیں۔ اور اِس بات کی بیان
کرنیکی حاجت نہیں معلوم ہوتی کہ دوسرے روز عارضہ بالکل ہی جاتا رہا۔ اور اگر ایسا نہ
ہوتا تو دوسرے روز پھر وہی ترکیب کیجاتی۔

ڈاکٹر گرے ایم ڈی کہ جسکو امیر صاحب نے ایک معقول تنخواہ پر ملازم رکھا تھا دو تین
سال تک اُنکی خدمت میں رہا۔ اور اِس دوران میں امیر صاحب کئی مرتبہ بیمار
ہوئے۔ مگر ایک مرتبہ بھی اُس ڈاکٹر کا علاج نہ کرایا۔ بلکہ صرف یونانی اطبا کا علاج
اپنی مرضی کے مطابق کرتے رہے۔ اور ڈاکٹر گرے کا بیان ہے کہ میں نے اسی رنج کی وجہ سے
اُنکی ملازمت چھوڑ دی کہ اُنہوں نے میرے علاج پر اعتبار نہ کیا۔ خواہ وجہ ڈاکٹر ہی
سے علاج نہ کرانے کی ہو مگر اسمیں شک نہیں کہ امیر صاحب کو ہر بات میں اپنی ذات پر
بڑا اعتماد رہا اور یہی وہ بات ہی کہ جس سے دنیا میں لوگوں نے بڑے بڑے کام کیے
ہیں۔ ڈاکٹر گرے خود بہت اچھا مصور تھا۔ مگر جب امیر صاحب کے حکم سے اُسنے امیر
صاحب کی تصویر کھینچی تو امیر صاحب نے اُسمیں بہی اصلاح کی ضرورت دیکھی اور ڈاکٹر
مصور کو اُنکی تصویر فہمی کی لیاقت کا قائل ہونا پڑا۔ بلکہ امیر صاحب کو مصوری اور
نقاشی کا خاص شوق ہے۔ اُنہوں نے گرے صاحب سے کابل کے مصوروں کو شاگرد
بناکر کام سکھلا دیا۔ میں نے کسی اخبار میں یہہ بھی دیکھا ہے کہ امیر صاحب لنڈن کے تصویردار
اخبار السٹریٹڈ لنڈن نیوز کو شوق سے دیکھا کرتے تھے۔ الغرض وہ زمانہ جو امیر صاحب نے
قلمرو روس میں جلاوطنی میں کاٹا ہے۔ اسمیں ہی اُنہوں نے دنیا کے ہر باب کی معلومات
فراہم کرلیے ہیں اور نہایت پختہ مغزی حاصل کی ہے یہہ عربی ترکی فارسی اور پشتو
زبانوں میں بات چیت کرسکتے ہیں۔ اُردو سمجھ سکتے ہیں مگر بول نہیں سکتے۔

امیر صاحب کا مصوری کا شوق

کثیر اللسانی

امیر صاحب کی اولوالعزمیوں اور بلند ارادوں کی نسبت ایک اخبار نے ایک مرتبہ

اولوالعزم ارادے

اس طرح لکھا تھا کہ ایسے بلند ارادوں کو دیکھکر کوئی شخص اونکی اولوالعزمی سے انکار نہیں کر سکتا۔ اُنکے پوشیدہ خیال پر انکے دوست اور درباری بہت کم اطلاع رکھتے ہیں۔ انکی طبیعت میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ایک ہوشیار شخص بہ نسبت ایک مجمع کے اچھا کام کر سکتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنی رائے کو درباریوں پر بھی ظاہر کرتے ہیں مگر انکا زبردست رعب کسی شخص کو مخالفت کی جرأت نہیں دلاتا۔ جب سے حکومت کی باگ اُنکے ہاتھ میں آئی ہے اُس وقت سے اُنکے ترقی خیز خیالات دن بدن افزوں ہوتے جاتے ہیں۔ افغانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جو ابتک آزاد تھیں انکی آزادی کا خاتمہ ہوتا جاتا ہے۔ کافرستان جہاں کے باشندوں سے دوسری قوم میل جول نہیں کر سکتی تھی اور جہاں کے برفستانی پہاڑ اور پیچدار گھاٹیاں دور ہی سے اپنی طرف آنیوالوں کو اشارہ کرتی تھیں کہ اس مصیبت خیز خطہ میں تم قدم نہ دہرنا وہاں اب امیر کا رعب اور دبدبہ بیٹھتا جاتا ہے۔ ان کامیابیوں کی وجہ سے وہ کبھی کبھی بھرے دربار میں امیر یعقوب خاں اور اُنکے پہلے امیروں کو بودا اور کم ہمت اور کم عقل کہہ بیٹھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ریاست کابل کو انہیں لوگوں نے ضعیف کر دیا تھا لیکن میں اپنی زندگی میں پہلے سے زیادہ وسیع اور خوشحال کر کے چھوڑونگا۔

امیر صاحب کی بیباکی اور بلند نظری

سرلیپل گریفن ہی وہ انگریزی افسر تھا جنے سرکار انگریزی کیطرف سے تخت کابل امیر صاحب کے سپرد کیا تھا۔ اُس نے امیر صاحب کی طبیعت کی بیباکی اور بلند نظری کے متعلق اپنے ایک مضمون میں حسب ذیل رائے دی تھی:-

"امیر نے اپنا استغنا تخت نشینی کے وقت ظاہر کر دیا تھا۔ وہ تخت نشینی سے پہلے ایک بے مایہ شخص تھے جو اُنکے ہمراہی تھے وہ بھی شکستہ حالت میں تھے۔ اُس وقت کابل پر انگریزی فوج کا قبضہ تھا۔ امیر جب تخت نشین ہونے کے لیے آئے تو

اُنہوں نے ایسی بے پروائی سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوتا تہا کہ اُنہیں کچہہ بھی پروا نہیں کہ سلطنت ملے یا نہ ملے گویا اُنکو سلطنت کا کچہہ اشتیاق نہ تہا۔ اُنہوں نے مجہسے زردسیوں کی بُرائی بیان کی نہ اُنکی عداوت کا اقرار کیا حالانکہ موقع یہ تہا کہ وہ بطور خوشامد کے سلطنت حاصل کرنیکو ہمسے اِس قسم کی باتیں بہت کچہہ کرتے مگر اُنہوں نے ایسی باتوں کیطرف کچہہ بھی توجہ نکی جب اُن سے زر امداد کا وعدہ کیا گیا اور وہ ہتہیار دیئے گئے جو اُنکے دینے کے لیئے تجویز ہوئے تہے۔ اِن امور کو بھی بڑی بے پروائی سے اُنہوں نے سُنا۔ جو بات پوچھی گئی اُسکا صاف جواب دیا کچہہ ہماری خوشامد نظر نہ رکہی۔ اُنہوں نے یہہ بھی کہا کہ تم لوگ صرف اِس وجہہ سے یہہ تاج مجہکو دیتے ہو کہ یہ بار آپ تمہاری اُٹہائے نہیں اُٹہتا ہے اِسلیئے اُسکو آپ میری پیٹہہ پر لادے دیتے ہو۔ ہمیشہ اُنکا طرز گورنمنٹ انگریزی کے ساتہہ ایسا ہی بیباکانہ گفتگو کا رہا چنانچہ اُنسے یہہ بھی کہا گیا تہا آپ گفتگو میں آداب تقریر کا لحاظ رکہیں گے۔

دیگر مذاہب کی نسبت اُنکے خیالات

اِس سے پہلے امیر صاحب کے مذہبی خیالات کی نسبت ذکر ہو چکا ہے کہ ہر چند کہ وہ پکے مسلمان ہیں۔ تاہم دیگر مذاہب کی نسبت اُنکے خیالات سے نہایت وسیع اور روشن ہیں نومبر ۱۸۹۵ء کی بیبل سوسایٹی کی رپورٹ میں امیر صاحب کا ایک عجیب خط چہپا ہے جو ۱۸۹۵ء میں اُنہوں نے پادری ورنگٹن صاحب کے نام لکہا تہا۔ اِس خط کے لکہے جانے کا باعث یہ ہوا کہ پادری صاحب نے امیر صاحب کو ایک جلد پشتو کی انجیل بہیجی تہی۔ امیر صاحب نے اُس انجیل کی رسید بہیجی اور حسب ذیل جواب لکہا:۔

آپکا خط وصول ہوا۔ آپ افسوس ظاہر کرتے ہیں کہ مجہسے ملاقات بوجہ کم فرصتی نہ ہو سکی مجہکو بھی بہت افسوس ہے کہ میں سرحد ہندوستان پر پہونچا۔ اور انگلستان کے سب سے زیادہ عالم اور عقلمند آدمی سے ملاقات میسر آئی مگر کل امیر [illegible]

باوفا تحفہ جو جلد انجیل کا آپنے مجھے بھیجی ہے وہ مجھے پہونچی۔ اور مینے بہت تعظیم کیساتھ اُسے قبول کیا۔ اگرچہ ہمکو اُسکے مضامین سے کوئی سروکار نہیں مگرچونکہ وہ منزل من اللہ ہے۔ ہم اُسکی تعظیم کرتے ہیں۔ مین بہت خوشی سے اُسے پڑھونگا اور اُسکی جو آیات ہمارے قرآن شریف سے ہم مضمون ہیں اُنکا خلاصہ کرونگا۔ علاوہ ازین جو مضامین عجیب ہیں اُنپر عمل کرونگا۔ مجھے اس تحفہ کے حاصل ہونے سے بہت خوشی حاصل ہوئی کیونکہ حقیقت مین یہہ بہترین تحفہ ہے ؛؛

باب پانزدہم

ہندوستان کی حد شمال مغربی پر ۱۸۹۷ء کی شورش اور امیر صاحب کے تعلقات

ہرچند کہ یہہ اوراق ۱۸۹۷ء سے پہلے کے لکھے ہوئے ہیں۔ لیکن ابھی چھپکر شایع نہیں ہوئے تھے کہ وسط ۱۸۹۷ء مین ہندوستان کی سرحد شمالی و مغربی پر سرحدی قوموں نے آتش فتنہ وفساد بلند کردی۔ اور یہہ آگ اس تین سو میل لمبے سرحد کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک تمام پہاڑی قوموں میں پہیل گئی جب سے گورنمنٹ انگریزی نے پنجاب پر قبضہ کیا تہا اور اُسکو ان سرحدی قوموں سے سابقہ پڑا تھا۔ ہرچند کہ ایک ایک اور دو دو قوموں سے گورنمنٹ کو ضرور لڑنا پڑا تھا۔ لیکن کبھی یہہ واقع پیش نہیں آیا تہا کہ تمام سرحدی قومیں جو سرحدات افغانستان و بلوچستان و ہندوستان کے مابین آزاد ہیں وہ ایکبارگی قوت میں اور آپسمیں اتفاق اور مشورہ کرکے بگڑ جائیں اور گورنمنٹ انگریزی کے علاقہ پر حملہ کردیں۔ ان قوموں کے دفعتاً آتش فساد مشتعل کردینے سے بہت لوگوں کو بلکہ خود سرکار کو بھی گمان ہوا کہ شاید امیر عبدالرحمن خان کی ترغیب اور تحریک سے قوموں نے فساد بلند کیا ہے۔ یہانتک کہ انگریزی اخبارات نے

بلامحابا امیر صاحب کے ایک جنرل غلام حیدر خاں کو اِس فساد میں شریک بتلایا
اور بیان کیا کہ ابتدائے فساد میں خواہ امیر صاحب کی سرحدی چوکیوں کے سپاہی
سرحدی پٹھانوں کے ساتھ شریک ہوکر انگریزی فوج کے مقابلہ میں آتے رہے ہوں
اور یہ شک تو آخیر تک باقی رہا ہے کہ سرحدی قوموں کے پاس اتنا گولی بارود
اور اتنی بندوقیں کہاں سے آگئیں جو یہ اس کثرت سے چھ سات ماہ تک استعمال
کرتے رہے ہیں۔ ہو نہو امیر صاحب نے انہیں بہم پہنچائی ہونگی۔ لیکن بعد کے واقعات
اور نیز امیر صاحب کے طریق عمل نے اِن شکوک کو بالکل غلط اور بے بنیاد ثابت
کر دیا ہے۔ اور چونکہ اِن واقعات کو بالواسطہ امیر صاحب کی ذات سے تعلق پیدا
ہو گیا ہے۔ اِسلئے اُنکو اختصار کے ساتھ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

امیر صاحب پر سرحدی فساد میں سازش کا شک

۱۰ جون ۱۸۹۷ء کو مسٹر گی پولیٹیکل آفیسر وادی توچی میں سکھوں اور پنجاب
انفنٹری کی تھوڑی سی جمعیت کے ساتھ ایک سرحدی فوجی چوکی کے لیئے تجویز
کر رہے تھے کہ وزیریوں نے اُس جماعت پر حملہ کرکے کئی افسر مار ڈالے۔ اور اگر
کمک وقت پر نہ جا پہونچتی تو ساری جماعت ماری جاتی یا گرفتار ہو جاتی۔
اِس واقعہ کو سرحدی شورش کے ایک لمبے چوڑے سلسلہ واقعات کی ابتدا
سمجھنا چاہیئے۔ ۱۱ جون کو گورنمنٹ ہند نے اِن لوگوں کی دغا بازی اور شورش
کی سزا دینے کے لیئے ایک مہم بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وادی توچی کے
واقعہ کی خبر جنگل کی آگ کی طرح تمام سرحد پر پھیل گئی اور ۲۶ جولائی کو وادی
سوات میں بھی کہ جہانکی قومیں دوست سمجھی جاتی تھیں فساد کھڑا ہو گیا۔
ایک دیوانہ ملا نے سواتیوں میں جہاد کا وعظ کہنا شروع کیا۔ ہزارہا پیرو
جوان اُو سنتے اُسکے جھنڈے کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اِن لوگوں نے قلعہ ملاکنڈ
پر حملہ کرکے بازار کو لوٹ لیا۔ اور اِس سے آگے قلعہ چکدرہ کا بھی محاصرہ کر لیا۔

وادی توچی کا فساد

سنہ ۹۷ء میں پھر فساد پیدا ہو گیا

قلعہ مالاکنڈ سے یہ لوگ پسپا کیئے گئے۔ مگر دوسرے روز تمام وادی فساد پر آمادہ
پائی گئی۔ تعزیری مہم جو وزیریوں کے خلاف بھیجی گئی تھی وہ اس اثناء میں لودی
میزر کے دیہات تباہ کر رہی تھی۔ مردان سے فوراً کمک مالاکنڈ کو بھیجی گئی اور جنرل
سر بنڈن بلڈ تمام فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ مالاکنڈ سے دشمن کو بھگا کر ۲ اگست
کو چکدرہ کو محاصرہ سے چھڑایا گیا۔ اور قوموں کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ ابھی
یہ فساد فرو بھی نہ ہوا تھا کہ ایک شخص ملا صاحب ہڈا نے کہ جسکا افغانستان اور سرحدی
قوموں میں بہت رسوخ اور اعتبار تھا مہمندوں اور دوسری قوموں کی ایک
بڑی فوج تیار کر کے دریائے کابل کے شمالی کنارہ پر جمع کی۔ کہا جاتا ہے کہ انمیں سے
بہت لوگ امیر صاحب کی رعایا تھے۔ اور ۸۔ اگست کو قلعہ شبقدر (شنکر گڈھ) پر جو
پشاور سے صرف دس میل کے فاصلہ پر ہے حملہ کر دیا۔ لیکن نقصان اوٹھا کر

ملا ہڈا کا حملہ

پسپا ہوئے۔ اس وقت یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ اگر امیر صاحب موصوف ان کو
اس فساد کے لیئے مدد نہیں دیتے تو اغماض تو ضرور کرتے ہیں۔ چنانچہ گورنمنٹ
ہند نے اس بارہ میں امیر صاحب کا جواب طلب کیا۔ اور امیر صاحب نے بتلایا کہ یہ ظن
بالکل بے بنیاد ہے۔ جو کچھ اخبارات سے معلوم ہو سکتا تھا اس سے پتہ ملتا تھا کہ
امیر صاحب کے ان فسادوں سے بے تعلق ہونیکا اس وقت کسیکو یقین نہیں
آیا تھا۔ لیکن اس سے بعد کے زمانہ میں جبکہ آفریدیوں اور اورکزیوں کا ایک
ڈیپوٹیشن انکی خدمت میں استمداد کے لیئے گیا تھا تو جو جواب امیر صاحب نے اس
ڈیپوٹیشن کو دیا تھا اور جو آگے چلکر درج کیا جاتا ہے۔ اوسنے امیر صاحب
کی صداقت کا یقین دلایا تھا۔

بسر کردگی سر بنڈن بلڈ کے ایک دستہ فوج نے وادی فراز سوات
میں بڑھکر تھانہ کے قریب لنڈکی میں ۱۷۔ اگست کو دشمن کی جمعیت کو پریشان کیا

اور اسکے بعد اس وادی میں قوموں نے اطاعت منظور کرلی۔ لیکن پچھلے سال اسکے
ایک سب سے بڑی قوم نے سر اوٹھالیا۔ یہہ آفریدی تہے جو دریائے کابل کے
جنوبی کوہستانی علاقہ میں دور تک آباد چلے گئے ہیں۔ اور ۱۸۸۱ء سے
گورنمنٹ انگریزی نے انکو درہ خیبر کی حفاظت سپرد کی ہوئی ہے۔ ساتھہ ہی قوم

آفریدیوں اور اورکزئیوں کا بگڑنا

اورکزئی کیطرف سے بہی خطرہ کے آثار نمودار ہوئے جو کوہاٹ کی شمال اور خیبر
کے جنوب کی پہاڑیوں میں آباد ہیں۔ آفریدیوں نے حملہ کرکے قلعہ علی مسجد
۲۲-اگست کو اسبورین کو جو خیبر رائفلز کے آدمیوں کو جو آفریدیوں میں سے ہی
بھرتی کیئے ہوئے تہے نکالدیا۔ اور ۲۳-اگست کو قلعہ ماؤڑ پر قبضہ کرکے درہ خیبر کو
بالکل بند کردیا۔ اور ۲۴-اگست کو لنڈی کوتل پر حملہ کرکے اسپر بھی قبضہ کرلیا
اور پھر یہہ لوگ کچھہ عرصہ کیلیئے منتشر ہوگئے۔ اورکزیوں نے فوراً کوہاٹ کے پاس
شور برپا کرکے محمدزئی اور سلسلہ کوہ سامانہ کے دوسرے قلعوں پر ۲۷-اگست کو
حملہ کیا۔ اس وقت تمام سرحدی قومیں آمادۂ فساد نظر آنے لگیں چنانچہ
گورنمنٹ انگریزی نے جنرل سر ولیم لاکہارٹ ایسے تجربہ کار اور بہادر افسر کو جو

گورنمنٹ نے عالیشان مہم بھیجی

عنقریب افواج ہندوستان کے کمانڈر انچیف ہونے والے تہے یہہ عظیم الشان
کام سپرد کیا۔ اور بہت بڑی فوج کہ جسکا اندازہ ساٹھہ ہزار کے قریب کیا گیا ہے
سرحد پر جمع کیگئی تاکہ اگر امیر صاحب بھی اسوقت پر نادوستانہ رویہ اختیار
کریں تو پھر زیادہ فوج نہ جمع کرنی پڑے۔ غرض سر ولیم لاکہارٹ کو حکم دیا
گیا کہ پہلے مہمندوں پر اور پھر آفریدیوں اور اورکزیوں پر فوجکشی کریں۔
اور گورنمنٹ نے ۵ ستمبر کو اپنا ارادہ ظاہر کردیا۔ کہ اسکا ارادہ مستقل طور
پر انکے ملک پر قبضہ کرنے یا قوموں کی آزادی میں دخل دینے کا نہیں ہے
بلکہ ملا ہڈا اور اسکے ساتھیوں کو سزا دینا منظور ہے اور آفریدیوں اور اورکزیوں کے



لارڈ ایلگن گورنر جنرل ہند

ساتھ کوہ سامانہ پر قلعہ گلستان اور دوسرے قلعوں کے حملہ اور محاصرہ کرنے میں
شریک ہوگئے اور قلعہ سارا گڑھی پر تمام محصورین کو کہ جنہوں نے بڑی بہادری
سے مقابلہ کیا تھا قتل کر کے قابض ہوگئے۔ لیکن ۱۴ ستمبر کو انگریزی فوج نے سخت
نقصان کے ساتھ انہیں بھگا دیا۔ ہڈا ملاں اور صوفی ملا کہ جنہوں نے علاقہ
مہمند میں فوجیں فراہم کی تھیں ۲۴ ستمبر کو شکست فاش کھا کر بھاگ گئے۔ اور بہت سے

مہم مہمند کا خاتمہ

برج اور قلعے گرانے کے بعد ۴۔ اکتوبر کو ۳ ہفتہ کے بعد مہم مہمند کا خاتمہ ہوگیا۔ اتمان
ایک دوسری قوم ہے اور اسنے بھی بہت تکلیف دی تھی۔ لیکن آخرکار اسے
بھی خاموش کیا گیا اور اب تیراہ میں بھیجنے کے لئے جو آفریدیوں کا اصل ملک ہے
ایک بڑی مہم تیار کی گئی کہ جسکی پہلی لڑائی ۱۸۔ اکتوبر کو درگئی پہاڑی پر لڑی
گئی پہلے روز تو دشمن سے پہاڑی آسانی سے خالی کرالی گئی۔ لیکن دوسرے روز
انگریزی فوج کا بڑا نقصان ہوا۔ پھر ۲۹۔ اکتوبر کو درہ سمپاگا اور ۳۱ کو درہ

مہم تیراہ

ارہنگا سے انگریزی فوج بلا کسی سخت مزاحمت کے گذر گئی۔ اور آخرکار وادی میدان
میں کہ جہاں پہلے کبھی انگریزی فوج نہیں پہونچی تھی سر ولیم لاکہارٹ کی مہم پہنچ گئی
اس وقت آفریدیوں کو سوجھا کہ انگریزی فوج سے مقابلہ کرنے کے وہ قابل نہیں۔
لیکن جب کبھی انگریزی فوج کی کوئی جمعیت چارہ اور سامان رسد جمع کرنے کے لئے
آفریدیوں کے دیہات کو جاتی تو اسکے شام کو واپس لوٹنے کے وقت آفریدی تیار ہوکر
اسکے عقب اور یمین و یسار پر حملہ کرتے۔ اور اس طرح ان لوگوں نے بہت کچھ نقصان
جان و مال انگریزی فوج کو پہنچایا۔ اور اسکے سوا راتوں کو بھی وہ لوگ انگریزی فوج
میں گولیاں مارتے رہے۔ اس اثنا میں برف سخت پڑنے لگی اور انگریزی فوج کو
واپس لوٹنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ اور جلدی ہی نومبر کو آفریدیوں کو شرائط
صلح بتلائی گئیں جو سوائے زکاخیل اور اکاخیل دو آفریدی قوموں کے اور سب

تیراہ سے فوج کی واپسی

قوموں نے منظور کیں۔ وہاں سے فوج نے باڑہ وادی کیطرف کوچ کیا جو پشاور سے قریب ہے اور یہاں کسیقدر کم جمعیت کے ساتھ قوموں کی گوشمالی شروع کی۔

آفریدیوں کے ملک سے انگریزی افواج کے اِس طرح بلا تصفیہ معاملات کے واپس آجانے پر لڑائی کے اسقدر طول کھینچنے پر اور انگریزی فوج کا اتنا بھاری نقصان[۵] ہونے پر انگلستان کے پولٹیکل فرقوں میں اِس بات پر بحث چھڑ گئی کہ یہ سرحدی لڑائی ہی بلاضرورت تھی۔ فرقہ لبرل کے ارکان اور اُنکے اخبارات فریق کنسرویٹو کو الزام دینے لگے کہ تمام سرحد کے مشتعل ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ انگریزی نے چترال پر مہم بھیجنے کے وقت سواتیوں سے وعدہ کیا تھا کہ اسکا منشا صرف عمرا خاں کو سزا دینے کا ہے اور اُنکے ملک پر قبضہ کرنیکا نہیں لیکن آخرکار گورنمنٹ نے چترال

سرحدی فسادات کا باعث

پر خلاف اپنے معاہدہ کے قبضہ کر لیا اور آزاد علاقہ میں چترال کی سڑک کھلی رکھنے کے لیئے قلعے قایم کیئے۔ اِس سے قوموں کو گورنمنٹ کی عہد و پیمان پر اعتبار نہیں رہا۔ اور سب قوموں نے اتفاق کر کے سرکار انگریزی سے مقابلہ کرنیکا عہد و پیمان کر لیا چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وجہ غلط نہیں کیونکہ آفریدیوں اور اورکزئیوں نے بھی درخواست امداد امیر صاحب کی خدمت میں بھیجی تھی اسمیں بھی انہوں نے اپنے جہاد پر آمادہ ہونیکا سبب بھی یہی بتلایا تھا۔ اور امیر صاحب نے اسکی تردید کی تھی کہ سرکار کا تمہارے ملک پر قبضہ کرنیکا ارادہ نہیں۔ بلکہ صرف روس کے آنے کی روک تھام کے لیئے سرکار انگریزی نے

[۵] سرحدی جنگوں میں انگریزی فوج کا کل نقصان سرکاری اندازہ کے مطابق۔ ۱ جون ۱۸۹۷ء یعنی وادی ٹوچی کے واقعہ سے لیکر فروری ۱۸۹۸ء یعنی شن کمار کے حادثہ تک حسب ذیل ہوا ہے۔ ۳۴ انگریز افسر ہلاک اور ۹۰ مجروح ہوئے۔ ۲۰ انگریز نان کمشنڈ افسر اور آدمی ہلاک اور ۱۵۰ مجروح ہوئے ۲ دیسی افسر ہلاک اور ۳۴ مجروح ہوئے ۱۵۔ ۳۱ دیسی نان کمشنڈ افسر اور سپاہی ہلاک اور ۱۰۰۰ مجروح ہوئے۔ کل ۲۸۰ ہلاک اور ۱۲۲۲ مجروح ہوئے۔ ۱۲ گورے اور ۸ دیسی سپاہی گم ہیں۔ شاگرد پیشہ لوگوں کے نقصان کی تفصیل معلوم ہونی دشوار ہے۔

چترال پر قبضہ کیا ہے۔ بلکہ چترال کے ایک حصہ اراضی کا محصول رعایا کو معاف کر دیا
ہے۔ اسکے سوائے ایک اور وجہ سواتیوں اور دوسری قوموں کی ناراضگی کی یہ
معلوم ہوئی ہے کہ جب وہ اخون صاحب کی مرقد کی زیارت کے لیئے کہ جسکے وہ بیحد
معتقد ہیں جاتے تہے تو راستہ میں سرکاری اثر اس علاقہ میں بڑہ جانیکی وجہہ سے
انہیں تکلیف ہوتی تہی۔ پہر ان لوگوں نے شکایت کی ہے کہ نمک کی کان پر سرکاری
قبضہ ہو جانے سے نمک بہت گراں ہو گیا ہے۔ اور جو عورتیں ان لوگوں کی انگریزی
علاقہ میں بھاگ جاتی ہیں وہ واپس نہیں دیجاتیں۔ یہہ چند وجوہات انکی ناراضگی
کے ہیں۔

انگلستان کا لبرل فریق اور ہندوستانیوں کا تعلیم یافتہ گروہ اعتراض کرتا ہے
کہ ہندوستان کی ان قدرتی حدود سے سرکار کو آگے ہی نہیں بڑہنا چاہیئے کہ
جنکو انگلستان کے ایک نہایت قابل وزیر اعظم لارڈ بیکنسفیلڈ نے ہندوستان کی
علمی سرحد کہا ہے۔ کیونکہ واقعی یہہ سلسلہ کوہستان ہندوستان کی قدرتی سرحد اور
بیرونی دشمنوں کے مقابلہ میں ایک مضبوط دیوار ہے۔ لارڈ جارج ہملٹن بہادر نے
جو آجکل وزیر ہند ہیں اپنی تقریر میں بیان کیا کہ ایسی پیشقدمی کی ہندوستان کی حفاظت
کے لیئے سخت ضرورت ہے کیونکہ سلطنت روس کا علاقہ بہت قریب آگیا ہے۔ اور اگر
ہم آگے نہ بڑہے تو وہ نزدیک آ جائیگا۔ اسلیئے ضروری ہے کہ ہم علاقہ چترال کے راستے
کہلے رکہیں اور انکی حفاظت کے لیئے قلعے بنائیں۔ اور کسی طرح ہمیں آفریدیوں کی
آزادی میں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ لیکن سب سے آخر جو ۹ فروری ۱۸۹۸ء کو
حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت تخت سے تقریر فرمائی ہے
اسمیں فرمایا ہے کہ سرحدی قوموں سے سلوک اور ملائمت کا برتاؤ کیا جاویگا۔
اور امید ہے کہ درہ خیبر کی حفاظت پہر آفریدیوں ہی کے سپرد کیجاوے گی جبتک

آئندہ سرحد پالیسی کا فیصلہ

سرحد کی آیندہ پالیسی کا فیصلہ نہیں ہوا تھا مختلف مدبر مختلف رائیں دیتے تھے۔
یہانتک کہ بعض گرمجوش انگریز تیراہ پر قبضہ کرنے اور تمام سرحدی قوموں کے
ہتھیار چھین لینے کی صلاح ہی نہیں دیتے تھے۔ بلکہ انکی رائے میں انگریزی قبضہ کو
ہندوکش تک بڑھانے کا یہہ پہلا قدم تھا اور اسکے کہنے کے سوائے چارہ نہیں تھا۔
بلکہ آخر کار تخت شاہی کی تقریر نے ان سب توہمات کا فیصلہ کر دیا۔

چونکہ آیندہ کی نسبت کارروائی کا ابتک فیصلہ نہیں ہوا تھا جنرل لوکہارٹ
حضور وائسرائے سے گفتگو کرنے اور آیندہ کی کارروائی کے متعلق احکام لانے
کے لیئے شملہ گئے ہوئے تھے کہ انکے پیچھے شن کمار کی چراگاہ پر کہ جہاں آفریدیوں
کے مویشی چرا کرتے ہیں انگریزی فوج نے ۷ فروری کو حملہ کیا۔ اور چونکہ آفریدی
یہاںکی کھوؤں اور پہاڑیوں سے خوب واقف تھے۔ انگریزی فوج کا سخت نقصان ہوا
گو تیسرے روز زیادہ جمعیت کے ساتھ انگریزی فوج کا انتقام لیا گیا۔ اس اثنا میں جنرل
لوکہارٹ صاحب حضور وائسرائے سے ملاقات کرکے سرحد پر پہونچگئے۔ بعض لوگوں کو
گمان تھا کہ اب سختی کے ساتھ آفریدیوں کی سرکوبی کیجاویگی اور جبتک وہ بمنت صلح
کی التجا نہ کرینگے انہیں امان نہیں دیجاویگی۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان میں
ملائمت کی تدبیر کو پسند کیا گیا تھا۔ اسلیئے جنرل صاحب نے آفریدیوں کو آخری اطلاع
دیدی کہ اگر آخر رمضان (۲۳ فروری ۱۸۹۸ء) تک تم لوگوں نے شرائط صلح نہ
قبول کیں تو پھر ازسر نو جنگ کیجاویگی۔

سرحدی قوموں کے فساد اور بغاوت اور انگریزی علاقہ پر حملے کرنے اور سرحدی
مہموں کی اس یہ کیفیت پہر اختصار کے ساتھ اوپر بیان ہو چکی ہے لیکن اسکے اس
کتاب میں درج کرنیکی ضرورت صرف اسلیئے پڑی کہ بعض لوگوں نے امیر عبدالرحمن خان
کو اس عام شورش کا محرک بنایا اور اس سے اغماض کرنیوالا قرار دیا۔ لیکن یہ بات

بالکل غلط تھی اور امیر صاحب نے جو جواب ان قوموں کو دیا ہے اسمیں بھی انہوں نے لکھا ہے کہ اگر کبھی جہاد کی ضرورت پڑی تو معلوم نہیں تم لوگ کہاں ہونگے۔ بلکہ میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں جو تمہاری خاطر سرکار انگریزی سے بگاڑ لوں تم لوگ تو بھس میں آگ لگا کر الگ ہو جاؤ گے۔ بادی النظر میں بھی یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ امیر صاحب کی تحریک سے تمام سرحدی قومیں اپنے آپ کو تباہی میں ڈالنے پر آمادہ ہو جاویں۔ امیر شیر علیخان نے سرکار انگریزی سے بگاڑ کیا تھا تو اس وقت اسنے سرحدی قوموں کے پاس ملا مذہبی جنگ کا وعظ کرنے کے لیئے سعد روپیہ اور سامان جنگ کے بھیجے تھے مگر قوموں نے سرکار انگریزی سے لڑنا نامنظور کیا تھا۔ تو اب جبتک کہ خود انہیں کوئی تکلیف نہ پہونچی ہو وہ کبھی سرکار کا مقابلہ کرنے کے لیئے نہیں اٹھ سکتی تھیں۔ اور نہ آپسمیں اتفاق کر سکتی تھیں۔ کیونکہ ان قوموں کا آپسمیں اتفاق کر کے کارروائی کرنا ایک بالکل نرالی بات ہے۔

اگر امیر صاحب نے ان قوموں کو جنگ کی ترغیب دی ہوتی تو جب آفریدیوں اور اورکزیوں کے سرگروہ لوگ امیر صاحب سے مدد مانگنے کے لیئے کابل گئے تھے امیر صاحب انھیں کبھی ایسا روکھا پھیکا جواب نہ دیتے جیسا کہ انہوں نے دیا۔ وہ جواب اس قابل ہے کہ اسکو بجنسہ ذیل میں درج کر دیا جاوے۔

امیر صاحب کا اعلان آفریدی اور اورکزی ڈپیوٹیشن کو

امیر صاحب نے اپنی شہر کی کوتوالی میں ایک اعلان اور راس چٹھی کی ایک نقل چسپاں کرائی ہے جو آفریدیوں کی درخواستوں کے جواب میں بھیجی گئی ہے اسمیں ہز ہائینس لکھتے ہیں۔

"تیراہ کے آفریدیوں نے اپنے ۱۸ آدمی جنمیں برگزیدہ ملا۔ ملک۔ علما۔ اور بزرگ شامل ہیں میری طرف روانہ کیئے ہیں۔ اور ہر ایک قوم نے علیحدہ علیحدہ چٹھیاں بھیجکر مجھسے امداد چاہی ہے۔ یہ لوگ میرے حکم سے جلال آباد میں روکے گئے تھے

اور صرف اُنکی درخواستیں میرے پاس آئی تہیں۔ ہمنے اُنکی مدد سے انکار کردیا ہے اور اُنکی درخواستوں کا جواب لکھ کر جلال آباد بہیجہ یا ہے تاکہ وہ یکرو اپس چلے جائیں اُنکی چٹہیوں کا مطلب یہہ تہا:-

"برٹش گورنمنٹ مدت مدید سے تدریج ہمارے ملک میں مداخلت کرتی چلی آرہی ہے جس سے ملک افغانستان بہی نہیں بچا۔ اور اپنے مختلف مقامات میں قلعے تعمیر کرلیے ہیں۔ ہم گورنمنٹ افغانستان سے اُنکی بارہا شکایت کرچکے ہیں مگر امیر صاحب نے مطلق توجہ نہیں فرمائی۔ لہذا ہمنے اپنی بے مدد حالت میں اسلام کی خاطر اور اپنے مذہب میں ثابت قدم ہوکر گورنمنٹ کے مقابلہ پر جہاد کا دروازہ وا کردیا ہے۔ اور گورنمنٹ انگریزی سے ہمنے ہر طرح سے قطع تعلق کرلیا ہے۔ ہمنے اسکے پانچ قلعے منگو کے اوپر کوہ سمانا میں اور ایک سلسلہ سامانہ کی ذیل میں اور ایک درہ ابلان میں اور ایک تہانہ تورا واڑی میں۔ ایک کاہی میں۔ ایک تہانہ گہاو چنا میں۔ ایک تہانہ شمس الدین میں۔ ایک تہانہ چار دہ میں۔ ایک تہانہ خٹک کے پاس قلعہ کار میں ایک تہانہ نیماک میں۔ ایک تہانہ ترائی آب میں۔ اور سہ چند و بازار نرائی آب کو تباہ و برباد کرکے لوٹ لیا ہے۔ اب تین بڑے قلعے پہاڑ مذکور کی چوٹی پر ہمنے باقی رکہے ہیں۔ وہ بہی انشاء اللہ تعالی ہم جلاکر خاک سیاہ کرینگے۔ تیراہ کے تمام لوگوں نے پہاڑ پر ڈیرہ جما لیا ہے۔ اور اسکے ذیل میں کوہاٹ سے لیکر اودکرمان تک جو ضلع کرم میں واقع ہے اور روہال اور کنڑیوں کی سرحد ہے۔ تمام فرقے اپنے اپنے علاقوں میں جہاد کررہے ہیں۔ ہم کبہی برٹش گورنمنٹ کی بیعت نہیں کرینگے اور نہ اُسکی رعایا ہوکر رہینگے۔ اور نہ اپنے ملک کی عنان حکومت اسکو ہاتہوں میں دینگے۔ برعکس اسکے ہم شاہ اسلام کی حکومت کے زیر نگیں رہنا چاہتے ہیں۔ اسلئے اسلامیہ حکومت کو لازم ہے کہ صرف ہماری مقام کو ہی نہ دیکہیے اور نہ ہماری حالت پر ہی غور کرے۔ بلکہ کل افغانستان کے بہبود

کتنے سرکاری قلعے سرحدی ادہر نے لے لیے تہے

وسو دکو سوچے۔ لھذا ہم اپنے یہہ ۸ ملک علما اور بزرگ پورے ہیٹنگونکدے سے میں بھیجتے ہیں
اب ہم سلسلہ سالانہ پر جہاد میں مشغول ہیں۔ اور ہم امید کرتے ہیں کہ شاہ اسلام
ہماری امداد کے واسطے جوکچھہ مناسب سمجھیں گے ضرور کرینگے۔ اور ہم بعونہ تعالی
آپکی ہدایت سے سرمو تجاوز نہیں کرینگے۔ کیونکہ ہم اپنے تمام معاملات اور انتظام کا طرح
سے آپکے ہاتھوں میں دیتے ہیں۔ ہمنے اپنے فرقوں کو آپکی خدمت کے واسطے آمادہ کرلیا
ہے۔ اب پورے ہیٹنگس کو ولی مراد حاصل کرنیکا موقعہ ہے۔ کیونکہ اس وقت تمام مسلمان
باقاعدہ افواج۔ توپخانہ اور نقدی کی صورت میں آپکے اختیار میں ہیں۔ اگر گورنمنٹ
انگلشیہ مظفر ومنصور ہوئی تو وہ مسلمانوں کو تباہ کر دیگی۔ پس آپ بنی اس طرف کی ندہ
ہماری سپرد کریں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہماری درخواست ملاحظہ فرماکر ہمیں جواب سے
سرفراز فرمائیں گے۔ مورخہ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ"

اسکے جواب میں امیر صاحب نے انہیں لکھا ہے۔

"میں نے تمہاری تمام درخواستوں کو دیکھا ہے۔ اور ان سب کا ایک ہی مدعا ہے۔ اور
اب میں بجواب اسکے ہر ایک گروہ کو لکھتا ہوں کہ مجھے کابل میں آئے ہوئے ۱۷ سال گذرے
ہیں اور تم خود جانتے ہو کہ میں ایک دفعہ خیبر کی راہ سے بھی راولپنڈی گیا تھا۔ میں گورنمنٹ
گورنمنٹ کے ساتھ اپنے اتحاد کے خیال سے انکے ملک میں بطور انکے مہمان کے گیا تھا اور
مینے بہت سے تمہاری کئی فرقہ والے سڑک کی دونوں طرف دیکھے تھے جنہوں نے مجھے سلام کیا تھا
اب آپ لوگ جوکچھہ کہتے ہیں اگر یہہ صحیح ہے تو کیوں اس وقت مجھے نہیں کہا تھا تاکہ
میں اس وقت ہزاکسیلنسی وائسرائے کے ساتھ اس بارہ میں فکر کرتا؟ اسکے چند سال بعد
جب سرحد قایم ہورہی تھی اور سرمارٹیمر ڈیورنڈ خیبر کے راستہ سے گذر کر کابل آئے
تھے یہہ حال تمام فرقوں کو معلوم تھا۔ انہوں نے سفارت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا
تب کیوں آپکے ملا ملک اور علما میرے پاس نہ آئے جب سرمارٹیمر ڈیورنڈ سرحد کا فیصلہ

کرنے کے واسطے بااختیار ہو کر آئے تھے۔ تاکہ میں اس امر پر بھی بحث کرنے کے قابل ہوتا۔ اُس وقت تم سب خاموش رہے۔ اور اب میں نہیں جانتا کہ کیوں انگریز وں اور تمہارے درمیان تخالف پیدا ہو گیا ہے۔ اور ایسی حالت میں تم مجھے اطلاع دیتے ہو جبکہ تم نے اُنکے ساتھ لڑائی کر کے اُنکو ناراض کر دیا ہے۔

امیر صاحب کا انگریزی عہد سے

معاملات ملک کی نسبت میرا برٹش گورنمنٹ کے ساتھ عہدنامہ ہو چکا ہے اور اس وقت تک اُنہوں نے باوجود عیسائی ہونے کے عہد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ تب ہم کسطرح عہدنامہ کو توڑ سکتے ہیں؟ آپ کلام مجید کی آیتہ "اوفوا بعھدی اوف بعھدکم" کی نسبت کیا کہتے ہو۔ جسکا منشاء یہ ہے کہ اپنا عہد پورا کرو۔ اور قول کا پختہ ہونا مسلمان کا پہلا فرض ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جب پہلا اقرار لیا تو اپنی تمام مخلوقات سے دریافت کیا کہ تمہارا خدا کون ہے۔ سب نے جواب دیا کہ "آپ ہی بیشک ہمارے خدا اور ہمارے خالق ہیں" اسلیئے قیامت کے دن سب سے پہلا سوال قول و اقرار کے پورا کرنیکی نسبت ہو گا۔ اور یہی دینداروں اور بے ایمانوں کی شناخت کا معیار ہو گا۔ اِس طرح آپ متیقن ہو جائیں گے کہ عہدنامہ کا معاملہ بہت ضروری ہے۔ میں کبھی بلا وجہ اور موقعہ اقرار نامہ سے انحراف نہیں کرونگا۔ کیونکہ انگریز اب تک اُس سرحدی لین سے منحرف نہیں ہوئے۔ جو اُنہوں نے میرے ساتھ قائم کی ہوئی ہے۔ تب میں کیوں اُسکے برخلاف ہوں۔ انحراف کرنا سراسر خلاف انصاف ہے۔ میں چند خود غرض اشخاص کے کہنے سے اپنے اور اپنے لوگوں کے نام کو بٹہ نہیں لگا سکتا۔

"جو کچھ تم نے اپنے اعمال سے کیا ہے اب اسکا خمیازہ اپنی گردن پر اُٹھاؤ۔ مجھے تمہارے ساتھ مطلق سروکار نہیں۔ تم اپنے معاملات کو خود اچھی طرح سمجھ سکتے ہو۔ اِس وقت جبکہ تم معاملہ کو بگاڑ چکے ہو مجھ سے مدد مانگتے ہو۔ تم نے وہ وقت فضول گذار دیا ہے جبکہ معاملہ سدھر سکتا تھا۔ اب میں کچھ کہہ سکتا ہوں نہ کر سکتا ہوں۔ تم نے میرے پاس ج

ملک نے بھیجے تھے میں نے انکو واپس کر دیا ہے۔ بیٹے ہر ایک کو ایک لنگی اور دس روپیہ نقد بطور زاد راہ کے دیئے ہیں۔ اور انکو کابل آنے کی تکلیف نہیں دی۔

امیر صاحب نے مشرقی افغانستان اور افغانوں کی تنبیہ کے واسطے یہہ اعلان جاری کیا ہے۔

"یہہ اعلان امیر ضیاء الملت و الدین کی طرف سے ہے"

"افغانستان کے علماء و فضلاء کو جو میرے ملک یا قطاع کوہ و جبال میں بستے ہیں واضح ہو کہ مجھے تمہارے حالات تمہاری دوستوں اور اپنے مخبروں کی زبانی معلوم ہوتے ہیں اور میں بخوبی جانتا ہوں کہ تم اپنے گھروں اور مجلسوں میں بیٹھکر کہتے ہو کہ میں نے تمکو برٹش گورنمنٹ کے ہاتھوں میں زر نقد کے واسطے فروخت کر دیا ہے۔

اندریں جبکہ تمہاری اور برٹش گورنمنٹ کے مابین لڑائی چھڑ گئی ہے میں آرام و آسایش سے بیٹھا ہوں۔ ان حالات میں میں قرین مصلحت سمجھتا ہوں کہ تم سے تمام واقعات بوضاحت بیان کروں اور تمہاری تذکروں کے بخیے ادھیڑوں"

انگریزوں کو افغانستان کا

اسکے بعد امیر صاحب امیر شیر علی خاں کے عہد میں برٹش گورنمنٹ کی پولیٹکل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شیر علی جاہل تھا۔ اور اسکا بیٹا یعقوب خاں اس وصف میں اسکا وارث تھا۔ اول اللہ کرنے تو روس کے ساتھ سازش شروع کر دی۔ اور سوختہ اللہ کرنے افغان ملک و افغان قوم میں خیبر کو گنری کی حفاظت کا ذمہ اوٹھایا۔ انگریزوں کو ان دنوں افغانستان کے الحاق کرنے کی کوئی آرزو نہیں تھی وہ صرف خیبر کو گنری کی ہلاکت کا انتقام لیا چاہتے تھے اور یعقوب خاں کی جانشینی کا انتظام کرنیکے خواہشمند تھے۔ میں نے اپنا پورا اطمینان کر لیا۔ انکی ملی استادہ صرف یہی تھی کہ وہ افغانستان کو دشمن کے حملے سے بچائیں۔ جنکی کچھ قیمت سر اٹھائے"

اسکے بعد قوم کیطرف توجہ رجوع کر کے بتایا گیا ہے کہ انہوں نے کسطرح برٹش گورنمنٹ

کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں میں پہنا اور اُس سے وظیفہ لینے کا بندوبست کیا اور باوجودیکہ اب ایک فقیر کی انگیخت پر جسکو آباؤ اجداد کا حال شاہ اسلام کو مطلق معلوم نہیں ہے۔ بے سوچے سمجھے کھلبلی اور بغاوت مچانے کے درپے ہوگئے ہیں اور چونکہ اُنہوں نے اِس حرکت کے مرتکب ہونے سے پہلے اُنکے ساتھ کوئی مشورہ نہیں کیا۔ لہذا اب اُنکا امیر صاحب کو مطعون کرنا کسی صورت سے جائز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ کئی بار برٹش گورنمنٹ کو بتا چکے ہیں کہ ہم امیر سے بالکل خود مختار ہیں۔ اور اُنمیں سے بجائے خود ہر ایک شخص بادشاہ ہے پس اِس حال میں وہ اپنا قضیہ آپ ہی نمٹیں۔

اِسکے بعد امیر صاحب لکھتے ہیں:۔

"کیوں تم اِس شورش کو جہاد یا مذہبی جنگ کہتے ہو؟ جہاد کا وقت آئیگا اور جب یہہ آئیگا اُس وقت تمکو خود ہی اطلاع ملجاویگی۔ اگر تمنے اُس موقعہ پر دادِ مردانگی دی تب میں تمکو مذہبی پیشوا کہونگا۔ لیکن جہاد کی سب سے پہلی شرط یہہ ہے کہ شاہ اسلام کے ساتھ ملکر کارروائی کیجائے۔ اور یہہ عجیب بات ہے کہ شاہ کو تو انگریزوں کے ساتھ اتحاد ہے اور تم جہاد جہاد پکار رہے ہو۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ تم آپ ہی خود مختار بادشاہ ہو۔ اور تمکو اپنے اوپر کسی بادشاہ کی ضرورت نہیں ہے۔ سال گذرے ہیں کہ ایک دفعہ فرانس میں بھی ایسا ہی واقعہ ہوا تھا۔ اور لوگوں نے بادشاہ کے مقابلہ پر باغی ہوکر اُسکو تخت سے اوتار کر لنڈن بھیجدیا۔ جہاں وہ بیوقت مرگیا۔ میں کبھی تمہارے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دونگا۔ اور نہ تمکو اپنا مدعا پورا کرنے سے روکونگا۔ بشرطیکہ یہ اصول مذہب کے مطابق ہو۔ لیکن موجودہ شورش کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ تمام مسلمان خصوصاً اور بہت فرقے انگریزوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ جب تمہارے ہی لوگ اُنکو مدد دیتے ہیں تو میں کسطرح تمہ

یہہ شورش امیر صاحب کی رائے میں جہاد نہیں تھا

ہو سکتا ہوں"؟ اور چونکہ فرقوں نے اِس شورش کی وجہ چترال و سوات پر برٹش قبضہ ہونا بتائی ہے۔ لہذا امیر صاحب اسکے جواب میں کہتے ہیں:۔

"میں تمکو بتاتا ہوں کہ چترال کا قبضہ لینے سے گورنمنٹ کا ہرگز یہ مدعا نہیں ہے کہ لگان اراضی یا ٹکس تشخیص کیا جائے۔ اسکی خواہش صرف یہہ ہے کہ اِس مُلک کی آبادی بڑھائی جاوے اور روس کے آیندہ حملوں سے بچنے کے واسطے سرحد کو مستحکم کیا جائے چنانچہ اُسنے سوات کے اُن دیہات کا مالیہ معاف کر دیا ہے جو واقعی گورنمنٹ مذکور کے قبضہ میں آچکے ہیں"۔

اخیر میں ہز ہائینس لکھتے ہیں کہ:۔

"الغرض مجھے تمہارے دہندوں سے کوئی تعلق نہیں اور نہ مجھے تمسے کوئی سروکار ہے کیونکہ مجھے تم پر کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور تم کبھی یہ خیال اپنے دل میں نہ لاؤ کہ میں شیر علی کیطرح ایسا احمق ہوں کہ تمہاری خاطر دوسروں کو ناراض کرتا پھرونگا۔ اور اگر میں یہ حماقت کر بیٹھوں تو میں یقین کرتا ہوں کہ تم تُہس میری آگ لگا کر الگ ہو جاؤ گے"۔

غرض امیر عبدالرحمٰن خان صاحب سرکار انگریزی کی دوستی پر مضبوطی سے قایم ہیں اور اِس دوستی کی قدر بخوبی جانتے ہیں۔

امیر عبدالرحمٰن خاں کی زندگی کا اعلےٰ مقصد یہہ ہے کہ اُنکے جیتے جی یا مرتے افغانستان ایک نہایت مضبوط اور ایسی خود مختار سلطنت ہو جاوے کہ اُسے ہر وقت روس اور انگلستان کی ہمسائگت میں اپنی سلامتی کا خدشہ نہ رہے اور اِس کام کی تکمیل کیلئے وہ غیر معمولی تدبر اور دانشمندی سے اپنے مُلک کے اندرونی اور بیرونی وسائل کو مستعدی کے ساتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ انگلستان کیطرف سے انہیں مداخلت کا کم اندیشہ ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ انگلستان افغانستان پر اپنا قبضہ نہ رکھہ سکنے کی کمزوری سے بخوبی

امیر صاحب کی زندگی کا اصل مقصد

واقف ہیں۔ اور جو دو تجربے وہ اس بارہ میں کر چکا ہے انپر تیسرا اضافہ نہ کریگا۔
لیکن روس کی طرف سے انہیں ضرور اندیشہ ہے جبتک کہ روس کو ملک گیری اور
خصوصاً ہندوستان پر قبضہ کرنیکا شوق ہے۔ لارڈ چلمسفورڈ نے ایشیاٹک کوارٹرلی
ریویو میں ۱۹۰۶ء کے درمیان ایک مضمون میں جہاں انگریزوں کو صلاح دی تھی کہ آئندہ
افغانستان پر حملہ کرنیکا کبھی ارادہ نہ کرنا وہیں یہ بھی سمجھایا تھا کہ اگر روس نے افغانستان
پر قبضہ بھی کر لیا تو بھی ہماری سلطنت ہندوستان کو اس سے ہراساں نہیں ہونا چاہیئے
کیونکہ اگر قندہار اور غزنی پر روس قابض ہو گیا تو تب بھی دریائے سندھ سے تین سو
میل دور رہیگا۔ اور اگر کابل پر قبضہ کر لیا تو پشاور سے ۱۷۵ میل پرے ہوگا بیچ میں ایک
دونوں کے درمیان سخت جنگجو سرحدی قوموں کی ایک خاصی باڑ ہوگی۔ افسوس ہے
کہ لارڈ چلمسفورڈ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ جبکہ ہندوستان کی ہوس کے لئے روس
ہزارہا میل طے کر کے کابل تک آ پہونچیگا تو آگے دو تین سو میل طے کرنے میں اُسے
کیا دقت رہیگی۔ بہرحال ہندوستان پر روس کے حملہ کا خطرہ مدت سے چلا آتا
ہے۔ اور انگریزی مدبر اسکی روک تھام کی تمام ممکن تدابیر عمل میں لا رہے ہیں
سرحدیں مضبوط کیجاتی ہیں۔ عہدنامے کئے جاتے ہیں اور امیر صاحب کابل کو خوش
رکھنے اور مضبوط بنانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ لیکن روس کے حملہ کا اندیشہ انگلستان
اور افغانستان کو برابر لگا ہوا ہے۔ مسٹر لیپل گریفن نے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو میں
ایک مضمون میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ روس کم از کم موجودہ نسل
میں ایک لاکھ فوج سرحد افغانستان و ہندوستان پر نہیں لا سکتا اور اس سے کم فوج لانے
میں ہمیں اس سے کوئی اندیشہ نہیں۔ مگر روس بھی ان تمام حسابات سے واقف
ہے اور وہ سرحد افغانستان پر بڑھنے کی لگاتار کوششوں میں مصروف ہے
امیر عبدالرحمن خان کے لئے ایسے زبردست دشمن سے اپنے ملک کو محفوظ رکھنا بھی

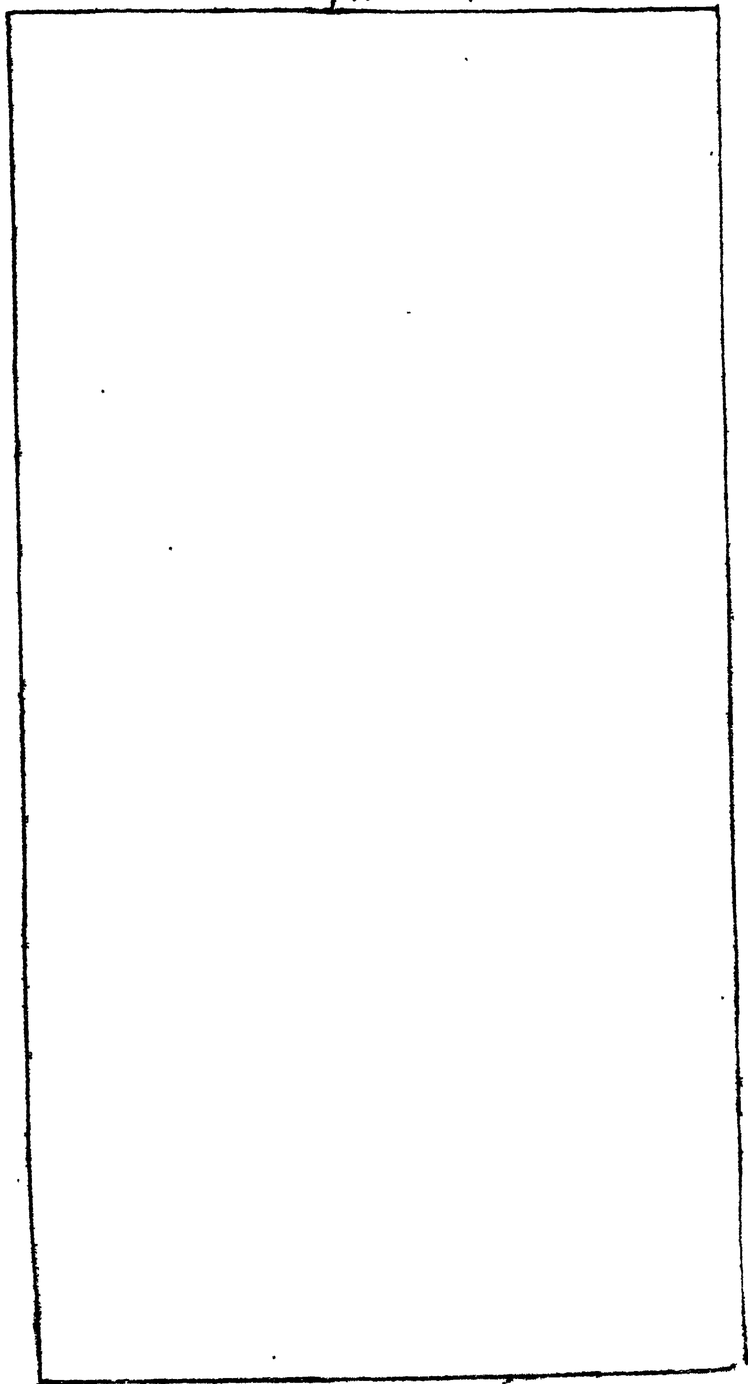
انگلستان اور روس کی افغانستان کی نسبت آرائے

مسلمان سلطنتوں کا اتحاد

اہم اور مشکل کام ہے اور وہ بڑی سرگرمی کے ساتھ اسمیں مصروف ہیں۔ کبھی کبھی
لوگ کہہ دیتے ہیں کہ امیر صاحب روس کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات قائم رکھتے ہیں
مگر پنجدیہ وغیرہ کے معاملات پر نظر کرکے اس بات پر یقین نہیں ہو سکتا۔ حال میں
بعض حلقوں سے یہ بھی صلاح پیدا ہوئی ہے کہ دنیا کی تین مسلمان سلطنتیں یعنی ٹرکی
ایران اور افغانستان آپسمیں اتحاد پیدا کریں۔ لیکن بادی النظر میں یہ بات
سہل الحصول نہیں نظر آتی۔ مگر کہا جاتا ہے کہ کم از کم ٹرکی سے ایسا اتحاد
پیدا کرنے کے لیے امیر صاحب خواہشمند ہیں۔ اور شاہ مظفر الدین شہنشاہ ایران
نے بھی اس ارادہ کے متواتر ثبوت اپنی طرف سے دیئے ہیں۔

میں نے ان اوراق میں تمام ایسے واقعات جمع کردینے کی کوشش کی ہے جو
نہایت معتبر زبانی وسائل یا یورپ اور ہندوستان کے اخبارات اور رسالجات سے
مجھے ملے ہیں۔ اور گو ممکن ہے کہ انمیں سے بعض باتیں افراط و تفریط پر مبنی ہوں تا
لیکن میں نے جس نیک نیتی سے اور ناجانبداری سے زمانہ حال کے افغانستان
کے اس عظیم الشان امیر کے حالات جمع کیئے ہیں۔ عیب پوش ناظرین سے امید ہے
کہ وہ بھی انہیں اسی روشنی میں پڑھیں گے۔

تمام شد



ضمیمہ اوّل

عبد الرحمن خاں امیر افغانستان

[ایک تجربہ کار مشرقی سیاح کے خیالات جو اُنسے بخوبی واقف ہے]

[ساؤتھ ریویو آف ریویوز سے ترجمہ کیا گیا ہے]

شمالی اور شمالمغربی سرحد کی نسبت ہندوستان کی پالیسی کی کامیابی کا بڑا انحصار سلطان یا دشاہ کابل کے ساتھہ ارتباط پر موقوف ہے۔ اُن حدود پر گذشتہ تین ماہ کے مضطرب حالات جنگی اگر بناء کا نہیں تو ترقی دینے کا الزام ملکی اہل الرائے امیر صاحب کابل کے حوصلہ دلانے اور ریاز ہی کرنے پر موقوف رکھتے ہیں۔ ان امیر صاحب کے حالات مقتضی اس امر کے نہیں کہ تاریخ کے عظیم مشرقی بادشاہوں میں سے اُنکی طبیعت اور موجودہ حالت کا کسیقدر تذکرہ کیا جائے امیر عبد الرحمن خاں امیر دوست محمد خاں کے صاحبزادے سردار محمد افضل خاں مرحوم کے شاہزادے ہیں جو کچھہ عرصہ امیر بھی رہے تھے۔ پارلیمنٹ کے کاغذات سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر صاحب کابل ان تمام ممالک پر متسلط ہوئے ہیں جو اُنکے چچا شیر علی سے اُنکے چچیرے بھائی یعقوب خاں کو ملے۔ جو ۱۸۷۹ء کی خونریزی کابل کے بعد اُنکے تخت سے دست بردار ہونے پر امیر عبد الرحمن خاں پر گذرے اس طرح امیر صاحب ہمیشہ سمجھتے ہیں کہ (سرحدی) فرقوں کا ملک ۱۸۹۳ء کی مقبولہ

ریویرینڈ لائن سے انکی سلطنت کے باہر ہوگیا ہے۔ اور قیاس کیا جاتا ہے کہ یہی حالت بعد وفات امیر صاحب کی قایم رہنی چاہیئے۔ تاہم انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں ان ممالک میں پاؤں جمانے کے واسطے ہر ایک حیلہ اور کوشش کی ہے۔ چنانچہ وزیرستان۔ باجور اور علاقہ مہمند میں وہ ہر قسم کی تدبیر اور ایچ پیچ سے تدریج دخل پانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ حتےٰ کہ ایک دفعہ برٹش گورنمنٹ پہلے وہ مقامات کی نسبت انسے بگاڑ کرنے کو بھی آمادہ ہوگئی تھی۔ اور انکو یہاں تک دھمکی دیدی تھی کہ اگر اوہنوں نے اتنی جلدی ان مقامات کو نہ چھوڑا ہوتا تو جبراً وہاں سے نکالے جائیں گے۔ انکی وفات کے بعد ممکن ہے کہ نئے امیر سے کہ جسکو اپنے مقدم جانشین کی نسبت برٹش سرحد پر اپنے ہم مذہبوں پر حکومت کرنیکا بڑا اشتیاق ہے۔ سرکار کی مڈبھیڑ ہو جائے۔ اور اگر لنڈن میں ایسے فریق کو عروج حاصل ہوگیا جو اس نئی تدبیر کے مزاحم ہونے کی پروا نکرے تو ہماری سرحدی ڈھانچ کا ہر ایک حصہ خواہ وہ آگے بڑھنے والی یا پیچھے ہٹنے والی ساخت کا ہو سب غارت ہو جائیگا۔

امیر عبد الرحمن خاں کی عمر اس وقت ساٹھ سال سے تجاوز کر گئی ہے۔ اور وہ دو تین دفعہ مرض نقرس سے لب گور تک پہونچ چکے ہیں۔ ۹۴ء۱۸ میں اس مرض نے ایسا سخت عود کیا تھا کہ اسکے لاعلاج ہونیکا یقین ہوگیا تھا۔ اور کچھ عرصہ بلاشبہہ یہاں تک خوف ہوگیا تھا کہ وہ واقعی اسکے حملہ کی تاب نہیں لاسکے۔ اس مرض کے کچھ نہ کچھ ہوتے رہنے سے بہادری کی بیماری رہتی ہیں۔ جسسے انکو بار بار ہمارے دردوسکے دربار سے چھوڑنا پڑتا ہے۔ لہذا انگلستان کو لازم ہے کہ اس سے مسئلہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے جو تخت کی دفعتاً خالی ہونے پر حل کیا جانا لازم ہے ؟

[آئندہ امیر]

اگر امیر صاحب پچھلی دفعہ گذر جاتے۔ اور بہت سے ہندوستانیوں کے حسب اعتماد امیر صاحب کے سب سے بڑے شاہزادے (سردار) حبیب اللہ خاں اُنکے جانشین ہوتے لیکن یہہ معلوم نہیں ہوا کہ ابھی اُنہوں نے کسی کو اپنا وارث نامزد کیا ہے یا نہیں۔ شائد کہ وہ عمر جان کے بڑا ہونے کے منتظر ہونگے۔ جو اِس حقیقت نماز ان میں شاہی والدہ کے بطن سے ہے۔ یہہ امیر صاحب کی سب سے پہلی منکوحہ بیگم "حرم صاحبہ" یا ملکہ کے بطن سے ہے۔ جو اپنے خاوند کیطرح امیر دوست محمد خاں کی پوتی ہے۔ اِس طرح وہ ایک دوسرے کے چچا زاد ہیں۔ اور بچہ عمر جان یورپین خیال کے مطابق صحیح شاہی سلسلہ اور نسب سے ہے۔ اور اِسلئے صلبی اولاد ہے۔ شہزادہ حبیب اللہ خاں اور نصر اللہ خاں ایک کمتر درجہ کی بیوی کے بطن سے ہیں۔

عمر جان کی ماں بہت بھاری خصوصیت اور اپنے آقا اور مالک پر کسیقدر رسوخ بھی رکھتی ہے۔ کابل کے سیاحوں کا بیان ہے کہ اگر امیر صاحب کوئی وارث تخت چھوڑنے کے بغیر فوت ہوں تو وہ اپنے شاہزادہ عمر جان کو تخت پر متمکن کرنیکی کوشش کریگی۔ اور بہت کچھ برٹش گورنمنٹ کے خیالات پر منحصر ہوگا۔ اگر یہہ کسی ایسے شخص کیطرف مائل ہوگی کہ جس سے اِس مطلب کے واسطے اُسکو معلوم ہو کہ کسی دوسرے کی نسبت اِس سے زیادہ تر کامیابی سے شرائط طے کرسکتی ہے تو یہہ بلاشبہہ اُسی کی مددگار رہیگی۔

امیر صاحب کے خاندان سے باہر کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جسکو اُنکے تینوں شاہزادوں کے مقابلہ پر کامیابی کی امید ہو۔ لیکن اگر شیر علی کا بیٹا سردار ایوب خاں کہ جسنے ۱۸۸۰ء میں ہتر صاحب کے بریگیڈ کو میوند میں شکست دی تھی عین وقت پر افغانستان پہنچ جائے۔ تو پھر تو خوب ہی خانہ جنگی اور خونریزی

ہو گی۔ تاحال پرانے خاندان کے کئی تعلقہ دار موجود ہیں جو فوراً اسکے آزاد نوجوان جنرل کے گرد جمع ہوجائیں گے۔ جواب وسیانی عمر اور معقول درجہ کے فہم و فراست کا شخص ہے۔

[امیر عبدالرحمن خاں کے ابتدائی حالات]

اس آرٹیکل کے ہیرو امیر عبدالرحمن خاں کا دور زندگی عجیب و غریب ہے۔ ابتدائی زمانہ سمرقند کیطرف بھاگنے کے پہلے یہہ ہمیشہ اپنے باپ افضل خاں کے واسطے معرکوں میں مصروف رہا ہے کہ جنکے باعث انکو بحیثیت سپہ سالار اور سرغنہ کے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ انکی لڑائیاں جو عموماً لمبی ہوتی تہیں اور نہایت حکمت عملی کے ساتہہ سر کیجاتی تہیں۔ انکا سلسلہ افغانستان کے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک چلا گیا تہا جنمیں انہوں نے ایسے کثیر التعداد باغیوں کو شکست دی۔ جو کسی نہ کسی تخت کے دعویدار کیطرف سے برسر فساد تہے۔ اسطرح امیر عبدالرحمن خاں نے اپنے چچوں کا جو انکے باپ کے بہائی اور دوست محمد خاں کے بیٹے تہے۔ پورا پورا مقابلہ کیا مگر اخیر میں انکے واسطے ملک میں رہنا مشکل ہوگیا۔ اور ایسے لشکر سے جو انکی اپنی فوج سے بہت زبردست تہا شکست فاش کہا کر انہوں نے وہ کارروائی کی جو افغانوں میں ایک تاریخی واقعہ ہے۔ یعنی وہ قلمرو سے روس کو بھاگ گئے۔ جہاں سے ۱۸۸۰ء میں اپنی آبائی گدی پر متمکن ہونیکے واسطے طلب کئے جانے تک زار کے تہوڑے سے وظیفہ پر گذارہ کرتے رہے۔

[انکی تخت نشینی]

امیر عبدالرحمن خاں کو عہدہ اعلےٰ منصب سپرد کرنے کی نسبت سرلیپل گریفن نے سلسلہ جنبانی کی جو اس وقت سر ڈانلڈ سٹوارٹ کے ساتہہ پولیٹیکل افسر تہے۔ اور کسقدر خط و کتابت کے بعد دو دیسی افسر جو بعد میں پرنس آف ویلز کے ایڈیکانگ بہی ہو گئے تہے

امیر عبدالرحمن خاں کو افغانستان کے مقام زیمیہ میں لانے کے واسطے بھیجے گئے تھے جہاں امیر عبدالرحمن خاں اور سر لیپل گریفن کے باہمی اسبارہ میں گفتگو ہوئی پہلے تو انکو اپنے لیئے یہہ مشرقی بار بہت گراں بار معلوم ہوا۔ مگر بعد میں سر لیپل گریفن کی خوش پہلو جنگ چالیں غالب آئیں اور انہوں نے اسکا خاطر خواہ فیصلہ کر لیا۔ اور جب امیر صاحب نے عنان حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی تو انہوں نے باوجود ابتدائی مشکلات اور مزاحمتوں کے اپنی حکومت مستحکم کرنے میں کوئی وقت ضایع نہ کیا۔ اور نرم وگرم تدابیر عمل میں لاکر فائز بمرام ہوئے۔ ایوب خاں جو اپنے والد شیر علیخاں کے ماتحت ہرات کا گورنر تھا۔ اور لارڈ رابرٹس سے کابل شکست کھاکر قندہار کے قریب سے فارس کو بھاگ گیا تھا۔ پھر اس موقعہ پر آموجود ہوا۔ اور اس شہر سے امیر صاحب کی جو افواج آئیں انکو شکست دیکر اُسپر فوراً قابض ہوگیا۔ اور جو لوگ وہاں سے نکل بھاگے انکا بڑے استقلال اور جرأت کے ساتھہ تعاقب کیا۔ امیر عبدالرحمن خاں نے یہہ حال دیکھکر سوچا کہ جبتک میں بذات خود میدان کارزار میں نہ آؤنگا اس قسم کی تکلیف سے نجات ناممکن ہے۔ اس خیال سے وہ ایک چیدہ فوج لیکر دشمن کیطرف روانہ ہوئے اور قندہار کے قریب ایوب خاں کی فوج کے مقابلہ پر جس نے اس وقت تک میدان مارا ہوا تھا جا دندنائے۔ اور اس مہم کو انہوں نے بہت جلد سر کیا۔ سردار ایوب خاں کی کیا بضاعت تھی کہ امیر عبدالرحمن خاں جیسے لایق جنرل کی حکمت عملی کا مقابلہ کر سکتا۔ انہوں نے جاتے ہی اسکو شکست فاش دی اور دُم دبا کر فارس کو بھگا دیا۔ جہاں ۱۸۸۸ء تک یہ شاہ فارس کے معزز مہمان رہے۔ اور اسکے بعد ہندوستان میں مناسب عزت کیساتھہ لائے گئے۔

[امیر صاحب نے اپنی سلطنت کو کسطرح مستحکم کیا]

اس موقعہ پر امیر عبدالرحمن خاں کی کامیابی نے ملک میں وہشت پھیلا دی جو انکی

سنگین حکومت کے بتدریج زیادہ سخت اور زیادہ بے مہر ہونے سے مسلمہ خوف میں مبدل ہوگئی۔ ہر ایک درجہ کی ہر شخص کی ذات سے بدلحاظی برتنے اور ذرہ بھی کمزوری نہ ہونیکے ساتھ انکی تندمزاجی اور سخت سردمہری نے جلد انکی نسبت خیال بے اعتباری پیدا کردیا۔ اور ملک میں انکا رعب قایم ہوگیا۔ ایک حاکم کے بعد دوسرا۔ اور ایک رئیس کے بعد دوسرا تاکید اً دارالخلافہ میں بلواکر کسی کسی بہانہ سے برباد۔ قید یا ذبح کرانے شروع کئیے اور اس وقت تک چین نہ لیا۔ جتبک کہ تمام ایسے اشخاص جنکو وہ اپنے دشمن یا بہت زیادہ ہر دلعزیز یا اپنی مخالف سمجھتے تہے دنیا کے تختہ سے نیست و نابود نہ کردیا۔ ہم انکو برٹش تہذیب کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے۔ اِن کارروائیوں سے بعد میں اِنکے جو مدعا پورے ہوئے وہ ہماری نظر میں بہدے اور وحشیانہ ہوں لیکن اسمیں کوئی کلام نہیں کہ وکٹوریہ کی متعریف اور مہذب حکومت اِس غیر مہذب ملک میں کسی مصرف کی نہیں ہے جہاں ہر وقت فولادی ایڑی سے کام لینیکی ضرورت ہے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب انہوں نے تمام ملک اِسی طرح پائمال کرلیا ہے کہ انکی ایک سرگوشی جو سلطنت کے بعید سے بعید حصہ میں پہونچ جائے۔ توپخانہ کی باڑہ کا اثر رکہتی ہے۔ جس شخص نے مختلف اوقات پر سلطنت کے مختلف حصوں میں سیاحت کی ہو وہ ذاتی خبر پر اِسکی تصدیق کرسکتا ہے۔

[انسداد بغاوت]

لیکن عبد الرحمن خاں کا یہ بے عدیل زبردست حالت حاصل کرنا کسیقدر مشکل سے خالی نہ تہا۔ چنانچہ دس سال گذرے ہیں کہ غلزیوں کی بغاوت نے انکی خود حکومت کی بنیاد ہلادی تہی۔ اور مدت تک تمام ملک میں طوفان خونریزی برپا ہونیکا اندیشہ ہوگیا تہا۔ مگر امیر صاحب بہت خون بہانے اور بربادی پھیلانے کی بجا

اخیر میں اسپر بھی غالب آئے۔

۱۸۸۸ء میں امیر صاحب کے چچا زاد برادر اسحاق خاں کی بغاوت۔ جو اس وقت افغان ترکستان کا گورنر ہی نہیں تھا۔ بلکہ مطلق العنان حکمران تھا تخت کابل کی حفاظت کی وبال جان ثابت ہوئی۔ اسحاق خاں کئی بار صلح و صفائی سے امیر صاحب کے سامنے بلوایا گیا۔ لیکن اس خیال سے کہ سلطنت کے دیگر حصوں میں اسکے ہمعصروں کی بڑی تعداد کے ساتھ کیسا سلوک ہو چکا ہے۔ وہ مختلف حکمتوں سے اس بات کو ٹالتا رہا۔ امیر صاحب نے اس متواتر نافرمانی اور حکم عدولی سے برافروختہ ہوکر اسکے مقابلہ پر فوج روانہ کی جو اسحاق خاں نے شکست دیکر پسپا کردی اور اس فتح سے حوصلہ پاکر اپنی کائنات کو بھول گیا۔ اور کابل کو مسخر کرنے کے بیہودہ خیال سے اس طرف چڑھائی کی۔ لیکن راستہ میں ہی اسکی ایک بڑی جرار فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جسکی کمانڈ خود امیر صاحب کے ہاتھوں میں تھی۔ اس فوج نے اسحاق خاں کی سب شیخی خاک میں ملا دی اور کسی مزید مقابلہ کی امید سے بے بس ہوکر وہ اپنے چند وفادار ہمراہیوں کے ساتھ دریائے آکسس کے پار ہو گیا۔ اور روسیوں کے شہر سمرقند میں جا دم لیا۔ جہاں خود عبدالرحمن خاں نے اپنی جلاوطنی کے کئی سال بسر کیے تھے۔ اب اسحاق خاں مع اپنے رفقا کے روس کا مہمان ہے۔ جو اسکو معقول وظیفہ دیتا ہے۔ ادھر امیر صاحب نے مزار شریف پہنچکر اسحاق کے دارالخلافہ میں ایک سال کی رہائش میں معاملات گورنمنٹ سدھارے اور ان لوگوں کو تباہ اور غارت کیا کہ جنکی نسبت انکو اپنے دشمن کی طرفداری اور مدد کرنیکا یقین تھا۔

[اعلی بادشاہ]

تب سے کئی بار انکے مقابلہ میں بغاوتیں ہو چکی ہیں جنمیں سے بڑی مہم کابل اور

ہرات کے مابین ہزارہ جات کی پہاڑیوں میں تہی - یہہ شیعوں اور سنیوں کا معرکہ تھا - اسمیں حسب معمول امیر صاحب مظفر و منصور ہی - ہز ہائینس پیغمبر صاحب کی سنت کے مقلد اور اسلیئے سُنی ہیں - فارس کی بڑی آبادی شیعہ مذہب رکہتی ہے جو بہت سے افغانستان میں بہی بالخصوص اسکی مغربی حدود میں آباد ہیں - اصل ہزارہ کے ایک ملے جلے فرقہ نے قندہار کیطرف بہی سر اُٹھایا - اور اخیر میں انکو بہی سخت زک ملی - ان قوم منگل کے لوگوں نے بہی جو کرم کے مشرق کیطرف صوبہ کابل میں آباد ہیں - چند دفعہ دانت نکالے تہے - مگر اخیر میں امیر صاحب نے فتح و نصرت کے زنبور سے انہیں کہود ڈالا تہا - ان سب کارروائیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اب امیر صاحب کی حین حیات میں کسی بغاوت عظیم کا کہٹکا نہیں رہا - کیونکہ اُنہوں نے ملک بغیر کسی شک کے اسقدر مطیع و منقاد کر لیا ہے کہ وہ اپنے دل سے سختی کے ساتہ کسی قدر شاہی الوالعزمی اور توجہ خسروانہ سے کام لے سکتے ہیں - حالانکہ پیغمبر صاحب کے نیچے انکے سب سے اعلٰے منصب کو جو کسی کو نصیب ہو سکتا ہے اُنکی رعایا شخصی اور مجموعی طور پر نہایت تعریف و تعظیم اور زیادہ تر دنیاداری کی نگاہ سے دیکہتی ہے - انکے نام اور افعال پر تو ذلی سرگوشیوں سے نکتہ چینی کیجاتی ہے اور تعریف ڈنکے کی چوٹ کیجاتی ہے اور اس حوصلہ و برگشتہ بخت کے مقسوم میں ادبار لکہا ہے جو علانیہ کوئی ایسی بات کہے کیا بلکہ اسکا بعید سے بعید بہی مشارٌ الیہ ہز ہائینس کے خلاف شان ہو -

[برٹش کے ساتہہ ارتباط]

ظاہراً امیر صاحب کو ماتحت گورنمنٹ کی وساطت سے انگلستان اور افغانستان کے مابین ارتباط پر عملدرآمد ہونے پر اعتبار نہیں ہے - جسکا ثبوت انکی اس خواہش سے ملا تہا جو انہوں نے اس غرض سے لنڈن میں سفیر رکہنے کے واسطے ظاہر کی تہی - انکی اس درخواست کے نامنظور ہوتے سے انکی بہت دلشکنی ہوئی ہوگی

کیونکہ وہ اِس امر کے دِل سے خواہشمند تہے۔

امیر صاحب اپنے انگریزا اور ممالک غیر کے دیگر ملازموں سے نہایت شفقت اور عنایت سے پیش آتے ہیں۔ اور انکو معقول تنخواہیں دیتے ہیں۔ اور بلاشبہ گورے لوگوں کی اُس وقت تک بہت قدر و منزلت کرتے ہیں جبتک کہ وہ پسندیدہ ہیں اور عملی طور پر بہادر ثابت ہوں۔ جو عموماً امیر صاحب کو ان لوگوں کا وصف نظر آیا ہے۔ ہماری نسبت انکا شک صرف ہمارے ڈپلومیسی و ہمارے بین الاقوام برتاؤ کی نسبت ہے۔ اور غالباً وہ اُسپرائٹ سے بڑہکر اپنی و غیر بیذری سرجن کی اصلی عزت کرتے ہیں۔ چنانچہ سر سالٹر پین کے ساتھ انکا سلوک بہت ہی محبت آمیز ہوگیا ہے۔ مگر اسبارہ میں شک ہے کہ آیا سر سالٹر پین کا امیر صاحب پر بہت رسوخ تہا۔ یا اب ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ وہ انجنیری امور میں امیر صاحب کو مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن معاملات قوم یا اُسکی حکومت میں امیر صاحب کا کسی کے رسوخ میں آنا قرین قیاس نہیں ہی۔ اگر امیر صاحب کو ذرہ معلوم ہو جائے کہ سر سالٹر پین کی چال میں ڈپلومیسی پائی جاتی ہے یا آئندہ اِنکی تجاویز میں اُسکی بو ہے تو پین کو جلد اسکا رنج اُٹھانا پڑے۔ امید ہے کہ سر سالٹر پین اِس امر سے بہتر واقف ہیں؎

[اسکے وظائف بصورت طلا و فولاد]

امیر صاحب کو ابھی تخت نشین ہوئے تین سال بھی نہیں گذرے تہے کہ اُنہوں نے اپنی مفلسانہ حالت کی شکایت شروع کی۔ اور کہنے لگے کہ امداد کے بغیر مہمات ملکداری کا انصرام ہونا ناممکن ہی۔ اِسلیئے انکو ایک لاکھ روپیہ ماہوار کا وظیفہ دیا گیا تہا جسکو دس سال کے بعد سفارت ڈیورنیڈ نے ڈیڑہ لاکہ روپیہ ماہانہ کر دیا۔ اسی اثناء میں انکو بہاری مقدار اسلحہ اور دیگر سامان حرب کی بھی دیگئی ہے جنمیں سے بعض اسلحہ جدید ان کارزار کے واسطے بہت مفید تہے اور بروئے اقرار نامہ ڈیورینڈ

مورخہ ۱۳ نومبر ۱۸۹۳ء (دیکھو گذشتہ بلیو بک) انکو صرف حسب مرضی اپنے ملک میں اسلحہ لانے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ہماری طرف سے انکے ساتھ اقرار ہو چکا ہے کہ ہم انکو اسبارہ میں مدد دینگے۔ اب انکی فوج زمانہ حال کی رائفلوں سے خوب مسلح ہے اور جسکے پاس سامان حرب و ضرب بھی کثرت سے موجود ہے۔ حالانکہ ملٹری ڈریس اور مدارج ایسے ہیں جو کسی افغان امیر کے خواب میں بھی نظر نہیں آئے۔ کابل کے کارخانے جو اس باہمت اور کامیاب شخص نے سر سالٹر پین کی کوشش سے قائم کیئے ہیں۔ کئی سالوں سے مختلف اسلحہ کلیں اور دیگر ذخائر تیار کر رہے ہیں جنہوں نے ملک کی حالت کو بہت نمایاں ترقی دی ہے۔ اور ایسی صنعتی دستکاری داخل کی ہے۔ جو امیر صاحب اور انکے چیف انجنیر کے واسطے باعث فخر و مباہات ہے۔ ان نئی ترقیوں نے امیر صاحب کیحالت کو بھی بہت استحکام بخشا ہے۔ حتے کہ یورپین طاقت کے لیئے کابل پر حملہ کرنے کی کوشش کرنا طفلانہ کھیل نہیں رہا۔

آغاز حکومت میں امیر عبدالرحمن خاں کو اپنے ملک کے حدود معین کرنیکا بڑا خیال تھا۔ جس غرض کے واسطے ۱۸۸۴ء میں شمالی سرحد قائم کرنیکے واسطے برٹش اور روسی کمیشن مقرر کیا گیا تھا۔ جسنے دریائے ہری رود سے لیکر جو سرحد فارس پر ہے آمو دریا یا اوکسس تک جانب مشرق سرحد قائم کی۔ ۱۸۷۳ء میں خوجہ صالح کے مقام سے جھیل وکٹوریہ تک دریائے پنجہ انگلستان اور روس کے مابین سرحد قرار دیا گیا تھا۔ خواہ اقرارنامہ کی بے ضابطگی نے عملی طور پر اسکو لاوارث چٹھی کیطرح بیکار کردیا کیونکہ شیر علی اور عبدالرحمن اوکسس کے اس پار ملک پر مسلسل قابض رہے۔ اور صرف پچھلے دنوں ضلع پامیر میں جھیل وکٹوریہ اور چینی سرحد کے مابین کا علاقہ جنرل جیرارڈ اور روسی ڈیلیگیٹ کی قرارداد کے مطابق خالی کیا گیا تھا۔

فارس علے مشرق کیطرف سرحدیں جو کرنل سرسٹے جوے اور ایک روسی جنرل نے قایم کی تہی پوری کامیابی ہوئی ہتی اور بجز مشہور اور منحوس واقعہ پنجدہ کے کہ جسمیں روسیوں نے واقعی ایسے وقت میں ملک پر قبضہ کر لیا جبکہ یہہ امیر صاحب کے قبضہ میں تہا کوئی ایسا امر وقوع پذیر نہیں ہوا کہ جسکو انگلستان تاسف کی نگاہ سی دیکہہ سکے۔ ہندوستان کو لوٹتے ہوئے سر سٹے جوی اور انکے افسر امیر صاحب کو انکے دار الخلافہ میں ملے۔ اور انکے زبردست مستقل اور متکبر برتاؤ کو دیکھکر دنگ ہوگئے ●

[انکی لارڈ ڈفرن سے ملاقات]

اسی اثناء میں امیر صاحب نے (۱۸۸۵ء کے موسم بہار میں) لارڈ ڈفرن سے راولپنڈی میں ملاقات کی۔ جہاں ایسے اہم امور طے ہوئے۔ کہ جنہوں نے گویا امیر کی نسبت امیر صاحب کی وفاداری کو شہرت کر دی۔ اور برٹش قوم کے ساتھ انکے دوامی تعلقات قایم کیئے۔ ایک دربار میں جسمیں کہ علاوہ کئی اعلے دربار داران سلطنت اور معتدد اصحاب کے حضور وائسرائے لارڈ ڈفرن۔ ڈیوک آف کناٹ کئی والیان ریاست دو کمانڈر انچیف اور دو لفٹنٹ گورنر شامل تہے۔ امیر صاحب نے طلائی نیام سے وہ تلوار نکالی جو وائسرائے نے انکے پیش کی تہی۔ اور بہت اثر فصاحت سی بیان کیا کہ میں اس تلوار سے برٹش گورنمنٹ کے دشمنوں کو تہ تیغ کرونگا۔ ہماری افواج کے عظیم الشان نظارے سے وہ بہت متعجب اور موثر ہوئے تہے کہ جسکی گشت اور قواعد کو وہ سپاہیانہ نگاہ سے نہایت دلچسپی کے ساتہہ دیکھا کیئے۔ اور کابل کو لوٹنے کے وقت پشاور کے ایک پادری نے پروٹسٹنٹ انجیل انکے پیش کی جنکو انہوں نے باوجود اپنے الٹی مذہبی جوش کے بڑی عنایت سی قبول کیا۔

[افغانستان افغانوں کے واسطے]

امیر صاحب بلحاظ تجارت اور اپنے ملک کے بیچ سے رستہ دینے کے لحاظ سے ناقابل
صلح ضدی ہیں۔ اور بڑے درجے کے شکی ہیں۔ کیونکہ اس وقت تک کوئی تجارتی حلقہ
یا سنڈیکیٹ انکو اس بارہ میں متحرک کرنیکے قابل نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ بخوبی دیکھ سکتے
ہیں کہ بیرونی تجارت کے مفاد کے واسطے افغانستان کا کھولنا آخیر میں ملک کو مالامال
اور انکے اپنے مالیہ کو ترقی دیدیگا۔ اس قسم کی غیرت اور دوسروں کی نیتوں کا مشتبہ
ہونے سے وہ قریباً ایسی ہی خودغرضی سے اپنے ملک کو ممالک غیر کی تجارت سے
مسدود رکھتے ہیں۔ جیسے کہ تبت والوں میں پائی جاتی ہے۔ صرف وہ خاص رتبہ
اور عظمت کے لوگوں کو محفوظ رستہ کا حق دیتے ہیں۔ تاہم نسبتاً افغانستان کے
سفر کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ابھی بہت عرصہ نہیں گذرا کہ اس مضمون کا راقم
خود اس ملک کے ایک ایسی بازار میں تھا جو کئی سال پہلے بدرجہ غایت غیر مہذب تھا۔
اور اب لوگ اس وقت وہاں نہایت ہی خلیق اور ممنون کرنے والے تھے۔

(ایک فصیح البیان اور ایک طالب العلم)

امیر صاحب کی عام تقریریں سننے میں اعلےٰ درجہ کی دلچسپی پائی جاتی ہے۔ یہہ
فی الواقعہ فصاحت۔ لفاظی۔ خودستائی۔ علم منطق۔ مبالغہ اور ظاہرداری اور
تصنع کے مجموعہ کا عجیب مرکب ہوتی ہیں۔ اور انکے درباری اور دیگر سامعین پیکر ہیولیٰ
کیطرح انکے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ اور وہ انکے عارضی طور پر برق زدہ طبیعتوں
پر اپنی عقلمندی کے شعبدے دکھاتے ہیں اور انکو اپنے تین چار گھنٹہ کے آتش بیان
مگر بخوبی قابو میں آئی ہوئی گفتگو کے بعد رعب اور تعجب زدہ حالتمیں منتشر کرتے ہیں۔
ذکی اور فہیم ہونیکے علاوہ امیر صاحب بہت عالم و فاضل ظاہر ہوتے ہیں جنکا
حافظہ نوع انسانی سے بالاتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ مفید اور قابل قدر باتوں کے طومار کا حوالہ دیسکتے ہیں اور جو کچھ
انہوں نے پڑھا یا سنا ہو بیسیوں احادیث جمع کر سکتے ہیں جنکے واسطے دانیال نبی کو فخر کرنا پڑے۔ مثلاً

گذشتہ سپیچ میں اُنہوں نے تاریخ فرانس سے ایک ایسے امر کا حوالہ دیا تہا۔ کہ جسکو واقعہ ہوئے ۳۰۰ سال گذرے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے جنگ روم اور یونان کے واقعات کو نہایت احتیاط سے معلوم کیا ہے ؏

[سکندر اعظم کا وارث]

اِنکے ساتہہ گفتگو کرنے میں بہت دلچسپی پائی جاتی ہے بشرطیکہ گفتگو کرنے والا فارسی یا پشتو زبان سے واقف ہو۔ وہ انگریزی نہیں بولتے اور ترجمان کی وساطت سے اِنکے ساتہہ گفتگو کرنا کما حقہٗ لطف نہیں دیتا۔ وہ اپنے آپکو سکندر اعظم کے ساتہہ ملانیوالا سلسلہ خیال کرتے ہیں اور اِنکی دانست میں باقی سلسلے جو اُس نامور بادشاہ کے ساتہہ ملتے ہیں۔ زنگ آلودہ اور بڑے گلے تہے ؏

امیر صاحب کی عادات بالکل باقاعدہ ہیں اور مشرقی بادشاہوں کی بڑی تعداد کیطرح نہ وہ پرخوار اور نہ کثرت سے شراب پینے والے ہیں۔ اور افیون کی عادت سے بھی اُنکو سخت نفرت ہی۔ اسکا استعمال بھی صرف اُس وقت کرتے ہیں جبکہ اُنکا پرانا عارضہ نقرس اِنکو سخت تکلیف دیتا ہے۔

[بعض امور جنمیں رگڑا اور شبہہ پیدا ہوتا ہے]

برٹش گورنمنٹ کے ساتہہ برتاؤ کرنے کے بعض پہلوؤں میں امیر صاحب نے صرف تخالف ہی ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ اپنے فائدہ پر اندھا دہند تلے رہے۔ خود مختار وزیرستان میں اِنکی مداخلت باجوڑ میں اسی قسم کے کام پر ناجائز قبضہ۔ مہندیوں اور دوسری اقوام پر فضیلت حاصل کرنیکے لیئے جدوجہد اور برٹش گورنمنٹ کے ساتہہ بالکل صاف باہمی قراردادوں کی خلاف ورزی نے وقتاً فوقتاً بہت تکلیف دی ہے اور اقرار کرنیکے بعد افغانستان اور وزیرستان کی سرحد کے فیصلہ کے واسطے کمشنر بہیجنے سے انکار کرنے سے اُنکو فخر کا تمغہ حاصل ہوا۔ اِسکے بعد وزیریوں کے باغی ہونے نے مزاحمتیں کیں

کسی طرح اسمیں انگیخت کرنیکا بہاری شبہہ پیدا کیا۔ اور بالخصوص اس امر سے کہ امیر صاحب کے گزشتہ خطاب ضیاء الملت والدین اختیار کرنے پر ملا پاوندہ کے حوالہ پر حملہ کرنے اور وہاں قزاقی کرنے میں بہاری سرغنہ تہا کابل میں تپاک کے ساتھ آو بھگت ہوئی اور امیر صاحب بڑے شفقت اور خلوص سے اس سے پیش آئے۔ یہہ بہی یاد رہے کہ اس وقت تک امیر صاحب اسکی جانی دشمن تھے۔ اور انہوں نے اسکا سر لانے والے کے واسطے ۱ ہزار روپیہ کا وعدہ کیا تہا۔ بلا شبہہ کل سرحد پر بالخصوص اسکے اس حصہ پر جو کرم اور قندھار کے مابین واقعہ ہے امیر صاحب کا عجیب نا قابل تصریح انداز رہا ہے جس سے انکی وفاداری ہندوستان اور انگلستان میں قدرتی طور پر مشتبہہ ہوی ہے۔

[شاہزادہ کی سفارت]

اور ایک نظیر جس سے کہ دوستانہ خلق کے سوا کچھہ اور مترشح ہوتا ہے۔ وہ شاہزادہ نصر اللہ خاں کا متکبرانہ اور اجڈ برتاؤ تہا۔ جو ۱۸۹۵ء میں اسکا انگلستان میں آئی۔ کوئی شخص چشم نیم وا سے بہی معلوم کر سکتا تہا کہ یہہ نوجوان جسکا بیباکانہ انداز اسقدر نمودار تہا کہ یہہ بے شائبہ اسکی جبلی عادت کا شمہ بھی نہیں تہا۔ ٹہیک ان ہدایات کے مطابق کارروائی کر رہا تہا جو اسکو اپنے والد بزرگ سے ملی تہیں۔ ایسے دہقانی کو ہماری کوئین امپرس کی نیاز کے واسطے۔ اور شاہی اور دیگر مجلا اور مہذب سوسائٹی کے ساتہہ شانہ رگڑنے کے واسطے بہیجنا فی نفسہ اعلیٰ درجہ کے مہذب انگلستان کا مزیل حیثیت عرفی ہے۔ لیکن امیر صاحب کا جیسا کہ ظاہر ہے اپنے بیٹے کو بردانگی سے پہلے ایسے غیر مہذب اخلاق کی تلقین دینا سراسر برٹش قوم کی ہجرمتی کرنا ہے۔ امیر صاحب اس بات کی کسطرح توقع کر سکتے تہے کہ اس طرح کا انداز انکے شاہزادہ کی نازک سفارت میں سینٹ جیمس کے دربار میں افغان سفیر کرنے کی نسبت

ہر ہیجتی کی منظوری حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ اُنکا خیال چلین خلافت انکی
کی روانگی سے لیکر واپسی تک اور اس عرصہ میں جبکہ وہ یورپ میں تھا کم از کم چین
کے چند عشروں تک یاد رہیگا۔ بعض جگہ یہہ سوال اُٹھایا گیا ہے کہ وہ کیوں قسطنطنیہ
نہیں گیا۔ اسکا جواب یہہ ہے کہ سلطان المعظم نے جو اپنے منہ میں زبان کے ساتھہ
امیر صاحب کو مسلمانوں کی لیڈری لینا۔ اور شوکت کے مدارج کا دعوے کرنا چاہتے
ہیں۔ اُس سے کہ جسکو "پرنس لغب" کہتے ہیں ق ہونا گوارا نہ کیا۔

آذیت کی نشانیا

امیر صاحب کے سزا دینے کے طریقے مختلف حکمت کے ہیں۔ کابل لنڈن سے اسقدر دور ہے
کہ ہم سب کا حال نہیں سُن سکتے۔ لیکن راقم کو یاد نہیں کہ آیا چہہ سال گذرے ہیں کہ
ایک سیاح نے یا کہ سول و ملٹری گزٹ کے پشاوری ایجنٹ نے اسبارہ میں امیر صاحب
کی ذاتی ایجاد کی تین مثالیں بتائی تہیں۔ ایک بوڑہے آدمی کی ڈاڑہی کے
بال امیر صاحب کی سکہہ شاہی کے خلاف عمل کرنیکے واسطے سر دربار نچوائی گئی تہی
اور ایک دوسرے کو جو نان بائی تہا اسکے اپنے تنور میں جلانیکا حکم دیا تہا۔ اور ایک
تیسرا جسنے اپنے دوستوں سے کہا تہا یا بتایا تہا کہ روسی کابل کیطرف پیشقدمی کر رہے ہیں
ایک بلند کہمبے پر کہ جسکے اوپر ستون باندہا ہوا تہا بٹہایا گیا۔ اور اسکو حکم دیا گیا کہ
اونگنے اور تہمنے کے بغیر "روسی آرہے ہیں!" "روسی آرہے ہیں!" زور سے چلاتا
رہے۔ اور جب ذرہ بہی ایسا کرنے میں غافل ہو نیچے سے سنتری اُسکو اپنی بندوق
کے سنگین کی نوک سے یاد دلائے۔

اب اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ سرحدی فرقوں کے ملک برٹش گورنمنٹ
کے مقابلہ پر علم بغاوت کہڑا کرنے میں امیر صاحب کے شامل ہونیکا شک کرنا سراسر
غلطی تہی۔ اب معلوم ہو گیا ہے کہ نہ تو اُنہوں نے اِن گمراہ فرقوں کو ہمسر آیندم

آنے میں مدد دی - اور نہ انکو حوصلہ دیا - اور انکا ٹھیک طور پر اور وقا کیے ساتھ
اس امر سے صفائی کرنا جب انکے مابعد برتاؤ اور کارروائیوں میں دیکھا جاتا ہے تو اسکی
اصلیت میں کوئی شبہہ نہیں رہتا - اور اس سے شکی سے شکی مزاج والے کا بھی اطمینان
ہوجاتا ہے - اگرچہ امیر صاحب کی رعایا کے بعض متمرد لوگوں کے افعال سے معنوی طور پر
یہہ ثابت ہوتا تہا کہ وہ مذہبی شورش کے معاونوں یا پسند کرنے والوں میں سے تہے
تو بہم انکے گذشتہ معرکوں کے عجیب حالات سے اسکا ذمہ دار قرار نہیں دیسکتے تاہم
اس امر کا علم کہ انگلستان اس قسم کی کسی بیوفائی کے واسطے اُنہیں منتخب کرنے کو
تیار ہے - انکے لیئے آیندہ عمدہ سبق ہوسکتا ہے چنانچہ الہ آباد کے اخبار "پاؤنیر"
مطبوعہ ۸ - اکتوبر کا انتخاب اس بارہ میں عمدہ درس دیتا ہے

"برٹش ایجنٹ مقیم کابل کیطرف سے مزید خط و کتابت ظاہر کرتی ہے کہ امیر صاحب
فرقوں کی کارروائی کو جو اُنہوں نے برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر معاندانہ برتاؤ کرکے
ملیں اختیار کی ہو مذموم قرار دینے میں استقلال سے تلے ہوئے ہیں - انکے اُن احکام کے
بعد جو گورنر جلال آباد کو ان تمام فرقوں کے ڈیپوٹیشنوں کو واپس کرنے کی نسبت
دیئے گئے تھے جو مدد ملنے کی امید سے کابل آنا چاہیں - انکے ایک اور اعلان سے انکی رعایا
کو جنگی کارروائیوں میں کوئی حصہ لینے کی ممانعت کیگئی تہی - اور انکے اہلکاروں کو ہدایت
ہوئی تہی کہ فرقوں کا مجمع کہ مضطرب قبیلہ میں جانے والا ہو اسکو منتشر کردیں - ثابت
کرتا ہے کہ ابتک امیر صاحب اپنی پولیسی پر ثابت قدم ہیں - اور انکی طرف سے پہلو بدلنا
قرین قیاس نہیں ہے × × × خبر آئی ہے کہ ہز ہائینس آفریدیوں پر خصوصیت سے
سخت ناراض ہیں - کیونکہ درہ خیبر کے بند کرنے سے اُنہوں نے تجارتی کارروائیوں
کو ہی نہیں روکدیا - بلکہ اُن اسلحہ اور ذخائر کا راستہ بھی مسدود کردیا ہے - جو یورپ
سے لاکر پشاور میں رکھے گئے ہیں - یہہ ریلوے سٹیشن پر پڑے ہیں - جہاں درہ خیبر کے

کھلنے تک پڑے رہیں گے۔

امیر صاحب آفریدیوں کی انکی احمقانہ، پرتمرد اور شرارت آمیز حرکت پر انکو سخت لعن طعن کر رہے ہیں۔ اور علانیہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے اس برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر علم بغاوت بلند کیا ہے جو ہمیشہ انکے ساتھ بہت عمدہ سلوک کرتی رہی ہے۔ انہوں نے جہاد کے معاملہ میں ان فرقوں کے دعاوی نہایت زور سے رد کیا ہے اور انکو صاف الفاظ میں کہا ہے کہ انکو بموجب قرآن مجید جہاد کرنیکا اختیار نہیں ہے چنانچہ وہ اپنے لوگوں کے نام اعلان میں برملا کہتے ہیں کہ "ان فسادوں کو کیوں تم جہاد یا غزا کہتے ہو؟ × × × جہاد کی پہلی شرط یہہ ہے کہ بادشاہ اسلام (یعنے وہ خود) انکے ساتھ ملکر کارروائی کرے۔ یہہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ "بادشاہ کا تو انگریزوں کے ساتھ اتحاد اور موافقت ہو اور پھر بھی تم جہاد جہاد پکارو"۔ اسکے بعد وہ لکھتے ہیں کہ فرقے آپسمیں گفتگو کرتے ہوئے اس تمام شورش کی وجہ چترال اور سوات میں برٹش قبضہ بتاتے ہیں۔ اسکے آگے امیر صاحب کہتے ہیں کہ "میں تمکو بتاتا ہوں کہ چترال پر قبضہ کرنے سے برٹش کا مدعا لوگوں سے کوئی ٹکس وصول کرنیکا نہیں ہے"۔ اور پھر باغی فرقوں کو لکھتے ہیں کہ "مجھے تمہارے معاملات سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اور نہ تمہاری ذات سے کوئی تعلق ہے کیونکہ مجھے تمپر مطلق اعتبار نہیں ہے۔ تم کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں امیر شیر علی* کیطرح ایسا احمق ہونگا کہ دوسروں کو تمہاری خاطر ناراض کرونگا تمہارا اصل مدعا یہہ ہے کہ میں انگریزوں کے ساتھ بھڑ پڑوں۔ اور اگر میں ایسی حماقت کر بیٹھوں تو میں یقین کرتا ہوں کہ تم ہمارے ہی میں آگ لگاکر الگ ہوجانیپر عمل کرکے دور سے تماشا دیکھو۔

* امیر جسکے ساتھ [illegible]ء میں جنگ ہوا تھا۔

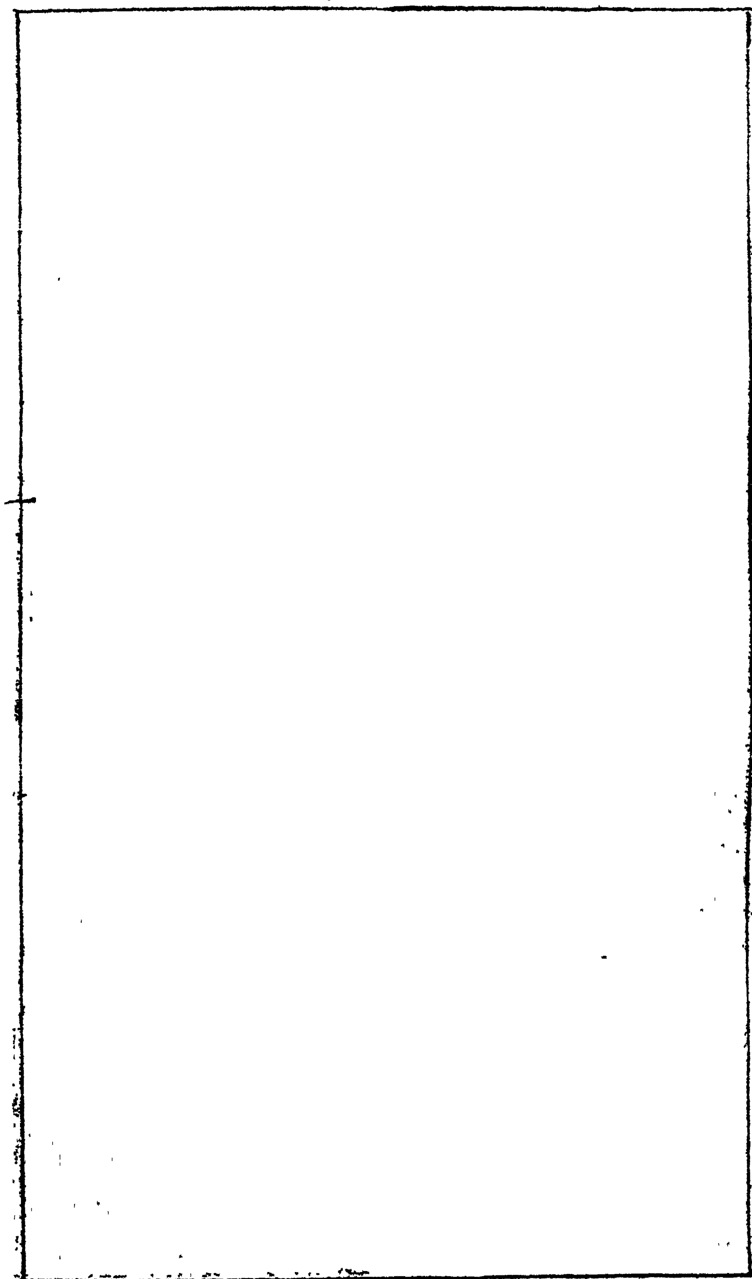
انکے اعمال اسقدر بھاری ہیں کہ انکا اس مختصر مضمون میں ذکر کرنیکی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن بعض بعض خبیثانہ کارروائی کا تذکرہ ہے۔ اسقدر لکھنا ضروری ہے کہ انمیں سے ایک خط جو ہمارے خیال کو مزعوم ظاہر کرتا ہے۔ وہ ۱۳ اگست کا ہے یعنی اس سے ۴ روز پہلے کا جبکہ انکے پاس گورنمنٹ ہند کیطرف سے انکے اور انکی افواج اور انکے کمانڈر انچیف کے بغاوت میں شریک ہونیکی نسبت چٹھی پہنچی۔ انکے اعلانوں میں ایک امر قابل توجہ ہے۔ اور وہ یہہ ہے کہ پاگل ملا کے تمام علم سے وہ اغماض کرتے ہیں۔ فرقوں کی گذشتہ حالت کا مفصل تذکرہ کرنے اور یہ دکہانیکے بعد کہ انہوں نے کسطرح برٹش گورنمنٹ کی اطاعت قبول کی۔ اور الوئنس قبول کرکے اقرارنامے لکھدیئے۔ امیر صاحب لکھتے ہیں کہ اب انہوں نے کسی وجہ کے بغیر اس فقیر کے کہنے پر جسکی ولایت کا حال بادشاہ اسلام کو بھی معلوم نہیں ہے۔ فساد و بغاوت پھیلا رکھی ہے۔ اس پاگل ملا کا یہہ حال ہے جسکی نسبت ہند اور انگلستان میں امیر صاحب سے ہر طرح سے پشتی اور یاری حاصل کرنیکا یقین تھا۔ ہز ہائینس نے ملاؤں کی حالت اور انکے آوردوں کی بے عدیل واقفیت سے خیال کیا ہوگا کہ برٹش سرحدی افسر بہت ہی کم مآل اندیش ہیں کہ انہوں نے ایسی لاپرواہی سے اس فساد کو ابتدا ہی میں ہی کیوں نہ روکا۔ بہت چھوٹی چنگاری اگر یہہ پاؤں سے نہ بجہائی جائے تو بڑے بڑے شہروں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ یہی صورت اس موقعہ پر تھی۔ اگر ابتدا میں ہی پاگل ملا کو (جو ایسا سودائی نہیں تھا جیسا کہ کہنے والوں نے اسپر دھبہ لگایا۔) قابو کرنے کی کوشش کیجاتی تو آتش فتنہ اسقدر بالاتر نہ ہوتی۔

[خلاصہ]

امیر صاحب کے چال چلن کا اختصار کے ساتھ اس امر کی نسبت رائے قائم کرنا مشکل ہے کہ آیا اسکی کثیر التعداد اور بڑی قابلیتیں انکی عجیب اور جبلی اندرونی

سقموں سے بڑھکر ہیں۔ لیکن ہم بلا خلش خیال کرسکتے ہیں۔ کہ نیچے نیچرا درخواص اِن قابلیتوں کے ایسے متضاد ہیں کہ بعض انگریز جنکو وہ عمدہ سمجھتے ہیں۔ غالباً وہ خود ذنکو مُبرا خیال کرتے ہیں۔ اور اِنمیں سے بہت جو ظاہری سقم ہیں اور ترقی دینے سے زیادہ تر متمرد ہونیوالی ہیں اِنکے زعم میں اِنکے چال چلن کا سنگار ہیں۔ تاہم جب کبھی اُنکو کسی انگریز سے ملاقات کرنیکا اتفاق ہوتا ہے۔ با وجود اپنی غیر معمولی اور تحکمانہ عیتوں کے براستہ باشندہ ایتھنز کیطرح مانوس اور خلیق ہوجاتے ہیں۔ راقم ذاتی طور پر اسکا ذمہ کرسکتا ہے کہ علاوہ اِسکے ہز ہائینس اُن سب سے بڑھکر مشرقی مہمان نواز صاحبوں میں سے ہیں کہ جن سے اُسکو ملنے کا فخر حاصل ہوا۔ اور جسکو وہ ایکدفعہ اپنا مہمان کہیں اُس سے بڑھکر کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔ لیکن افغان پھر بھی افغان ہیں کہ جنکی مزاج کے ذاتی خاصوں کو بدلنے کے واسطے صدیاں درکار ہیں۔ امیر صاحب کا ایک سب سے اعلےٰ وصف نظر انداز نہیں ہونا چاہیئے۔ یعنی کہ وہ اعلےٰ درجہ کے محب وطن ہیں اور اُنہوں نے جو کچھہ کیا ہے خواہ وہ ہماری نظروں میں کیسا بُرا معلوم ہوا ہو لیکن تہہ سے اُنکو ہمیشہ اپنے ملک اور رعایا کی بہبودی مرکوز خاطر رہی ہے۔

بحیثیت مجموعی اِسمیں انگلستان کا سراسر فائدہ ہے کہ مدت تک اِس سے جدا نہوں اور ہم اِس آرٹیکل کو اِس دعا پر ختم کرتے ہیں۔ اُنکی عمر دراز اور اقبال زیادہ ہو۔ جسمیں ہز ہائینس امیر عبد الرحمٰن خاں کے سی۔ ایس۔ آئی کی اصلی سعادت نجابت اور تزاید حشمت ہو۔



ضمیمہ دوم

ہندوستان پر روس کا حملہ

[رسالہ نائینٹینتھ سنچری سے ترجمہ کیا گیا]

مندرجہ ذیل آرٹیکل ایک روسی افسر نے اپنی گورنمنٹ کی آگاہی کے واسطے تحریر کیا ہے۔ اسکے لکھنے سے راقم کی یہہ غرض ہے کہ وہ عظیم الشان جنگی مسئلہ جو ایک روز انگلستان اور روس کو حل کرنا پڑیگا۔ اسمیں گورنمنٹ روس کو زیادہ آزادی سے کارروائی کرنیکا موقعہ ملے۔

جو معلومات سینٹ پیٹرزبرگ کے وزیر جنگ کو حاصل ہیں افسر مذکور انسے باخبر معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ بریں اسنے کئی انگریزی سیاحوں کے سفرنامے اور کتابیں بھی مطالعہ کی ہیں جو اس مضمون پر لکھی گئی ہیں۔ (اڈیٹر انیسویں صدی)

مینے بڑی تیزی سے اس مضمون پر قلم اوٹھایا ہے کیونکہ اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ بہ نسبت سپہ سالار اعظم سکوبیلاف کے یہ کام میرے لئے ہزاروں گنا آسان ہے جب میں اس بارہ میں شہنشاہ پال و شہنشاہ نپولین کی معلومات پر نظر ڈالتا ہوں تو انکے مقابلہ میں اپنی واقفیت کا میدان نہایت وسیع و عریض دکھائی دیتا ہے ہندوستان پر حملہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو ساحل بحیرہ کاسپین سے لشکرکشی کیجائے۔ لیکن اپنی موجودہ ایشیائی سرحد سے ہندوستان پر چڑھائی کرنا پہلے سے بالکل مختلف اور نہایت ہی سہل صورت ہے۔ علاوہ اسکے اس وقت جنرل کافمین

لھرولیفس۔ کور ٹیکن اور سکوبیلاف کے خیالات اور تجاویز میرے دماغ میں گونج رہی ہیں۔ بہت سی دیگر کتابیں جو فوجی افسروں یا پرائیویٹ اشخاص نے لکھی ہیں میری بھی نظر سے گذری ہیں۔ بالخصوص مسٹر جارج کرزن کی جدید تصنیفات سے مجھے بہت بڑی مدد ملی ہے۔

یہہ عظیم الشان جنگ شاید کہ سب سے عظیم ہوگا جو دنیا کی قسمت میں لکھا ہے۔ ایم لی بیٹ کورٹ کی رائے میں دنیا کی تاریخ پر اس سے ایسا اثر پڑیگا کہ جسکا قبل از وقت معلوم کرنا ناممکن ہے۔ اور توقع کیجاتی ہے کہ یہہ خصوصیت کے ساتھ ایسی پولیٹیکل پیچیدگی سے پر ہوگا کہ جو ایک حد تک اس مسئلہ کے صاف فوجی معنوں کو غبار آلود کر دیگا۔ اگر ہم انکی طرف دیکھیں اور تھوڑی دیر کے لیئے کسی یورپین پیچیدگی یا اتحاد کا ذکر نظر انداز کر کے صرف اس مسئلہ کے ایشیائی پہلو پر بحث کریں۔ تو روس کے لیئے مقدم اور نہایت ضروری پولیٹیکل مقصد ایران کی سلطنت ہے۔ کیونکہ شاہ کا ملک روسی فوج کی آمد و رفت کے تمام رستہ میں پہلو میں واقع ہے۔ فوجی طاقت کے لحاظ سے اگرچہ ایران کیطرف سے چنداں اندیشہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن ساتھہ ہی ہمکو یہہ امر فراموش نہیں کرنا چاہئیے کہ بہت سا اعلے درجہ کا سامان حرب یعنی لڑنے کے قابل آدمی ایران بالخصوص صوبہ خراسان میں موجود ہے۔ اگر عمدہ اسلحہ کے ساتھہ انگریزی افسر بھی انکو ملگئے۔ تو پھر ایران روس کا ایک نہایت خوفناک دشمن ثابت ہوگا مگر بہت سے لوگوں کی یہہ رائے ہے کہ شاہ ایران روس کی ناراضی کے خیال سے علانیہ روس کے دشمنوں کے ساتھ شامل نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ اس امر کو گوارا نہیں کریگا کہ انگریز اسکی بے رورعایت پالیسی کو توڑنے کا خیال تک بھی دلمیں لاویں۔ اسلیئے وہ در پردہ بھی انگریزوں سے سازش نہیں کرسکتا ہے شاید یہ معاملات کی ایسی ہی صورت ہو جیسا کہ اہل الرائے تصور کرتے ہیں۔ تاہم ایران کی مخالفت کا خیال

دل سے محو کرنا شایان دانشمندی نہیں ہے۔ بطور ایک دوست کی ایران ہمارے لیئے ایک نہایت گرانقدر بیچ میں حائل سلطنت ہوگا۔ اور ہمارے صرف ایک طرف سے ننگے دستہ کا بلحاظ جغرافیہ کسی قسم کی سعی سے محافظ ثابت ہوگا۔ ایران کے بعد افغانستان کی پولیٹکل رویہ پر غور کرنا ہمارے لیئے نہایت ضروری ہے۔ ایک ایسے ملک میں لڑائی کے واقع ہونے سے کہ جہانکی وہاتیں ہمارے مخالف ہی نہوں بلکہ ہمارے خون کی پیاسی ہوں جو مشکلات اور پیچیدگیاں پیش آسکتے ہیں وہ مخفی نہیں ہیں۔ اور انپر غالب آنا مشکل ہے۔ برٹش گورنمنٹ اور افغانستان میں باہمی رابطہ و اتحاد قائم رکھنے کے متعلق جو عہد و پیمان ہوئے ہیں اگرچہ میں انکی مضبوطی کا قائل نہیں ہوں لیکن پھر بھی میں مناسب سمجھتا ہوں کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے اگر ممکن ہو تو اس ظاہری دوستی کا خاتمہ کیا جائے۔ بہرکیف پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ کہ افغانستان کے زرم شناس دغا باز لوگوں کی دوستی کا رُخ جنگ سے پہلے بدل دیا جائے۔ بعض لوگ اگرچہ ایک مکار دوست کے مقابلہ میں ایک علانیہ دشمن کو بہتر سمجھتے ہیں۔ جہانتک یہ مسئلہ افغانوں کو فوجی ملازمت دینے کے متعلق ہے۔ میں بھی اندیشہ کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ اور انسے اتفاق رائے ظاہر کرتا ہوں لیکن سامان رسد فراہم کرنیکے معاملہ میں کسی ملک کے فرمانرواؤ رعایا کا برائے نام بھی ہماری دوستی کا دم بھرنا فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

افغانستان سے آگے بڑھکر جن لوگوں سے ہمیں سابقہ پڑیگا۔ اُنکو انگریز سرحدی اقوام کہتے ہیں۔ یہہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں پہاڑی اضلاع میں ہندوستان اور افغانستان کے مابین واقع ہیں۔ اگر ہم افغانی سرحد کو عبور کرکے اُن پہاڑی اقوام کے علاقہ تک پہنچگئے۔ تو یہہ ریاستیں ہمارے لیئے ایک اہم مسئلہ پیدا کرینگی۔ گو ان جنگجو لوگوں میں کسی قسم کا فوجی انتظام نہیں پایا جاتا۔ اور اسلحہ بھی یہہ درست نہیں رکھتے۔ لیکن پھر بھی وہ بہت سے جنگی اوصاف سے متصف ہیں۔ اور جابجا

چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنے کے فن میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ اگر ہم ان اقوام کو دوست بنالیں تو نہ صرف ہماری راہ سے ایک سنگ گراں دور ہو جائیگا (کیونکہ ہندوستان کا ہر ایک درہ انہیں قزاقوں کے ہاتھ میں ہے) بلکہ ہم ان شورہ پشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت کو اپنے دشمنوں پر کھلی چھوڑ دینے کے قابل ہونگے۔

انگلستان کے واسطے اپنی رائے میں سب سے ضروری پولٹیکل امر افغانستان کا دوست بنائے رکھنا ہے کیونکہ اسی مسئلہ سے ایک دوسرا ایسا ہی اہم معاملہ وابستہ ہے اور وہ ہندوستان کے والیان ریاست اور رعایا کی ہمدردی کا رخ ہے۔ انگلستان نے جو افغانستان کے ساتھ ایجنیو اور ڈیفنسو معاہدہ کیا ہوا ہے اس سے صرف یہی فائدہ اسکو حاصل نہیں ہے کہ روس افغانستان سے دوستی کا عہد و پیمان کرسکے۔ بلکہ اسکے علاوہ انگریزوں کو نہایت عمدہ بہانہ ہاتھ آیا ہوا ہے کہ امیر صاحب کی سلطنت کو محفوظ رکھنے کے بہانہ سے وہ میدان جنگ کو ہندوستان کی سرحد سے دور رکھ سکتے ہیں۔ میں بہانہ کا لفظ اس واسطے استعمال کرتا ہوں کہ روس اس وقت ایسی دسترس رکھتا ہے کہ یہ بات بالکل انگلستان کی طاقت سے خارج ہے کہ براہ راست یا غالباً بالواسطہ افغانستان کے نصف ملک کو محفوظ اور وہاں کی حکومت کو قائم رکھ سکے۔ میدان جنگ کو افغانوں کی سرزمین پر بدل دینے سے اہل ہندوستان نہ صرف اپنی سرزمین میں جنگ کے خطرات سے ہی محفوظ رہیں گے۔ بلکہ چپ چاپ ایک بہت بڑی مقدار خوفناک آتش گیر مادہ کی جس سے کہ مراد دیسی ریاستوں کی باقاعدہ فوجوں سے ہے کافی دور فاصلہ پر بھیج سکیں گے۔

ایران اور ایرانی مسئلہ انگلستان کے واسطے اسقدر جلدی غور طلب نہیں ہے جسقدر کہ روس کیلئے ہے گو یہ ممکن ہے کہ آئندہ کے عظیم الشان اور طویل معرکہ جنگ کی قسمت میں سرزمین ایران پر طے ہونا ہی لکھا ہو۔ اور مشہد

کی لڑائی دنیا کی ایک مشہور فیصلہ کن جنگ ثابت ہو۔

انگریزوں کے لیئے ایک اور پیچیدہ معاملہ سرحدی اقوام کی مشتبہ دوستی کا ہے جو سلطنت ہند یا افغانستان کی مطیع تصور کیجاتی ہیں۔ شمال میں چترال سے لیکر سوات اور بنیر سے گذر کر آفریدیوں اور وزیریوں کے ساکن کی نسبت کچھ کہتا ایک مشہور قصہ کا بار بار دوہرانا ہے۔ یہہ فسانہ بدعہدی۔ بیرحمی۔ دغابازی وحشیانہ مذہبی تعصب اور علانیہ مخالفت کی حالات سے لبریز ہے۔ انمیں سے کسی ایک قوم کی دوستی پر ایک روز کے لیئے بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

مینے قصداً ایک اہم مسئلہ آخر میں ذکر کرنے کے لیئے چھوڑ دیا تہا جو انگریزی فوج کی وفاداری کے متعلق ہے۔ ہندوستان کی محافظ فوج میں دو تہائی ایسے سپاہی شریک ہیں۔ میں اس مسئلہ کی اچھی طرح چھان بین کرنیکے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ سکھوں اور گورکہیوں کے سوائے دیگر ہندوستانی قومیں ایسی ہوشیاری سے مختلف رجمنٹوں میں بہرتی لیگئی ہیں کہ وہ کسی طرح خود بخود انگریزی تاج سے بغاوت نہیں کر سکتیں۔ میں سکھوں کو اور سب سے زیادہ گورکہیوں کی وفاداری کو شک و شبہہ سے پاک و صاف سمجھتا ہوں۔ لیکن پٹھان اور پنجابی مسلمان برٹش گورنمنٹ کی نمکحلالی میں چنداں ثابت قدم نہیں ہیں۔ قدرتاً انکی طبیعتیں فلیتیوں کیطرح واقع ہوئی ہیں۔ اور انکے سینوں میں آگ بہری ہوئی ہے۔ چونکہ یہہ زر آشنا ہیں۔ اسلیئے انکو شکست دینا چنداں مشکل نہیں ہے۔ غرضکہ خود غرضی کا نہایت سخت نقص ہے۔ اصل بات یہہ ہے کہ انگریزوں کی قسمت میں فتحمندی لکھی ہے تو ہندوستان کے ہر باشندہ سے انہیں مدد پہنچ سکتی ہے۔ مگر شکست کی صورت میں انگریزی آبادی کا وہ حصہ جو انگریزوں کی قسمت کے ستارہ کے کبہی نہ ڈوبنے کا قائل نہیں ہے۔ اپنے نئے آقاؤں اور فاتح قوم سے رابطہ و اتحاد قایم کرنے میں مستعجل ہوگا۔ جو

بڑی ہی شان و شوکت سے دور دراز شمالی ملک سے آ رہے ہونگے۔

یورپ کے مورخ کی نسبت بحث کرنے سے میں پرہیز کرتا ہوں کچھہ تو انگریزی خیالات کی بنا پر میدان کارزار کے موقعہ کے بدلجانے کے متعلق مجھے شبہہ ہے۔ اور کچھہ اس وجہ سے کہ انگلستان کے پولیٹیکل گروہوں کے مختلف بیانات کے باعث سے گورنمنٹ مذکور کے ارادوں کا کچھہ پتہ نہیں ملتا۔

اسکے بعد ہمکو ہندوستان کی دوسرحدوں کے مواقع کو دیکھنا چاہیئے نقشہ متعلقہ سے معلوم ہوگا کہ روس کی سرحد آج کہاں تک پہنچگئی ہے۔ گلگت کی قریب انگریزی اور روسی سرحدیں (۱۲۰) میل کا فاصلہ ہے۔ یہہ سرحد ہندوستان کے نہایت قریب ہے۔ دوسری سرحد کا فاصلہ کوئیٹہ تک (۵۵۰) میل ہے۔

بادی النظر میں اس نقشہ سے یہ معلوم ہوگا کہ اس وسیع سرحد کا ایک انجام انگریزی سرحد گلگت کے نہایت قریب ہے جسپر دفعتاً حملہ ہو سکتا ہے۔ اور دوسری سرحد دور دراز فاصلہ پر ہے۔ جو چنداں کارآمد نہیں۔ لیکن در اصل یہہ خیال درست نہیں ہے۔ سرحد گلگت چند سر بفلک پہاڑوں اور دنیا کی بلند ترین و دشوار گذار دروں سے محفوظ ہے۔ بخلاف اسکے دوسری سرحد یعنی ہرات سے کوئیٹہ تک ایک شخص گاڑی میں بیٹھکر تمام راہ طے کر سکتا ہے۔ بلکہ محاصرہ کا ایک بھاری توپخانہ بھی اس رستہ سے بھیجا جا سکتا ہے۔ ہندوستان دفعتہً حملہ کے صدمہ سے محفوظ ہے۔ کیونکہ اسکی طویل سرحد کافی طور سے مضبوط اور مستحکم ہے۔ روس اور انگلستان کی سرحد کے مابین افغانستان اور نیم خودمختار اقوام کی ریاستیں واقع ہیں۔ انگریز ان درمیانی ممالک کو بطور سد کے خیال کرتے ہیں جو سرحد ہند سے روسی فوج کے حملوں کو رد کر دینگے۔ فی الواقعہ اس ملک کو سرحدی ڈیفنس کا پشتہ خیال کیا گیا ہے جو مضبوطی کے لحاظ سے ایک قلعہ کے پشتے سے کچھہ کم نہیں ہے۔ عملی و شواریوں کے علاوہ

اسمیں قدرتی رکاوٹیں بھی موجود ہیں۔ روس کو امید ہے کہ وہ سدراہ قوموں کو یا تو اپنے ہراول میں تبدیل کر دیگا۔ یا کم سے کم اپنے ہمراہ لیکر آگے بڑھیگا۔ یہاں ہمیں ایک اور پیچیدگی کا حل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو یورپ کے ماہران جنگ کے خیالات سے کسیقدر مختلف ہے یعنی اگر روس اور جرمن میں جنگ شروع ہوجائے تو چونکہ دونوں کی سرحدیں باہم ملی ہوئی ہیں۔ اسلیئے میدان جنگ کا موقع اس سلطنت کے قلمرو میں پہنچے گا جسکی فوجی حس و حرکت کی سستی دشمن کو آغاز جنگ کا موقع دیگی۔ دوسرے الفاظ میں جنکی جنگی تیاریاں جلد درجہ تکمیل کو پہونچینگی وہی حملہ آور ہوگا۔ اب ایک اور پہلو سے دیکھیئے اگر روس اور فرانس میں لڑائی ہو تو چونکہ ان دونوں سلطنتوں کے مابین جرمنی اور آسٹریا کی سلطنتیں واقع ہیں اسلیئے روس یا فرانس کو حملہ آور ہونے کے لئے بحری رستہ اختیار کرنا پڑے گا جیساکہ فرانس نے کریمیا کی لڑائی میں کیا تھا۔

بادی النظر میں ایشیا کیحالت موخرالذکر (فرانس و روس کے مثال) سے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ روسی اور انگریزی سرحد کے مابین افغانستان اور دیگر چھوٹی چھوٹی ریاستیں واقع ہیں۔ لیکن یورپ و ایشیا میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ کسی سلطنت کا اثنائے جنگ میں ثالث یعنی فریقین جنگ سے بے رعورعایت اور بے لوث رہنا اس صورت میں ممکن ہی جبکہ وہ کافی طاقتور ہو۔ یا اسکے ملک کی طبعی صورت ایسی واقع ہوئی ہو کہ وہ ایک یا دو نو جنگ آزماؤں پر اثر ڈال سکے مثلاً اگر ایران ایک اعلے درجہ کی جنگی سلطنت ہوتی۔ تو جنگ ایشیا میں اسکا ایسا ہی اثر پڑتا جیساکہ ۱۸۵۴ء میں جنگ روس و روم میں آسٹریا کو وقعت حاصل تھی مگر ایران اور افغانستان کی سلطنتیں طاقتور نہیں ہیں۔ اسلیئے ہم انکو اصل معنوں میں ثالث سلطنتیں نہیں کہہ سکتے۔ روس اور انگریز جب چاہیں انکو فتح کرسکتے ہیں

بنا بریں افغانستان ایک درمیانی ملک ہونیکے بجائے سلطنت ایشیا کی فیصلہ کرنیوالی لڑائی کا میدان ہوگا۔ انگریز افغانستان کو اپنی سرحد کے آگے بمنزلہ سد کے خیال کرتے ہیں۔ لیکن میں اس امر میں انکے ساتھہ متفق نہیں ہوں۔ اگرچہ انگریز بظاہر دوستانہ اوضاع رکھنے کے واسطے بہت سا روپیہ افغانستان کو دیتے ہیں۔ مگر اہل افغانستان ہمیشہ انگریزوں سے نفرت کرتے رہتے ہیں۔ قبل اسکے کہ انگلستان باخبر ہو ہم افغانستان کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کرلینگے۔ انگریز اس وقت افغانوں سے اس حصہ ملک کے چھڑانے میں مدد دینے کا بہت سا وعدہ کرینگے۔ لیکن ہم اسکے مقابلہ میں صرف انکا فتح کیا ہوا ملک ہی انہیں پیش نہیں کرینگے بلکہ پشاور کے وادی اور مزید براں انکی پرانی سرحد تک کا ملک انہیں عطا کرنیکا وعدہ کرینگے۔ علاوہ بریں انکو ہندوستان کی قیمتی لوٹ میں شمولیت کا طمع بھی دلائینگے۔ ان بیقیاس قیمتی عطیات کا انپر کیا اثر ہوگا؟ بعض شاید کہیں گے کہ افغان انگریزوں کی گذشتہ عنایتوں کے صلہ میں انکے ساتھہ رہنا زیادہ پسند کرینگے۔ لیکن یہہ قیاس صحیح نہیں ہے دنیا میں بالعموم ایشیا میں بالخصوص کونسی ایسی قوم ہے جو اپنے فوائد کی پرواہ نہیں کرتی۔ اور پچھلے احسانات کی لیئے ہمیشہ گرویدہ رہی ہے۔

افغانستان کی سپاہ کے حالات کا یہاں قلمبند کرنا غیر موزون نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ فوج یا تو انگریزی سرحد کے حق میں بطور ایک مضبوط سد کے ثابت ہوگی یا خوشی سے لشکر روس کا ہراول بننا منظور کریگی۔

افغانستان کا دعوے ہے کہ اس وقت اسکے پاس ۳۰۸۰۰۰ باقاعدہ سوار اور پیدلوں کے علاوہ ۱۸۶ توپیں مختلف کیلیبر کی ہیں۔ یہہ سپاہ مارٹینی ہنری سنائڈر اور انفیلڈ رائفلوں سے مسلح ہے۔ انکے واسطے گولہ بارود اگرچہ کابل میں ہی بنتا ہے لیکن اسکا بہت سا ذخیرہ برٹش گورنمنٹ نے وقتاً فوقتاً کابل کو دیا ہے جو اسلحہ

انگریزوں نے تحفتاً امیر کو دیئے ہیں۔ یا خود امیر نے یورپ سے خریدے ہیں۔ انکی تفصیل یہہ ہے۔ یورپ کی ساخت کی بھاری بھاری توپیں ۶۰ - (۱۳۱۰ ۴۰) رائفلیں و ترابین جنمیں سے اکثر سنائڈر اور مارٹینی ہنری قسم کی ہیں۔ اور صرف چند ایک برٹولس ہیں۔ ایس یا ایچ گولی بارود کے (۲۰۰۰۰۰) دو کروڑ اور توپ کی گولہ بارود کی ۲۳۰۰۰ راونڈ ہیں۔

بیقاعدہ سپاہ کی تعداد ۲۳ ہزار ہے۔ یہہ آباؤ اجداد کے وقت کی پرانے فیشن کی لمبی نالی کی پتھر کلا اور دوسری بھدی بندوقوں۔ تلواروں اور بھاری چھروں سے مسلح ہیں۔ انمیں دس ہزار سوار ہیں۔ جو مختلف قسم کے گھوڑے اور ٹٹو رکھتے ہیں۔ اور ایک موثر گروہ غارت گروں کا نظر آتے ہیں۔

ایشیا کے دونوں جنگ آزما اس تاک میں ہیں کہ کوئی ایسا مقام قبضہ میں آجائے جو جنگی یا پولیٹکل پہلو سے معرکہ رزم کی کنجی ہو۔ لیکن ایسی حالت میں روس کو سپاہی افغانستان کی باقاعدہ یا بیقاعدہ سپاہ سے قطع نظر کرنا دانشمندی سے بعید ہوگا۔

سچ ہے اسمیں بہت کم شک ہے کہ روسی لشکر پہلے ہرات۔ بلخ اور فیض آباد کیطرف حرکت کریگا۔ اور اس رائے میں جنرل کولا پاٹکن میری تائید کرتا ہے ہمیں دیکھنا چاہئے روسی سپاہ کتنے دنوں میں اور کسقدر جمعیت سے اس کام کو انجام دینے کے قابل ہوسکیگی۔ بلاشبہہ ہرات اس لائن پر کیا پولیٹکل اور کیا جنگی اور کیا خیالی الحیثیت سے نہایت ضروری مقام ہے۔ اگرچہ یہہ تینوں فوجی کالم ایک ہی وقت میں روانہ ہونگے لیکن بہرکیف ہرات کے کالم کیطرف خاص توجہ مبذول ہوگی۔

روسیوں ۲۰۰ رائفل پلٹنیں ہیں۔ چار عاشق آباد میں اور سرخ اور بستہ آبادی میں دو رسالے اور (۲۰۰۰) سپاہ پیادہ سپاہ۔ عاشق آباد و مرو میں گول ستائیس روں کی ہی ایک ایک رجمنٹ ہے۔ اور سرحد پر چند چھوٹے چھوٹے دستے ترکمان سواروں کے بھی ہیں

ایک کوہی توپخانہ عاشق آباد میں۔ ایک میدانی توپخانہ مرو میں اور ایک کاساک اسپی توپخانہ کاکہ میں ہے کل التواپ کی تعداد ۲۰۰ ہے۔ یورپین اقوام کے خلاف روس کے اسپی توپخانہ کی ہر ایک باڑی میں ۸ توپیں ہیں پس جسقدر فوج جمع ہو کر ہرات کو خطرہ میں ڈال سکتی ہے اسکی کل میزان ۶۸۰۰ پیادہ اور ۱۵۰۰ سوار ہے اور ۳۰ توپیں بھی اسمیں شامل ہیں۔

قلعہ ہرات کی سپاہ کی تعداد ۶۰۰۰ پیادہ اور ۱۲۰۰ سوار ہے علاوہ بریں قلعہ میں ۱۶ توپیں ہیں۔ یہانکی قلعبندی ایک انگریزی انجنیر کے نقشے اور ہدایت کے مطابق کیگئی ہے۔ ہماری توپوں میں سے چھ اٹھارہ پونڈر سموتھ بور صاف چھیدار ہیں۔ ۱۰ آٹھ انچ ہوٹزر۔ ۴۰۔۱۲ پونڈ ہوٹزر ساخت کی ہیں۔ علاوہ بریں برٹش گورنمنٹ کیجانب سے چودہ ہزار سامان جنگ کی ٹپیاں موجود ہیں۔

نقشہ دیکھکر جس چیز سے ناظرین کو حیرت ہوتی ہے۔ وہ ہرات کے دوسرے مقامات سے علیحدگی اور دوری ہے بخلاف اسکے ٹیونس کا سپین ریلوے روسی حس و حرکت کی سب سے بڑی معاون ہے۔ غالباً چند اعداد میرے اس بیان کو زیادہ واضح کر دینگے۔

ہرات سے کابل تک براہ دولت یار ۵۰۰ میل کا فاصلہ ہے اس سڑک کے بعض حصے ایسے ہیں جہاں سے توپخانہ نہیں گذر سکتا ہرات سے قندہار تک ۳۹۶ میل اور کوئٹہ تک ۵۳۳ میل کی مسافت ہے۔ اگر بڑی تیز رفتاری سے بلا واسطہ پندرہ میل روز کے حساب سے کوچ کیا جائے تو ۳۴ روز میں کمک کابل سے ہرات پہنچ سکیگی کوئٹہ سے ۳۶ دنوں میں۔ اور یہ بھی اس صورت میں کہ تمام فوج کابل یا کوئٹہ میں جمع ہو اور ایک منٹ کے نوٹس پر روانہ ہو جائے۔ اگر خود کابل حملے کے خطرہ میں ہو تو فوج کمک کے پہنچنے میں کم سے کم ۳۶ روز لگیں گے۔

آؤ اب ہم دیکھیں کہ ہماری آنروے کا سپین کی فوجیں ان چھتیس دنوں میں کیا کچھ کرسکتی ہیں؟ پنجدہ[1] اور ذوالفقار کی فوجی چوکیوں سے ہرات ۳۲ امیل دور ہے۔ مروسے ۲۷۲ میل۔ مروسے عاشق آباد تک بذریعہ ریل ۲۵۰ میل کا فاصلہ ہے۔ سٹیشن دوشق ان دونوں مقامات کے وسط میں واقع ہے۔

ایشیائی اقوام سے سابقہ پڑنے کی صورت میں جائز ہے کہ جس چیز میں ذرہ بھی تامل یا توقف نظر آوے اسکو ترک کردینا چاہیئے۔ اسلئے کمک کے انتظار کے بغیر فوراً پیشقدمی مناسب ہوگی۔ دو پیادہ رجمنٹیں اور مروکی رجمنٹ سواران فوراً کوچ کرکے سربازی کی رجمنٹ کو ہمراہ لیکر دسویں دن پنجدہ پہنچکر سرحد کو عبور کرنیکے قابل ہوجائیگی علیٰ ہذا القیاس عاشق آباد[2] کی پلٹن سٹیشن دوشق پر اتر کر براہ سرخ بارہویں روز سرحد ذوالفقار پر وارد ہوجائیگی۔ (۲۵۰۰) پیادہ سپاہ (۲۰۰) سوار اور ۸ توپیں پنجدہ سے براہ درہ بابا حرکت میں آئینگی۔ ذوالفقار سے ۴۸۰۰ پیدل سپاہ ایک ہزار سوار معہ ترکمان ملیشیا کے اور ۲۲ توپیں سلسلہ پروپامیسن کے رستہ سے ذوالفقار کوشان گوریاں کی سڑک سے یا درہ افضل کے سیدھے رستے سے پیشقدمی کرینگے۔ دشمن کی چوکیوں پر اس پہلو میں جو قلیل توقف کرنا پڑیگا اسکو مجرا دیکر ۲۲ روز کے بعد ۷۲۰۸ پیادہ فوج ۱۵۰۰ سوار اور ۳۰ توپیں وادی ہرات میں پہنچ جائینگی اس طرح ہمکو قلعہ ہرات کی سپاہ کو شکست دینے کے واسطے پورے ۱۴ روز ملجائینگے کیونکہ ۳۶ روز سے پہلے اہل قلعہ کے پاس ہرگز کمک نہیں پہنچ سکتی

میں خیال کرتا ہوں کہ روسی بہادری کی خوشامد کرنیکے سوائے میں کہہ سکتا ہوں

---

[1] مروسے پنجدہ تک ۱۳۲ میل کا فاصلہ ہے۔

[2] عاشق آباد سے دوشق تک بذریعہ ریل ۲۰۵ میل۔ دوشق سے سرخس تک ۹۰ میل۔ دوشق سے ذوالفقار تک ۱۵ میل۔ پنجدہ سے ہرات تک ۱۴۰ میل۔

کہ ۹۱۸۰ روسی فوج ۲۰۰۰۷ افغانی سپاہ کے واسطے کافی سے کہیں زیادہ ہے۔ خواہ
موخرالذکر فصیل کے اندر ہی کیوں نہ لڑیں۔ اس بارہ میں انگریزی لڑائیوں کے
نتائج میری تائید کرتے ہیں۔ کیونکہ جب کبھی انہوں نے بہادری اور جرات سے
افغانوں پر حملہ کر دیا ہے۔ افغان اپنے مضبوط سے مضبوط مورچوں کو بھی چھوڑ کر
بھاگ نکلے ہیں۔ شاید بعض کو یہہ خیال گذرے کہ اس پیشقدمی میں جو سخت دقتیں
روسی فوج کو پیش آئینگی۔ میں نے انکو خفیف ظاہر کرنیکی کوشش کی ہے۔ اسلئے ہمیں ہرات
کے مسئلہ کو اور بھی نظر غائر سے دیکھنا لازم ہے۔ ہرات کے متعلق اہل روس کے
دماغوں میں انگریزی مصنفوں کے خیالات سمائے ہوئے ہیں۔

اگر ایران بطور ایک مضبوط نیوٹرل (ثالث) یا ایک معتدل طاقت کی ہماری ہمدوست
سلطنت ہوتی۔ تو پھر ہرات کی حالت کے خاطر خواہ ہونے میں کچھہ شک نہیں تھا۔
دوشق سے سرخ۔ ذوالفقار اور وہاں سے ہرات تک کی سیدھی سڑک نہایت
مخدوش حالت میں ہے۔ مرو سے ہرات تک کی سیدھی سڑک اس لئیے کم خطرناک ہے کہ
وہ ایرانی سرحد سے دور دراز فاصلہ پر ہے۔ ہرات سے قندہار تک روس کی پیشقدمی
کرنیوالی سپاہ کو ایک طویل راہ سے اور غالباً ایک دشمن ملک سے گذرنا پڑیگا کوہ بلند
پر انگریزی فوج کیل کانٹے سے لیس لڑائی کے لیئے بہمہ وجوہ تیار ہوگی یہانکی فتح
گو ہمارے لیئے نہایت کار آمد ہوگی۔ مگر اس سے قندہار اور کوئٹہ میں لڑائی
کے دونتے اور میدان نکل آئینگے۔ شکست کی صورت میں ہماری تمام امیدوں
پر پانی پھر جائیگا۔ جنگی پہلو سے کابل بہ نسبت ہرات کے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔
پس پھر کیوں ہم کابل کو چھوڑ کر ہرات کی طرف رخ کریں۔؟ ہرات ایشیا کا ایک
مشہور مقام ہے۔ اور اسکے مفتوح ہو جانے سے ہمکو لڑائی سے بہت تقویت پہنچ سکتی
ہے۔ ہرات جنگی اصولوں کے مطابق خواہ چنداں ضروری ہو۔ مگر اسکے قبضہ میں

آنیسے تمام ایشیا میں روس کی بہادری کی دھاک بیٹھ جائیگی۔ لیکن شکست یا فتح
کرکے واپس دینے کی صورت میں روس کی ناموری کو اسقدر نقصان پہنچیگا جسکا اندیشہ
ہے۔ پاسہ پھینکا جا چکا ہے اور ہم ضرور ہرات کیطرف بڑھیں گے۔ اگر انگریزوں نے
ہرات کے چھڑانے کی کوشش کی تو وہ اسمیں ایسی سرگرمی سے مصروف ہونگے
جس سے ایشیا میں انکی طاقت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اگر انہوں نے ہرات کو اپنی
قسمت کے حوالہ کردیا۔ جو ایک محفوظ اور فوجی اصول کے مطابق ہوگا۔ تو انگریز
اپنی سرحد ہند کے قریب گو اسقدر جوش سے نہیں مگر خوب جمکر لڑینگے۔ مجھے خیال
پیدا ہوتا ہے کہ غالباً انگریز ان دو نو امور کے بین بین میں رہنا پسند کرینگے
یعنے چند انگریزی افسروں کو قلعہ ہرات کی فوج کی کمانڈ کے واسطے بھیجدیں گے
انگریزی افسروں کا ایک ایسا گروہ نہایت تیزی سے جبکہ راہ میں گھوڑے
انکے سفر کے لیئے تیار رہوں۔ اور ایک لمحہ بھی ضایع نہ کریں جو بحساب اوسط پچاس
میل روزانہ سفر کرکے کوئٹہ سے دس روز میں ہرات پہونچ سکیں گے۔

اس طرح انگریزی افسروں کو روسی لشکر کے پہنچنے سے بارہ روز پہلے
قلعہ ہرات کو مضبوط و مستحکم کرنیکی فرصت ملجائیگی۔ لیکن جب انگریزی افسر ہرات
کے بچانے کے لیئے آپہونچیں گے تو اسوقت ہم کو بھی سمجھ سوچکر پوری تیاریوں اور
بہت سے لشکر کے ساتھ پیشقدمی کرنے کی ضرورت ہوگی۔ لیکن مجھے اسمیں شک
ہے کہ انگلش گورنمنٹ اپنے افسروں کو ہرات روانہ کرنے پر رضامند ہوگی۔ کیونکہ خواہ
انگریزوں کا ڈیفنس کیسا ہی مضبوط کیوں نہ ہوتا ہم وہ جنگی اصولوں کے مطابق کبھی
پانچسو میل آگے جاکر خطرہ میں مبتلا ہونا پسند نہ کریں گے۔ روسی لشکر کے قرب
اور انگریزوں کی عدم مداخلت کی وجہ سے ہرات بڑی آسانی سے ہمارے قبضہ
میں آجائیگا۔

ہماری جنگی لائن پر ہرات کے بعد بلخ و بعض آباد ہیں بلخ کیطرف پیشقدمی کرنے میں ہمیں بہت کم رکاوٹیں پیش آئینگی۔ کسیقدر زیادہ فصاحت سے بیان کرنے کے لیئے ہمیں ہر اعداد سے مدد لینی چاہیئے۔ جو روسی سپاہ اس لائن پر بڑھنے کیلیئے تیار ہے اسکی تفصیل یہہ ہے سمرقند کاٹی کرگان) ۵ پلٹنیں (کرکی) تین پلٹنیں (چارجوئی) ایک پلٹن علاوہ بریں انکی امداد کیلیئے پیٹرو الگزنڈر و فا میں بھی دو پلٹنیں ہیں۔ سمرقند میں مزید براں ایک رجمنٹ کاسکوں کی دو میدانی اور ایک پہاڑی توپخانہ اور ایک کاسکوں کا اپنی توپخانہ ہے۔ لوکل سپاہ کے چھوٹے چھوٹے دستے بھی مختلف مقامات میں ہیں۔ قصہ مختصر ۸۶۴۰ پیادہ ۹۰۰ سوار ۳۰ توپیں چھبیس روز کے سفر کے بعد بلخ کے بالمقابل پہنچ سکتی ہیں۔

اب ہمیں امیر کے مقابلہ کی طاقت کو دیکھنا چاہیئے۔ افغانستان کے صوبہ ترکستان میں بلخ جسکا دار الخلافہ ہے ۸۰۰۰ باقاعدہ پیدل ۲ سوار اور ۳۰ توپیں ہیں بیقاعدہ فوج میں دو ہزار سوار اور تین ہزار پانسو پیدل ہیں کل ۱۴ ہزار فوج بلخ ہمارے مقابلہ کے لیئے آمادہ ہے لیکن کابل یہاں سے ۳۰۳ میل کے فاصلہ پر ہے جہاں سے بہت جلد کمک پہونچ سکتی ہے۔ غالباً قلعہ کابل میں دس ہزار باقاعدہ اور ساڑھے چار ہزار بیقاعدہ سپاہ اور ۶۰ توپیں ہونگی۔ اس امر میں شک ہے کہ امیر اس فوج کو بلخ بھیجنا پسند کرینگے یا نہیں۔ ظن غالب ہے وہ پانچ ہزار فوج بامیان کی حفاظت کے لیئے بھیجدینگے جو کابل کا درہ ہے۔ چونکہ دار الخلافہ کابل سازشوں کا گھر ہے اسلیئے امیر اپنی کل یا فوج کا زیادہ حصہ کابل کے دروازوں سے باہر بھیجنا خلاف مصلحت تصور کرینگے۔

پس لڑائی کی یہہ صورت ہوگی روسی سپاہ ساڑھے ۹ ہزار معہ ۳۰ توپوں کے افغانی فوج بارہ ہزار جسمیں بیقاعدہ بھی شامل ہیں اور ۳۰ توپیں

اس جنگ کا نتیجہ مشکل سے مشتبہ ہو سکتا ہے۔ اگر شکست سے محفوظ رہنے کی کوشش کیجائے۔ تو اسمیں ذرا بھی دقت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس لائن میں فوج کا پیشقدمی کرنا چنداں ضروری نہیں ہے۔ بلخ کیطرف بڑھنے والی سپاہ کمک کا انتظار کر سکتی ہے تیز رو فتح ہرات کی خبر سُننے کی بھی منتظر رہ سکتی ہے۔ جس سے افغانوں کے جی چھوٹ جائینگے اور روسیوں کے حوصلے بڑھکر ایک سے دو چند ہو جائیں گے۔

اب بدخشاں کے روسی دستہ کو لینا چاہئیے۔ جنکا منشا فیض آباد پر بڑھنا ہوگا۔ جسقدر روسی فوج اس جنگ کے واسطے بہم پہنچ سکتی ہے وہ یہ ہے:۔ (تاشقند) ۴ پلٹنیں معہ انجینیر ونکی نصف پلٹن کے۔ کاسکوں کی ایک رجمنٹ۔ ایک میدانی توپخانہ کل ۶۴۳۶ سپاہی۔ اور ۸ توپیں (مارگیلان) ۳ پلٹنیں۔ ایک رجمنٹ کاساک۔ ایک میدانی اور ایک پہاڑی اسپی توپخانہ کل ۹۰۴۴ سپاہی۔ اور ۱۴ توپیں (انڈیمان) ۶۹۰ سپاہیوں کی ایک پلٹن (کوکند)۔ ۶۹۰ سپاہیوں کی پلٹن۔

اس سپاہ کو اسک کی فوجی ضلع سے امداد ملسکتی ہے۔ جہاں سات پلٹنیں ۴ سوار ونکی رجمنٹیں۔ پانچ توپخانے اور ایک کمپنی سفر مینا کی موجود ہے نیز سائبیریا کی ۴ پلٹنیں۔ آٹھ کاساک رجمنٹیں بھی اس فوج کی پشت پر ہونگی۔

اس طرح دس ہزار سپاہ فیض آباد کیجانب بڑھ سکیگی تھوڑے عرصے کے بعد ایک چھوٹا سا فوجی دستہ جو دو پلٹنوں۔ ایک پہاڑی توپخانہ اور ایک کاساک سکوڈران پر مشتمل ہوگا۔ پامیر سے حرکت میں رہیگا۔

تاشقند سے فیض آباد تک کا فاصلہ حسب ذیل ہے:۔ تاشقند سے سمرقند ۱۸۰ میل۔ سمرقند سے جانگیلہ (دریائے آکسس پر) ۲۷۰ میل۔ جانگیلہ سے فیض آباد ۴۹۰ میل۔ ۷۴۵ میل راہ طے کرنے کے واسطے ضروری وقفوں سمیت ۴۶ روز لگاتار سفر کرنا پڑیگا۔ بہرکیف ۵۲ روز سے پہلے ہم اس دستہ کی فیض آباد پہنچنے کی توقع نہیں

کر سکتے۔ دستہ مذکور کے مقابلہ میں امیر کی فوج کا تخمینہ یہہ ہی۔ باقاعدہ فوج بدخشاں میں ۴ پلٹنیں۔ ۲ سواروں کی رجمٹیں تین توپ خانے۔ یا تقریباً ۲۰۰۰ سپاہی اٹھارہ توپیں۔ تیرہ سو بیقاعدہ فوج کل ۴۵۰۰ سپاہی۔ اور ۱۸ توپیں۔

یہہ تمام دستے جو تین مقامات کو روانہ ہونگے محفوظ سپاہ کے ہیں۔ انکی علاوہ سپاہ امداد بھیجی جا سکتی ہے۔ جسکا عقب میں ہونا ضروری ہے۔ ہرات کالم کو رسد اور کمپ کا تمام انحصار ٹرینس کاسپین ریلوے پر ہے۔ کالم بلخ کو دریائے آکسس کے فلوٹیلا سے بامداد ریلوے مذکور اعانت ملیگی۔ دستہ فیض آباد کو سامان رسد بخارا اور ترکستان سے اور فوجی کمک ضلع اسامت سے روانہ کیجائے گی۔

کوراٹیکن میں چالیس ہزار سپاہ مستعد جدال و قتال موجود ہے۔ اگر محفوظ لشکر بھی اسمیں شامل کر دیا جائے تو یہہ تعداد ۰۰۰،، یعنے تقریباً دُگنی ہو جاتی ہے۔

"سکوبلاف کا جنگی تخمینہ اس سے بہی کم ہے۔ اسکے خیال میں گو اٹھارہ ہزار سپاہ سے ہندوستان پر حملہ ممکن ہے لیکن خطرہ سے خالی نہیں۔ ہاں پچاس ہزار فوج سے ہندوستان کی نہایت محفوظ اور قابل اطمینان مہم ہو سکتی ہے۔" لیکن اس وقت خود سکوبلاف تنہا بیس ہزار آدمیوں کے برابر تھا۔

بخلاف اسکے سر چارلس میگگریگور اور دیگر انگریزی مصنفوں کی رائے میں ہندوستان پر حملہ کرنیکے لیئے کم سے کم ایک لاکھ فوج کی ضرورت ہی۔ غالباً یہہ آخری تخمینہ زیادہ محفوظ سمجھا جائیگا۔ اگرچہ یہ مہم تہوڑی سی فوج سے بہی شروع کیجا سکتی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہمارے سکیم سے خاکہ معلوم ہوگا ہندوستان کا فتح کرنا ایک دن کا کام نہیں ہے۔

ہم یہاں آسانی کے واسطے روس کے تینوں کالموں کی منزل مقصود تک پہنچنے کے دنوں کو مکرر قلمبند کرتے ہیں۔ ۸۰۰۰ سپاہی اور ۳۰ توپیں ۲۲ روز کے

سفر کے بعد ہرات پہنچے گی۔ ۹۵۰۰ سپاہی ۸۰ توپیں ۲۵ دنوں کے بعد بلخ۔ دس ہزار سپاہ (اگر ضرورت ہو) اور ۲۰ توپیں ۵۲ روز سفر کرکے فیض آباد وارد ہونگے۔

انگریزوں کے ارادوں پر غور کرنے کے وقت پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پولیٹیکل یا جنگی مصالح کو علیحدہ علیحدہ اثر ڈالنے کی اجازت دیجائے گی۔ یا وہ دونوں سے کام لینا پسند کیا جائیگا۔ ہرات سے قطع نظر اب میں کابل کی مثال پیش کرتا ہوں۔

کابل پشاور سے ۱۸۰ میل کی مسافت رکھتا ہے۔ فی الواقع یہہ ایک طول طویل درہ ہے۔ جسکے آس پاس وحشی قومیں رہتی ہیں۔ جنکو دشمن بنتے ذرا دیر نہیں لگتی فوج کابل کو اس درہ کے ذریعہ سے امداد دیا رسد کا بھیجنا اور انکا لیکہ قرب و جوار کی قوموں کی بغاوت اور غارتگری کا کھٹکا لگا ہوا ہو۔ نیز جبکہ روس بھی فیض آباد و چترال میں آپہنچے۔ بہت مشکل نظر آتا ہے۔ انگلش اہل الرائے کے خیالات کے مطابق صرف یہی بات کابل کی تائید میں کہی جاسکتی ہے کہ اسکا قلعہ جنگی اصولوں کے لحاظ سے بہایت مضبوط ہے۔ ذراسی توجہ اور گرد نواح کے پہاڑوں کی مورچہ بندی اور تیس سے چالیس ہزار تک سپاہ کے تعینات کردینے سے قلعہ کابل ناممکن التسخیر بن جائیگا لیکن مجھے اسمیں شک ہے اور آیندہ اعداد سے اسکی تائید بھی ہوسکتی ہے کہ با وجود افغانوں کی اعانت کے اسقدر فوج کابل میں فراہم ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہہ تو خاص جنگی پہلو سے اعتراض وارد ہوتا ہے اگر پولیٹیکل حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو بعض انگریزی مدبروں کے قول کے موافق انگلستان خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو افغانستان کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اگر جنگ شروع ہونے کے وقت انگلستان کی عنان حکومت ایسے ہی خیال کے مدبرین کے ہاتھوں ہو۔ اور انگلستان امیر کی حفاظت کی نیت سے افغانستان کی انتہائی سرحد پر اپنی فوج لیجائے۔ تو اس صورت میں آخری لڑائی کا نتیجہ دیر تک مشتبہ نہیں رہیگا جب تک انگلستان اس بات کو اچھی طرح

نہیں سمجھ لیگا کہ روس جب چاہے نصف افغانستان پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اور دو رخہ امیر اور اُسکی سرتاپا دغاباز۔ مکار رعایا کو گانٹھہ کر لینے اپنا کام نکال سکتا ہے۔ تب تک اسے اپنے آپکو محفوظ تصور نہیں کرنا چاہئیے۔ انگلستان امیر کو کچھہ سہارا دینے کے علاوہ اِسکے خزانہ کو روپیہ سے مالامال کر رہا ہے۔ اور اِسکے سلحہ خانہ میں رائفلیں اور بندوقیں بہیج رہا ہے۔

انگریزوں کے کابل میں آنے پر اسکی سپاہ کا اندلزہ کرنا ضروری ہے۔ روس کی پیشقدمی کا پہلا جواب انگریزوں کی جانب سے یہہ ہوگا کہ قندہار پر قبضہ کرکے وہاں تک ریلوے کو پہنچا دینگے۔ اِسکے علاوہ دیگر تجاویز کچھہ لاینحل سی ہیں۔ وہ غزنی یا کابل یا کم سے کم جلال آباد اور چترال پر تسلط کر سکتے ہیں۔ یہہ بہی ممکن ہے کہ پیچھے کیطرف ہٹ جائیں۔ اور پشاور۔ اور بنوں میں سپاہ کو متعین کرکے دروں کو دشمنوں پر بند کر دیں۔ تیسری صورت یہہ ہے کہ افغانستان اور ہندوستان دونو مقامات میں دشمن کو روکنے کی قطعی تجویز قرار پا جائے۔

انگریز یقیناً غزنی کیطرف بڑہیں گے جو کابل سے اچھی خاصی مسافت رکھتا ہے۔ لیکن قندہار کی کمک سے دور نہیں ہے۔ مقابل سے ہزارہ پہاڑیوں نے اسکو ناقابل گذر مقام بنایا ہوا ہے۔ اسکا قلعہ بنوں سے بہی تعلق ہے۔ جہانتک ریلوے پہنچنے والی ہے غرضکہ قندہار کے بعد غزنی بہی ایک مضبوط جنگی مقام ہے۔ جہاں انگریز اپنی سپاہ کو لیجا سکتے ہیں۔

کابل میں یقیناً امیر کی سپاہ دارالخلافہ کی حفاظت کریگی۔ انگریز جلال آباد اور گندمک کی ضرور مورچہ بندی کریں گے۔ جہاں سے کابل کو امداد پہونچ سکتی ہے لیکن افغانی سپاہ کی پوری حفاظت تب ہی ہو سکتی ہے جب چترال کا ناکہ بھی مضبوطی سے بند کیا جائے۔

اگر ضرورت کے وقت اس کام کے خیال سے پشاور میں پہلے ہی سے مورچہ بندی کر لیجائے تو اس لائن پر انگریزوں کیلئے ایک اور مفید بات ہوگی۔

چترال کے متعلق مجھے چند شبہات ہیں۔ یہہ جنگی پہلو سے ایک نہایت مستحکم مقام ہے۔ لیکن انگریز درمیانی قوموں کی مخالفت کی وجہ سے یہانتک آمد و رفت کے واسطے کوئی محفوظ سڑک نہیں بنا سکے۔ اسلئے چترال پر تصرف کرنا فوجی اصولوں کے مطابق سخت خطرناک ہے۔ اور انگریزی فوج کا وہاں رہنا چنداں مفید بھی نہ ہوگا۔ شکست کی صورت میں اسکو گلگت بھاگ آنا پڑیگا۔ اسطرح جلال آباد اور پشاور کے رستے دشمنوں پر کھل جائینگے۔ چترال اور ہندوستان کے مابین جو قومیں آباد ہیں وہ بلا حفاظت رہجائینگی۔ اور غالباً وہ بڑی خوشی سے حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہو جائینگی۔ اور ہماری قلیل فوج کو وادی پشاور کا راستہ بتانے میں بدرقہ کا کام دینگی۔

اب ہمیں دونوں سلطنتوں کی سرحدی ریلوے کی نسبت اس پیش بینی کے ساتھ غور کرنا چاہیئے کہ آیندہ کس جانب کو انکو وسعت دیجائیگی۔ ٹرینس کاسپین ریلوے عاشق آباد سے سمرقند تک پہنچگئی ہے جسطرح ہندوستان کی ریلوے دریائے سندھ سے گذر کر سرحد کو گئی ہے۔ اسی طرح یہہ روسی لائین بھی سیدھی جنگی اصولوں پر بنائی گئی ہے۔ صرف ایک لائن اوزن اڈا سے اس سے پیوستہ ہے۔ اور دریائے سندھ کی ریل سے لاہور پشاور لائن اور اسکی شاخیں مثلاً راولپنڈی سے خوشحالگڈھ وزیر آباد سے کالاباغ اور لاہور ملتان لائن ملی ہوئی ہیں۔ اور بحری رستہ سے کراچی بھی لائین مذکور سے پیوستہ ہے۔

جنگی لحاظ سے صرف وہی ریلوے کارآمد کہی جاسکتی ہے۔ جو پیش نظر مقام کے کہ جسپر قبضہ کرنا مطلوب ہے متوازی چلے اور بہت دور نہ ہو۔ کیونکہ اس طرح اسپر

دشمن کے مسلط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اور نہ عقب سے بہت فاصلہ پر ہو۔ ایسی ریلوی وسط میں ہونی چاہئیے بشرط امکان لمبائی میں یہہ لائن کسی سلسلہ کوہ یا دریائے ناقابل گذر و ذخار سے محفوظ ہو۔ اس قسم کی لائن مختلف حصوں کی سپاہ میں تعلق پیدا کرنے اور اُنسے فائدہ اُٹھانیکا باعث ہو سکتی ہے۔ ریلوے مذکور کو زیادہ جنگی بنا پر قایم کرنے کے لیئے صرف یہی ضروری نہیں کہ عقب میں بہت سی محفوظ شاخیں ہو جائیں۔ بلکہ مقابل میں بھی دو تین جگہہ زاویہ نما شاخیں نکالنی ضروری ہیں عقب میں یہہ مسلسل تقاطع کرنے والی چھوٹی چھوٹی لائنیں بنانے والوں کے حق میں نہایت مفید ثابت ہونگی۔ اور دشمنوں کو اُنسے کچھہ بھی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ کیونکہ شکست کی صورت میں ہزیمت یافتہ گروہ بہت سے انجنوں اور گاڑیوں کو اپنے ساتھہ لیجائیگا۔ علاوہ بریں چھوٹی چھوٹی لائنیں دشمنوں کی بہت بڑی فوج کی حس و حرکت کے واسطے چنداں کارآمد ثابت نہیں ہو سکیں۔

نظر بریں حالات ہمیں روس اور انگریزوں کی ریلوں کا باہم مقابلہ کرنا چاہئیے جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے۔ روس کیجانب پیش صرف ایک لائن ہے جو کیسپین سے دوشاک کو جاتی ہے اور سیدھی ایرانی سرحد سے گذرتی ہے۔ ایسے نازک وقت پر سلطنت مذکور کا مخالفانہ رویہ اختیار کرنا ناممکن نہیں ہے۔ دوشاک سے سمرقند تک لائن کا حصہ جنگی لحاظ سے عمدہ ہے۔ لیکن ساتھہ ہی چارجوئی کے پل کے بار بار ٹوٹنے کا اندیشہ لگا ہوا بھی برابر ہے۔ اسمیں ایک اور نقص بھی ہے یعنی یہہ سلسلہ یہہ چھوٹی چھوٹی شاخوں سے ملا ہوا نہیں ہے۔ روسی ریلوے کو مکمل بنانے کیلیئے مندرجہ ذیل چند براینچوں کے نکالنے کی ضرورت ہے (۱) دوشاک (یا مرو) سے ذوالفقار (پانجدہ) تک (۲) چارجوئی سے کلف تک (۳) سمرقند سے جانکیلہ تک۔ موخرالذکر لائن پر بہت روپیہ صرف ہوگا۔ ارال سے چارجوئی تک بحری اتصال کے علاوہ ایک ریلوی

لائین کا بھی اضافہ ہونا چاہئیے۔ آخر کار ان لائینوں کو ہرات بلخ اور فیض آباد تک وسعت دیجائے۔ ان سب مدارج کو طے کرنیکے بعد روسی ریلوے جنگی اصولوں کے لحاظ سے بہمہ وجوہ مکمل ہوجائیگی۔

انگلش ریلوے دریائے سندہ سے محفوظ ہے۔ سکھر کی لائن بعض وجوہات سے دریا کے دوسرے کنارہ پر رکھی گئی ہے۔ سکھر کا پل پولیٹکل حیثیت سے نہایت وقیع ہے اسکے ہاتھ سے نکل جانے کے یہ معنی ہونگے کہ بندرگاہ کراچی پر سے قبضہ جاتا رہا۔ اس لائن کا ایک حصہ مابین اٹک وکالاباغ کے ابھی مکمل نہیں ہوا۔ انگریزی ریلوے سسٹم میں جن اضافوں کی ضرورت معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہیں۔ (۱) چمن سے قندہار تک (۲) دریائے سندہ سے بنون اور شائد غزنی تک پشاور سے جلال آباد دیا گندمک تک۔

دونوں سلطنتیں جہانتک ان شاخوں کو وسعت دینگی اسی درجہ تک ہم انکو لڑائی کے واسطے آمادہ کہہ سکیں گے۔

مسٹر کرزن نے ایران میں اجرائے ریلوے کے متعلق اس امر پر زور دیا ہے کہ انگریزوں کو جنوبی ایران میں اپنے اثر سے کام لینا چاہئیے تاکہ وہ چمن سے براہ سیستان خلیج فارس یا دریائے کارون تک ریلیں بنا سکیں۔ روسی لائین کی جنوبی شاخیں گویا دریا بحر ہند کے کسی حصہ سے اور شمالی شاخیں بیرجند یا مشہد سے ملا دینی چاہئیں۔ اگر انگریز اس ریلوے کے بنانے میں کامیاب ہوجائیں تو یہ جنگی مسئلہ جسپر ہم غور کر رہے ہیں سرے یا تک بدل جائیگا۔ لیکن دانائی اس بات کی مقتضی ہے کہ ہم اس وسیع سلسلہ ہی کو نہ چھوئیں جسکو موجودہ حالت میں محض خیالی کہنا بیجا نہ ہوگا۔

ایک روسی مدبر کے خیال میں جنگ شروع ہونے پر انگریز اس سے بہتر کوئی

صورت اختیار نہیں کرسکتے کہ قندہار پر قبضہ کرکے ریلوے کو کوئیٹہ سے وہانتک لیجائیں اور قندہار کے قلعہ کو انتہا درجہ کا استحکام دیں۔ یا کم سے کم مورچہ بندی کرکے اسکو فوجی کمک قرار دیں۔

میرے خیال میں انگریز قندہار میں متوقف نہ ہونگے بلکہ فوراً ہلمند کیطرف حملہ آور ہونے یا مدافعت کرنیکے خیال سے بڑہیں گے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ طریقہ جنگ کا انگریزی سپاہ کے لیئے نہایت مبارک ثابت ہوا ہے اور بجنکورٹ یا ہیسٹنگس پینشولر اور واٹرلو کے معرکوں میں اسی طرح انگلستان نے کامیابی حاصل کی ہے انکے سوار فوراً ہمیں روکنے کیلیئے آگے روانہ ہونگے اور غالباً ہرات اور ہلمند کے وسط میں روسی لشکر کو دیکھکر صف ہائے جنگ آراستہ کردینگے۔ عین اُسوقت انگریزوں کے دو اور دستے ایک بنوں سے غزنی کیطرف اور دوسرا پشاور سے کابل کیجانب حرکت میں آیگا۔

انگریزوں کے ان تینوں دستوں کے لیئے ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ کسقدر سپاہ بہم پہنچ سکتی ہے۔ روسی اور انگریزی اہل الرائیں نے تخمینہ کیا ہے کہ ہندوستان میں امن قایم رکھنے کے واسطے جسقدر سپاہ کی ضرورت ہوسکتی ہے اس سے قطع نظر باقی ایک لاکھ فوج سرحد کے بچانے کے واسطے دستیاب ہوسکتی ہے۔ فوج ہند کی تازہ فہرست یعنی آرمی لسٹ کے معائنہ سے معلوم ہوگا کہ یہہ تخمینہ مبالغہ آمیز نہیں ہے۔ ہم روسی لوگ جو انگریزی سپاہ کو ناکارہ سمجھنے کے ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ جب ہم یہہ سنتے ہیں کہ انگریز اگر زیادہ نہیں تو اسیقدر سپاہ سرحد پر لاسکتے ہیں جسقدر ہم انکے سرحد ہند پر حملہ کرنے کے لیئے بھیجیں گے تو ہمکو سخت حیرت ہوتی ہے۔

حسب ذیل فہرست میں ہم صرف اُسی فوج کا ذکر کرینگے جو انیگلو انڈین

سپاہ میں لڑائی کے واسطے نہایت عمدہ تصور کیجاتی ہے۔ بنگال و بمبئی کی تمام سپاہ اور مدراس کی فوج کے کچھہ حصہ کو ہندوستان میں قلعوں کی حفاظت پر چھوڑنا دینا چاہیئے۔ ریاستوں کی امپیریل سروس فوج شائد آمدورفت کے رستوں کی حفاظت پر متعین کیجائے گی۔ گو پالیسی کی ضروریات سے یہ بات اغلب معلوم ہوتی ہے کہ انسے عین لڑائی میں کام لیا جائیگا۔

مدافعت کرنے یا حملہ آور ہونیکے لیئے کوئیٹہ میں جسقدر سپاہ بہم پہنچ سکتی ہے اسکی تفصیل راجن پور اور ڈیرہ غازیخاں کی فوج سمیت یہہ ہے۔ ساڑھے نو ہزار پیادہ۔ تین ہزار سوار۔ ۴۴ توپیں اور ایک کمپنی سفر مینا کی۔ بنوں میں جسمیں کوہاٹ و ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی سپاہ شامل ہو۔ تریسٹھ سو پیادہ۔ بارہ سو سوار۔ ۳ توپیں اور پشاور میں بمعہ نوشہرہ دہوتی مردان پچہتر سو پیدل۔ پندرہ سو سوار اور ۶ توپیں ہیں۔

وہ تین بڑہنے والے دستے بالخصوص مندرجہ بالا فوج سے ترتیب دیئے جائینگے۔ انکی کمک میں کثیر التعداد قلعوں کی سپاہ ہوگی جنکا سلسلہ قلب بنگال تک پہنچتا ہے چونکہ انگریز ہندوستان کے قبضہ کو بزور شمشیر خیال کرتے ہیں۔ اسلیئے سپاہ جابجا ملک میں پہیلا دیگئی ہے۔ ان قلعوں کی سپاہ تفصیل ذیل ہے۔ راولپنڈی ڈویژن بمعہ ایبٹ آباد دس ہزار پیادہ۔ تین ہزار سوار۔ ۶۰ توپیں۔ لاہور ڈویژن مع ملتان۔ فیروزپور۔ امرتسر۔ بکلوہ و دہرمسالہ۔ ۱۴ ہزار پیادہ۔ ۲ ہزار ۴ سو سوار اور ۳۰ توپیں۔ راولپنڈی ڈویژن پشاور کے بہت قریب ہے۔ ریل میں جانے پر تینوں کالم بھی یہاں سے چھہ گہنٹہ کے فاصلہ پر رہجائیگا۔

لاہور ڈویژن گو کسیقدر دور ہے لیکن بذریعہ ریل کوئیٹہ سے ملحق ہے۔ اسلیئے اسکو بھی ایک اعانتی ڈویژن تصور کرنا چاہیئے۔

لاہور سے کلکتہ تک کی بڑی سڑک پر نظر ڈالنے سے مفصلہ ذیل مزید سپاہ کا پتہ لگتا ہے۔

ضلع انبالہ ۵ ہزار پیادہ - ۱۲ سو سوار اور بارہ توپیں۔ میرٹھ ڈویژن ۴۰۰۰ پیادہ - ۱۲ سو سوار - ۲۴ توپیں - ایک کمپنی سفر مینا کی - یہاں پانچ کمپنیوں کا ہیڈ کوارٹر ہے ضلع لکھنؤ بمعہ روہیلکھنڈ ۷۵۰۰ پیادہ - ۳ ہزار پانچ سو سوار - ۳۰ توپیں (الہ آباد ڈویژن بمعہ آگرہ وجھانسی) ۱۱ ہزار پیادہ - ڈیڑھ ہزار سوار ۲۴ - توپیں - پس جسقدر انگریزی فوج میدان جنگ میں آنیکے قابل ہے - اسکی میزان ۱۰۵۰۰۰ (ایک لاکھ پانچہزار) سپاہ اور ۲۴ توپیں ہیں۔

ممکن ہے کہ یہہ اعتراض کیا جائے کہ ہمنے کراچی اور انگلنڈ کی امدادی سپاہ کا ذکر نہیں کیا - لیکن لارڈ وانبج کی کمیٹی کے سامنے جو شہادتیں دیگئی ہیں - اُنسے ظاہر ہوتا ہے کہ انگلستان موقعہ جنگ پر ہندوستان کو مطلق امداد نہیں دیسکتا اور ہندوستان کے اچھی طرح کان کہولدیئے گئے ہیں کہ اگر اسکو کسی سے لڑنا پڑا تو اُس وقت اُسکو صرف اپنی ہی طاقت پر بہروسہ رکہنا چاہئیے - لیکن اسنے یہہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ہندوستان کی گورہ سپاہ یا اُسکا جو حصّہ ولایت میں ہے اس سلسلہ جنگ میں کام نہیں لیا جائیگا۔

ہندوستان کی گورہ سپاہ مقیم ولایت کراچی پہنچکر بذریعہ ریل تمام ملک میں جہاں ضرورت ہو تقسیم ہو جائینگے - محفوظہ سپاہ تربیت یافتہ اور دیسی فوج اسسے نہایت قریب ہے - یہہ ایک لاکھ سپاہ جسطرح ہندوستان کی حفاظت پر مامور کیجائیگی اسکی نسبت میں قیاساً کہہ سکتا ہوں کہ برٹش گورنمنٹ سب سے پہلے ۴۰ ہزار سپاہ اور متناسب توپخانہ کو کوئیٹہ سے قندہار کیطرف حرکت کرنیکا حکم دیگی - میں اس نتیجہ پر حسب ذیل وجوہات سے پہنچا ہوں - (۱) صرف یہی ایک راستہ ایک بڑی فوج کی

کے گذرنے کے لایق ہے۔ اور یہ عظیم الشان معرکہ جنگ کے واسطے بہی اس سے بڑھکر کوئی موزون مقام نہیں ہوسکتا۔ (۲) کوئٹہ و قندہار کے قریب مورچہ بندی کیئے ہوئے چہاونیوں سے سپاہ بہی آسانی سے ملسکتی ہے۔ (۳) قندہار کی سپاہ صرف ایک ہی لائین پہ کام نہیں آئیگی۔ بلکہ وہ کمال حفاظت سے براہ سڑک یا چلکر کہا کر بذریعہ ریل بقیہ دو کالموں کی کمک کے واسطے بہی جا سکتی ہے۔ یہہ چالیس ہزار سپاہی غالباً سہولت کے خیال سے اِس طرح جمع کی جائے گی۔ ساڑہے بارہ ہزار کوئٹہ سے ۱۶ ہزار چارسو لاہور سے ۶۲۰۰۔ انبالہ سے ۷۲۰۰ میرٹھ سے میزان کل ۴۲ ہزار تین سو۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ تیس ہزار سپاہ قندہار میں اور دس ہزار کوئٹہ میں متعین کیجائیگی تو اس امر کا سرسری اندازہ کرنا بیجا نہوگا کہ یہ سپاہ کسقدر عرصہ میں مقامات مذکورہ میں پہونچیگی۔ کوئٹہ کا دستہ ڈیرہ غازیخاں اور راجن پور کے رستے سے چہٹے دن قندہار جا پہنچیگا چمن سے قندہار ساٹھہ میل ہے اور کوئٹہ سے چمن تک بذریعہ ریل چالیس میل کا فاصلہ ہے۔

مسٹر ڈیوڈراس کے قول کے مطابق جو ہندوستان کی ریلوں کے متعلق خصوصیت سے تجربہ کہتے ہیں۔ اگر آٹھہ سپیشل ٹرینیں ہر روز چہوڑی جائیں تو انمیں ۲۱۶۰ سپاہی معہ شاگرد پیشہ گہوڑون۔ توپ اور جنگی ساز و سامان کے جا سکتے ہیں۔ لاہور میں اطراف و جوانب کی جمع شدہ فوج جنگی تعداد ۴۴۰۰ ہوگی آٹھہ روز میں مقام جنگ کے پاس پہونچ سکتی ہے۔ تین روز ریلوے پر سفر کرنے کے بعد سترہویں دن ۴۸۰۰ سپاہ معہ ساز و سامان گہوڑوں اور توپخانہ کے قندہار پہونچ جائیگی۔ اور ہلمند کے میدان جنگ کیطرف حرکت کرنیکے لیئے تیار ہوگی انبالہ کی ۶۲۰۰ سپاہ کو ۲۴ دن چمن پہنچنے میں اور ۲۶ دن قندہار پہنچنے میں لگینگے جہاں یہہ غالباً متعین کیجائیگی۔

میرٹھ کی سات ہزار دو سو فوج محافظت کی غرض سے کوئیٹہ کے بالمقابل متعین کیجا سکتی ہے۔ اور اسکے وہانتک پہونچنے میں ۱۳ دن صرف ہونگے۔

یہہ وہ تجاویز ہیں جو انگریز قندہار کے متعلق اختیار کر سکتے ہیں۔

شمال کیجانب دوسرا انگریزی دستہ غزنی روانہ ہوگا۔ یہہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمنے ۲۴۰۰۰ سپاہ معہ سواروں اور توپخانہ کے قندہار کیواسطے مخصوص کی ہے۔ باقی ۳۰۰۰۰ فوج کے دو حصے کیئے جائینگے۔ ایک حصہ تو محفوظ رکہا جائیگا اور دوسرے سے کابل و غزنی کیطرف بھیجنے کے لیئے دستے بنائے جائینگے۔ میرے قیاس میں غزنی و کابل کے کالم دس دس ہزار جوان کے ہونگے۔ دس ہزار راولپنڈی میں اور ۳۰۰۰۰ فوج لاہور میں محفوظ رکہی جائیگی۔

غزنی کالم بنوں کے ۵۰۰۰ سوار اور پیادوں توپخانہ اور ۵۰۰۰ سپاہی راولپنڈی کی فوج سے ملکر مرتب کیا جائیگا۔ دس سے بارہ روز تک اس فوج کو بنوں میں فراہم ہوتے لگیں گے اور غزنی پہونچنے میں اور بارہ روز صرف ہونگے گویا تقریباً مہینے بہر کے سفر کے بعد یہہ دستہ غزنی میں وارد ہوگا۔ اور اسکا فرض یہہ ہوگا کہ اگر روسی لشکر بلخ یا بامیان سے کابل پر حملہ کرتا چاہے۔ تو اسکا مقابلہ کرے نیز اگر ضرورت ہو تو یہہ دستہ قندہار کے اسقدر نزدیک قیام پذیر ہو سکتا ہے جہاں سے نازک وقت آنے پر فوراً فوج قندہار کے ساتھ شامل ہو سکے۔ غزنی کا سامان جیسا کہ پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے۔ ہزارہ کی پہاڑیوں کے سلسلے سے بہتر ناپا محفوظ ہے۔ اسیلئے یہہ رستہ بڑی سہولیت سے کابل خواہ قندہار کیطرف کوچ کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہہ امر بادی النظر میں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔

کابل کالم نو ہزار سپاہ کا ہوگا۔ جسمیں سوار توپخانہ وغیرہ سب شامل ہیں یہہ فوج پشاور اور اسکے قرب و جوار سے فراہم کیجائے گی۔ اور اسکے واسطے راولپنڈی

سے بھی ایک ہزار سپاہی لیئے جائینگے۔کالم مذکور یا تو پشاور جلال آباد یا کابل میں لڑائی کا منتظر رہیگا۔اسکو چترال کیجانب بھی ہوشیاری سے نگاہ رکھنی پڑیگی۔ مجھے اسمیں ایک نقص معلوم ہوتا ہے جسکو میں آئندہ ظاہر کرونگا۔

پس لڑائی کے ابتدائی حصہ میں معاملات کی یہہ صورت ہوگی۔روس (۱) ۱۰۰۰۰ روسی سپاہ بائیس روز میں ہرات پہنچے گی۔(۲) ۹۵۰۰۰ فوج ۵۴ دن میں بلخ (۳) دس ہزار فوج ۲۵ روز میں فیض آباد و بہتر ہزار فوج محفوظ جسکو مرو سے چارجوی کیطرف حرکت کرنا پڑیگا اگر اسکے ۲۱۰۰ سپاہی روزانہ روانہ ہوں تو تمام فوج کو ضروری مقامات تک پہنچنے میں اٹھاون سے ساٹھہ روز تک لگیں گے اس امر کا کہ سپاہ مذکور کس کس جگہہ بھیجی جائیگی۔ دیدہ دانستہ ابتک فیصلہ نہیں کیا گیا اسکی وجہ آگے ظاہر کیجائیگی۔ برٹش گورنمنٹ :- ۳۰۰۹۰ انگریزی سپاہی ستہویں روز قندہار پہنچیں گے۔ ۶۲۰۰۰ اٹھائیسویں دن چمن۔ ۲۰۰۰۰ تیسویں روز کوئیٹہ ۱۰۰۰۰ بائیسویں دن غزنی۔ ۱۰۰۰۰ بارہویں دن جلال آباد۔ چترال کی مقامی سپاہ انگریزی افسروں کے ماتحت (یعنی ۱۰۰۰) محفوظ :- دس ہزار راولپنڈی اور ۳۳ ہزار لاہور رہیں۔

بحیثیت حملہ آور ہونے کے میں یہہ بتاتا ہوں کہ ہماری آئندہ کارروائی کیا ہوگی۔ برٹش گورنمنٹ چند سال سے ظاہر کر رہی ہے۔کہ اسکو بالخصوص ہرات کیجانب سے حملے کا سخت اندیشہ ہے۔کیونکہ یہی ملک بڑی بڑی فوجوں کی آمدورفت اور عظیم معرکہ جنگ کے لیئے زیادہ موزون واقع ہوا ہے۔اسی غرض سے اُنہوں نے کوئیٹہ کے نزدیک نہایت استحکام سے مورچہ بندی کی ہوئی ہے۔جسکو وہ ناقابل تسخیر بیان کرتے ہیں۔اُنہوں نے ریلوے کو سبی سے چمن تک وسعت دی ہی۔اسکے خاتمہ پر قندہار تک لائن کے لیجانے کا سامان جمع پڑا ہوا ہے۔نیز بلند کا موقعہ

بھی انتخاب کیا گیا ہے۔ قندھار کی قلعہ بندی کی تجاویز فیصل ہو چکی ہیں۔ جنکو جب
اسکو فوراً مضبوط کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ بریں ممکن ہے کہ برٹش گورنمنٹ ایران سے
سازباز کرکے سیستان میں اپنے پاؤں جمالے۔ ہمکو اس خطرہ سے کبھی غافل نہیں ہونا
چاہیئے۔ انگریزوں کی جنگی تیاریوں کو دیکھکر غالباً لوگ یہ کہینگے کہ کونسا عقلمند
ہوگا۔ جو اپنے سر کو ایک شیر کے منہ میں دیدینا پسند کریگا۔ میں ان لوگوں میں سے
نہیں ہوں جو خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں۔ بلکہ میں بڑے زور سے اس امر کو پیش کرتا
ہوں کہ ضرور ہرات لائن پر فوجکشی کیجائے۔ اس طرح ہم ترکمان سواروں کا ساتھ
اور چند پیادہ پلٹنوں سے انگریزوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کرنے میں کامیاب
ہونگے کہ تمام روسی لشکر ہرات پر چڑھ آیا ہے۔ اور وہ اپنی زیادہ طاقت ہرات
لائن پر صرف کردینگے۔ اس طرح ہمیں اپنی پوری طاقت کو کسی اور رخ کیطرف پھیر
دینے کا موقعہ ملجائیگا۔ کہ جسکے محفوظ ہونے میں ذرا بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ جنرل
کوماشکن کے نزدیک دس ہزار سوار جنمیں آٹھ ہزار ترکمان ہوں اس غرض کے
لیئے کافی ہیں۔ لیکن اس وقت ہمارے پاس صرف تین سو ترکمان ہیں۔ معلوم نہیں
کہ آٹھ ہزار میں سے بقیہ۔۔۔ ایک لحظہ کے نوٹس پر کہاں سے ہم پہنچ سکیں گے
اس قسم کے ناتربیت یافتہ اور غیر قواعد دان دستے سے بجائے فائدے کے ہمیں
سخت نقصان پہنچیگا۔ تاہم بہرکیف میں اصولاً اس سے اتفاق کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ
لائن سواروں کی ترکتاز کے لیئے اچھا میدان ہے۔ اور اسمیں شک نہیں کہ انگریز
بھی یہاں فوج سواروں سے ہی کام لیں گے۔ ہرات کیطرف رخ کرنا محض برٹش
گورنمنٹ کے فریب دینے کے لیئے ہوگا۔ تاکہ وہ ہمارے اصلی ارادوں سے واقف
نہ ہونے پائے۔ جن سے ہم آخر دم تک اسکو تاریکی میں رکھنے کی کوشش کرینگے۔
اگر کابل کیطرف پیشقدمی کیجائے تو معاملات کی کیا صورت ہوگی؟ اسمیں کچھ شک

نہیں ہے کہ انگریز ہم سے بہت پہلے کابل پہنچ جائیں گے۔ نیز بلخ سے کابل تک ۲۷۰ میل کا فاصلہ ہے نیز ہندوکش کی پہاڑیاں ہماری سدراہ ہونگی حالانکہ پشاور سے کابل تک کی مسافت ... میل ہے۔ اور ایک عمدہ سڑک اِن دونوں شہروں کو باہم ملاتی ہے۔ اگر وہ جلال آباد یا گندمک سے آگے بڑھیں تو یہہ مسافت نصف سے بھی کم رہجائیگی۔ اسلئے ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ کابل کو بڑی سرگرمی سے استحکام دیا جائیگا اور اِسکو پشاور سے براہ راست اور غزنی سے بالواسطہ کمک ملسکتی ہے۔

اب چترال کو لیجیئے۔ میں جانتا ہوں کہ چترال ایک غریب ملک ہے۔ اور وہ دس ہزار سپاہ کی بھی پرورش نہیں کرسکتا۔ نیز مجھے یہہ بھی معلوم ہے کہ یہہ ملک نہایت دشوار گذار ہے اور موجودہ حالت میں اِس راہ سے توپخانہ اور سواروں کو نہیں لیجایا جاسکتا۔ باوجود اِن سب تکلیفوں کے میں اسی لائن کے اختیار کرنے پر زور دونگا۔ خواہ چترال تہیدست ہو۔ لیکن بدخشاں جہاں سے ہمیں گذرنا پڑیگا کثرت سے سامان رسد مہیا کرسکتا ہے۔ ورہ دورہ کی سپاہ خواہ وہ انگریزی افسروں ہی کے ماتحت کیوں نہ ہو۔ ہمارے حملوں کی تاب نہیں لائیں گے۔ انگریزی فوج نے ایک دفعہ جب چترال میں شکست پائی تو پھر اُسکو ہندوستان کیطرف واپس جانیکا سیدھا راستہ نہیں ملیگا۔ کیونکہ انکی عجیب پالیسی نے راہ کی چھوٹی چھوٹی قوموں کو خودمختار اور آزاد رکھا ہوا ہے۔ اِسطرح جلال آباد اور پشاور کی سڑکیں روس کی پیشقدمی کے واسطے کھل جائینگی۔ بدخشاں سے رسد بہم پہنچا کر ہم چترال کو اپنی پیشقدمی کا صدر مقام قرار دے سکتے ہیں۔ یہاں سے جو سڑک جلال آباد سے وادی کنار تک اور براہ دیر و لاہوری درہ پشاور کو جاتی ہے انکو ہم توپخانہ اور سواروں کے گذر کے قابل بناسکتے ہیں۔ علاوہ اِس حالت میں پولیٹیکل ایجنٹ اِن قوموں کو جو لڑائی میں تتر بتر ہوگئی ہونگی دوبارہ اپنے جھنڈے

کے نیچے جمع کرلیں گے۔ چترال میں ہماری ایسی مضبوط حالت امید ہے کہ انگریزوں کی کابل لائن پر اپنے تمام مورچے چھوڑ دینے پر مجبور کریگی۔ چترال پر حملہ انگریزوں کے واسطے ناگہانی ہوگا۔ گو اورنا کوں پر انہوں نے اپنا جنگی سازوسامان مکمل کرلیا ہے۔ لیکن وہ چترال میں ہماری مدافعت کیلیئے تیار نہیں ہیں۔ اسمیں ایک یہہ بھی فائدہ ہے کہ اگر ہمیں شکست ہوئی تو آکسس اور بدخشاں ہمیں پناہ دینے کی لیئے کافی وسیع ہے۔

اگر چالیس یا پچاس ہزار سپاہ کابل پر انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے واسطے روانہ ہو۔ اور روس ہزار فوج انگریزوں کے عقب میں متعین کیجائے۔ درانحالیکہ ملمند کیطرف روس بالکل حرکت نہ کرے۔ جہاں کہ انگریزوں نے کثیر التعداد لشکر و سامان مدافعت جمع کیا ہوا ہوگا۔ تو ظن غالب ہے۔ انگریز بائیں سمت کو چھوڑ کر داہنی طرف بڑھیں گے۔ اور کالم غزنی سے امداد حاصل کرکے حملہ آور ہونیکے لیئے تیار ہوجائینگے نیز ممکن ہے کہ اسکے ساتھہ ہی چترال کیجانب سی فوجکشی کو روکنے کیلیے جلال آباد اور پشاور میں مورچہ بندی کیجائے۔

میرے خیال میں معاہدہ صلح کے قرار دینے کے واسطے اس سے بہتر کوئی موقعہ نہ ملیگا۔ جنکی شرائط غالباً یہہ ہونگی کہ روس ہرات فیض آباد و بلخ پر اور انگریز قندھار غزنی کابل اور چترال پر قبضہ کرلیں۔ جسکو دوسرے الفاظ میں افغانستان کی تقسیم کہنا چاہیئے۔ پیمائش کی لائن دونو سلطنتوں میں بطور سرحد کی ہوگی۔ میں بمشکل کہہ سکتا ہوں کہ یہہ صلح دیرپا ہوگی۔ بلکہ اسکو چند روز کے لیئے التوائے جنگ سمجھنا چاہیئے کہ آئندہ جنگی کارروائی اختیار کرنے سے پہلے دم لے لیا جائے۔ انگلستان کے بعض اعلےٰ درجہ کے مدبرین کے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز شرائط مذکور پر فوراً رضامند ہوجائیں گے۔

چترال میں روسی فوج کے پہونچ جانے کے بعد اگر ہم براہ راست کابل پر حملہ کریں۔ تو قبل اسکے کہ انگریز اس لائن پر بڑی فوج جمع کر سکیں ہمیں کامیابی کی بہت کچھہ توقع ہے۔ سر ہنری راولسن نے جو ایک مشہور مضمون نگار ہیں۔ اس بارہ میں جو خیالات ظاہر کئے ہیں۔ انسے بھی میری رائے کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ انگریزی قبضہ کابل کی نسبت لکھتے ہیں کہ "غالباً ایشیا بھر میں کابل ہی ایک ایسا ملک ہے کہ جسکا نظم ونسق اور قبضہ قابل اطمینان طور پر نہیں ہوسکتا اول تو یہہ کہ دار الخلافہ اور اسکے قرب وجوار میں ایسے متعصب و فتنہ انگیز لوگ رہتے ہیں۔ کہ جنہوں نے آجتک کبھی اپنے بادشاہوں کی پوری متابعت نہیں کی۔ خواہ برٹش گورنمنٹ انپر کشاہی دباؤ کیوں نہ ڈالے وہ قابو میں آنے والی چیز ہی نہیں ہیں۔ فی الواقعہ جب روسی فوج باہر سے حملہ آور ہوگی تو ملک کی اندرونی سازشوں اور بغاوتوں سے اسکو بہت کچھہ مدد ملیگی۔

اگر کابل پر ہمارا قبضہ ہوجائے۔ تو انگریز گندمک کے قریب بجگہ اٹک کی حفاظت پر ہی قناعت کرلینگے۔ نیز کالم غزنی سے کمک حاصل کرکے کابل کے چھڑانے کی کوشش بھی غیر ممکنات سے نہیں ہے۔

ابتک مینے ان مقامات اور ناکوں کی نسبت بحث کی ہے۔ جہاں سے انگریزی فوج ہماری مدافعت کیلیے آمادہ ہوسکتی ہے۔ اسکے ساتھہ ہی مینے ایران کی حالت کیطرف بھی اشارہ کردیا ہے۔ جیسا کہ میں ظاہر کرچکا ہوں۔ ایران لڑائی کے لحاظ سے ایک نہایت ضروری سرزمین ہے۔ چونکہ میدان جنگ سے بہت قریب ہے اسلئے براہ ایران ایک ایسا حملہ روس پر ہوسکتا ہے جو ممکن ہے کہ اسکے حق میں سخت خوفناک بات ہو۔ شاہ ایران کی منظوری سے یا خود بادشاہ کے ایماء سے انگریزوں کو سیستان یا خراسان میں لڑائی

کا ایک نہایت بیش قیمت میدان جنگ ملجائیگا۔ بیقاعدہ سواروں کو انگریزی افسر بہت جلد اپنے لیئے کار آمد بنا ئینگے کیونکہ دنیا کی فوج میں انسے بڑھکر تربیت دینے والا کوئی آدمی مشکل ہی ملسکتا ہے۔ اس طرح ہماری تمام ریلوے لائن اور آمدورفت کے وسائل جو کاسپین سے مروتک اور مروسے ہرات تک ہیں۔ یہہ سب کے سب ایرانی لشکر کے روزانہ حملوں کا نشانہ بن جائینگے۔ انگریز ایک اور طریقہ بھی اختیار کرسکتے ہیں جو انکے قومی میلان کے عین مطابق ہوگا یعنی جنگ بحری اسمیں ذرا بھی شبہہ نہیں دنیا کے بحری افسر اور ملاح اس پہلو کے اختیار کرنے میں انگریزوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔

بالفرض ان معرکوں میں اگر انگریز فتحیاب ہوئے تو اسکا نتیجہ یہہ ہوگا کہ روسیوں کو کابل خالی کردینا پڑیگا۔ اور افغانستان کی تقسیم کی بنا پر دونو میں عارضی طور پر صلح ہوجائے گی۔ انگریزوں کی ناکامی کی صورت میں تسلط کابل سے اندرونی ملک ہمارے قبضہ میں آجائیگا۔ اور بیرونی ممالک میں سے پہلے غزنی پر فوجکشی کیجائے گی۔ بعدہ خیبر کی انگریزی فوج کو شکست دیکر انکو ہندوستان کی سرزمین کیطرف بھگا دینگے۔ اسکے بعد ہمیں قندہار کیجانب توجہ کرنیکا عمدہ موقعہ ملجائیگا۔ اس غرض کے لیئے ات کالم کوہ قاف کے کم سے کم چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ ملہند کیطرف بڑھیگا۔ کابل کی سمت سے بھی روسی فوج حرکت میں آئیگی اور غزنی کے بالمقابل درہ توچی پر تعین سپاہ سے ناکہ بندی کردی جائیگی اس طرح قندہار کے قریب جنگ کی خطرہ میں مبتلا ہونے سے پہلے ہمیں صلح کی شرائط پیش کرنیکے لیئے نہایت موزون موقعہ ملیگا۔ یعنی غزنی۔ قندہار۔ جلال آباد کا روس سے الحاق ہوجائے اور کوہ سلیمان و ہمالیہ کے سلسلہ تک انگریزی حد تصور کیجائے۔ غالباً اس مضمون میں جابجا صلح کا ذکر دیکھکر میری طبیعت کی کمزوری

پھول کیا جائیگا یا مجوزہ صلح کا مسودہ قرار دیا جائیگا۔ مگر سچ تو یہہ ہے کہ اسقدر دور دراز فاصلہ پر ایسا عظیم معرکہ جنگ روسی سلطنت کی بنیاد تک کو ہلا دیگا۔ اس عرصہ میں ستانے اور قوت کو یکجا کرنیکے لیئے تہوڑا سا وقفہ بہی ملجائے۔ تو اس سے پیشقدمی کرنے والی سپاہ میں ازسر نو جان آجائیگی۔ کسی قوم کو افلاس نے آجتک لڑائی میں حصہ لینے سے نہیں روکا۔ ہاں سامان و دیگر ضروریات جنگ کی قلت نے بارہا قبل از وقت جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے۔

شرائط صلح کا منظور یا نامنظور کرنا انگلستان کے برسر اقتدار پولیٹیکل پارٹی کی مرضی پر منحصر ہے۔ ایک پارٹی انگلستان کو زیادہ محفوظ رہنے کا یہہ طریقہ بتائیگی کہ وہ آخر دم تک لڑنے سے ہمت نہ ہارے۔ کیونکہ جزیرہ برطانیہ کے رہنے والوں کا یہہ قومی خاصہ ہی کہ وہ اسطرح جمکر مقابلہ کرتے ہیں کہ خواہ شکستیں ہی کیوں نہ کھائیں مگر آخر میں ضرور فتحیاب ہوتے ہیں۔ اس صدی کی ابتدا میں بیس سال تک جسطرح انگلستان نے بامداد یا بلا اعانت فرانس جیسی قوی طاقت کا ہندوستان میں مقابلہ کیا ہے وہ اسکی بہادری کی ایک عمدہ مثال ہے۔ دوسرا پولیٹیکل گروہ غالباً صلح پر رضامند ہو جائیگا جسطرح روس کو ایک جدید ملک ہندوستان کے لوگوں میں بیج انتی پہیلانے کے لیئے کافی وقت ملجائیگا۔ یقیناً رعایا کی نگاہوں میں بے وقر بننے سے انگریزوں کے نزدیک یہہ ایک آسان کام ہوگا نہ تو شفقت و عنایت سے اور نہ پالیسی کے ذریعہ سے انگریز ہندوستان پر قبضہ رکھ سکتے ہیں۔ انکی حکومت کا قیام اگر کسی چیز پر منحصر ہے تو وہ تلوار ہی ہے۔

آؤ اب ہم ایک قدم اور آگے بڑہیں بالفرض معاہدہ یا فتح سے اگر قندھار ہمارے قبضہ میں آجائے تو پہر آیندہ پیشقدمی کے وقت اُن پہاڑیوں کا سلسلہ ہمارے سامنے ہوگا جو ہندوستان اور افغانستان کے مابین بمنزلہ

سرحد کے تسلیم کیا جاتا ہے گو تمام سرحدوں میں باستثنا کفدست میدان کے شاید
پہاڑی حدود کو فوقیت حاصل ہے۔ لیکن ساتھ ہی تاریخ ہمیں یہ بھی بتاتی ہے
آجتک کوئی پہاڑ دشمن کے حملہ آور ہونے کو قطعی طور پر نہیں روک سکا۔ اس سلسلہ
کوہ کے عقب میں دریائے سندھ کو بھی سرحدی استحکام کا باعث کہہ سکتے ہیں مگر
نپولین اعظم اس قسم کی رکاوٹوں کی کچھ پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔

خواہ سلسلہ کوہ و تیز و تند دریا سے سرحد کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ مگر
انگریزوں کا عزم راسخ اثبات و استقلال ان پہاڑوں اور دریاؤں سے بھی زیادہ محکم
ہے۔ اور یہی قومی خصوصیات فوراً میدان جنگ کے پاسہ کو پلٹ کر فتح کو انگریزی
جھنڈے کے نیچے پناہ لینے پر مجبور کرینگی۔ بعض روسی مدبر امریکہ کی تمثیل پیش کرکے
لکھتے ہیں کہ جسطرح انگریزوں نے اس ملک کو بیدلی سے چھوڑ دیا۔ اسی طرح جب روس
کیطرف سے دباؤ پڑا تو وہ ہندوستان کو بھی اسکی قسمت کے حوالے کرکے چلے جائینگے
لیکن میں اس بارہ میں انکے متفق نہیں ہوں۔ کیونکہ امریکہ و ہندوستان کی حالت
باہم مختلف ہے پہلے لڑائی ایک ہی خون اور ایک ہی زبان کی قوموں میں ہوتی اور
جنگ کا باعث ایک خانگی معاملہ تھا۔ بخلاف اسکے جنگ دویم دو ایسی سلطنتوں میں ہوگی
جو مدت سے ایک دوسرے کی خون کی پیاسی ہیں۔ اور فاتح کا انعام بھی کچھ کم نہ ہوگا
یعنی کل بر اعظم ایشیا کی سلطنت۔ یہاں وہ کہر کی ناممکن الدخل تیرگی کو پھاڑ کر اعداء
جنگی حدود سے گذر کر رسن غیر محدود میدان میں جانیکی کوشش کرینگی۔ جو عرصہ
اقوام کے نام سے موسوم ہے۔

[سے۔ جی۔ ینگہسبنڈ]

ضمیمہ سوم

امیر صاحب اور گورنمنٹ ہند کی خط و کتابت ۱۸۹۷ء کے سرحدی جنگوں کے متعلق

ترجمہ چٹھی منجانب امیر صاحب افغانستان بجانب صاحب کمشنر و سپرنٹنڈنٹ پشاور ڈویژن مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۹۷ء۔

بعد مراسم۔ آپکی چٹھی مورخہ ۱۳ اگست ۱۸۹۷ء مطابق ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ میرے پاس پہنچی اور حقیقت مندرجہ معلوم ہوئی۔ اسمیں آپ لکھتے ہیں کہ:۔ یعنی کوائف مندرجہ سمجھ لیئے ہیں۔

میں نے آپکی چٹھی سپہ سالار جنرل غلام حیدر خاں اور ان لوگوں کی نسبت حالات معلوم کرنے کیلیئے پڑھی ہے۔ جو جلال آباد کے علاقہ میں رہتے ہیں اور اسکی نسبت آپ مجھے لکھتے ہیں۔ اب بجواب اسکے میں جنرل غلام حیدر خاں سپہ سالار اور باقاعدہ افغان افواج کی نسبت لکھتا ہوں کہ ان میں سے ملا نجم الدین کے ساتھ مطلق کوئی شامل نہیں ہے اور نہ ہے۔ اور نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ فرقوں کی نسبت آپ خود جانتے ہیں کہ میرے خوف سے کوئی بھی اس لڑائی میں علانیہ شامل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی شخص نے ایسا کیا ہو تو وہ خفیہ کیا ہوگا۔ آپکو بخوبی معلوم ہے کہ چند سال گذرے ہیں ملا نجم الدین کابل سے بھاگکر ضلع پشاور کے مقام جاروبی میں جا آباد ہوا تھا۔ اور برٹش گورنمنٹ کے

معتمدوں نے بارہا اسکو اپنے پاس بلوایا تہا۔ اور گو وہ حاضر نہ ہوا تاہم اسکی انکے ساتھ
خط وکتابت جاری رہی۔ اور وہ میرے ملک سے بہاگا ہوا تہا۔ اپنی بداعمالیوں کیوجہ
سے جنکا وہ مرتکب ہوا تہا۔ اور کئی فسادوں کی وجہ سے جو اُسنے لوگوں میں برپا کئے
تہے وہ اپنی بدکرداریوں سے خود ہی اسقدر ڈرتا تہا کہ اسنے پشاور کے قریب پناہ
جالی۔ مہمندی اور جلال آباد کے لوگ اور جلال آباد کے پہاڑی اضلاع کے لوگ انکو
اپنا پیغمبر مانتے ہیں۔ اور اسکے ملا ناکی کے ایما سے اسکے ہزارہا گرویدہ مرید ہیں جسطرح
پرانے وقتوں میں یوروپ میں پوپ کو بہشت اور دوزخ کے مالک ہونیکا دعوے تہا
اور لوگوں کو بہی ایسے بیہودہ پیشواؤں پر اعتقاد تہا۔ اسی طرح ان ملاؤں کو بہی اسی
قسم کی طاقت رکہنے کا دعوے ہے۔ اور ان گذشتہ چند سالوں میں انہوں نے میری
افغان رعایا کو بہی میرے مقابلہ پر باغی کردیا تہا۔ اور ہر موقعہ پر خواہ یہہ فساد شنداہار
میں ہوا۔ یا ملا مشک عالم کا یا اور ایک ملاؤں کا تہا جو بلخ میں اسحاق خاں کے ساتہہ جا
ملے تہے۔ یہہ ملا ہی فساد کے بانی تہے۔ وہاں ایک موضع ہڈا نام ہے جسمیں چہار یا چرم
کمانے والے رہتے ہیں۔ وہاں یہہ شخص ملا نجم الدین رہتا ہے۔ اور اسکے مریدوں نے
اس ناپاک موضع کو ہڈا شریف مشہور کردیا ہے۔ کیونکہ اسکے طالبعلم اور مرید اسکو
پیغمبر مانتے ہیں۔ اسکے لایعقل احکام سے کونسی مصیبت ہے جو اسپر نازل نہیں ہوئی۔
اور کونسا خون ہے جو بہایا نہیں گیا۔ ہم اب اسنے اپنا مسکن ایسی جگہہ اختیار کیا ہے
جو کابل سے خود مختار ہے اور پشاور کے پڑوس میں ہے۔ اور لینے آپکو بہت نامور کرلیا
ہے۔ ان حالات میں برٹش گورنمنٹ کے معتبر افسر انصاف سے کہیں کہ میں کسطرح
کوئی برتاؤ اسکے ساتہہ کرسکتا ہوں۔ اور کسطرح میں اسکا اور اسکے مریدوں کا انتظام
کروں جو اسکو پیغمبر سمجہکر خفیہ اسکے گرد جمع ہوتے ہیں۔ ہر ایک ملا کئی سال سے مجہے
کسی طرح کا فر اور مرتد کہہ چکا ہے۔ اور اسکی انگیخت سے اسکے مرید میرے ساتہہ لڑائیاں

کر چکے ہیں۔ انکے گھر تباہ اور انکی گردنیں تہ تیغ کیگئی ہیں۔ انہوں نے ۱۴ سال افغانستان کے ہر ایک حصّہ کو خواہ وہ میدانی یا پہاڑی تھا۔ اُس وقت تک میرے مقابلہ پر کھڑا رکھا۔ جبتک کہ جانبین کی ہزارہا جانیں تلف نہ ہوئیں۔ اور خود ہہ مفسد ملا ہی اپنے ہزارہا مریدوں کے ساتھہ کام نہ آئے۔ ہر ایک مُلّا نے جسقدر اسکا بل چل سکا ہے میرے مقابلہ پر بغاوت کرانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اور وہ ہمیشہ اپنے کیئے کا خمیازہ اوٹھا کر برٹش حدود میں پناہ لیتے رہے ہیں۔ اور اس گورنمنٹ کی اولعزمی سے رولی کا نوالہ ملتا رہا ہے جس سے یہ ملّا اپنا پیٹ پالتے رہے ہیں اور یہ وہی مُلّا ہیں جو مجھسے بہاگ کر پشاور کے قریب آزاد ملک میں جا آباد ہوئے ہیں۔ کہئیے میں کسطرح انکا انتظام کر سکتا ہوں۔ سپہ سالار اور باقاعدہ فوج کی نسبت میں پہر آپکو یقین دلاتا ہوں کہ وہ کبھی کوئی معاندانہ کارروائی نہیں کرینگے اور آپکے پاس جو خبر پہنچائی گئی ہے یا اسکا پہنچایا جانا ممکن ہی کہ باقاعدہ فوج اور غلام حیدر خاں سپہ سالار اس فساد میں کوئی حصّہ لے رہی ہیں۔ یہ سب افترا ہے۔ اور میں خود قسمیہ کہتا ہوں کہ نہ میری فوج اور نہ افغانستان کے معتبر افسر اس سے کوئی سروکار رکھتے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ کے ذی اقتدار حکام کے کانوں تک جو کلمہ پہنچایا گیا ہے وہ سراپا بے بنیاد ہی۔ ان ملاؤں کی آپکے قرب کی وجہ سے جو عین آپکے ملک کے پاس ہے اور اب سرحدی لائن کی وجہ جو برٹش گورنمنٹ کی حدود میں ہے۔ میں ان دلائل پر اور کیا ایزاد کر سکتا ہوں۔

(بذریعہ تار) منجانب صاحب کمشنر و سپرنٹنڈنٹ پشاور ڈویژن بخدمت قائم مقام چیف سکرٹری گورنمنٹ پنجاب مورخہ ۴ اگست ۱۸۹۷ء۔

مینے کرنل اسلم خاں کو بلوایا تھا۔ وہ کل جمرود سے یہاں آیا اور اسکے ساتھ مشورہ

کر لیجے بعد ہم جنرل ایلس کے پاس گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم تینوں کی یہی متفقہ رائے قرار پائی ہے کہ گو حالات ایسے ہو رہے ہیں جیسے کہ میرے تاریخ کے پیغام میں درج تھے تاہم خیبر رائیفل فوج درہ کی چوکیوں ہی اپنے ہاں کو اور جمرود کو نہ بلوائی جائے کیونکہ اس سے معاً یہ نتیجہ نکلیگا کہ ہم نے درہ کو چھوڑ دیا ہے اور رفتے فوراً علی مسجد اور لنڈی کوتل کی چوکیوں کو غارت کر دینگے۔ ہماری سب کی یہی رائے ہے کہ ہم خیبر رائیفل پر اسکے دیسی افسروں کے ماتحت انتہا تک اعتبار کریں۔ اور اگر وہ ہمیں چھوڑ بھی جائیں۔ اور ہمارے اسلحہ اور سامان حرب و ضرب بھی لیئے جائیں۔ تاہم ہم ایسا برا نہیں ہے جیسا کہ ہمارا بے اعتباری کا کوئی تجربہ کرنے سے پہلے اسکو جمرود میں بلوانا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ابھی ہم میدان سے نکل گئے ہیں۔ لیکن ہر ایک ان کی بہت انگاہی اس میں غلط اندازی کو زیادہ ترلید قیاس کر رہی ہے کرنل اسلم خان کا خیال ہے کہ اگر ہم افواج لنڈی کوتل اور علی مسجد میں چھوڑ دیں تو یہ تیراہ میں تمام مباحثوں کو ختم کر دیگا۔ لیکن جنرل ایلس اور میں محض خیبر کی چوکیوں اور سڑک کی حفاظت کے واسطے یہ کارروائی کرنے کی طرف مائل نہیں ہیں۔ علاوہ اسکے اگر افواج درہ میں مقیم رکھی جائیں تو انکی بہم رسانی خوراک کا سوال ٹیڑھا ہی رہیگا ہو جائیگا۔ کیونکہ ہمیں سب کچھ بجز گھاس اور لکڑی کے جو علی مسجد میں ملسکے گی پشاور سے بھیجنا پڑیگا۔ پولیٹیکل نظر سے بھی میرا خیال یہ ہے کہ ملکوں کو کسی بالائی مدد کے بغیر اپنے اقراروں کے مطابق عمل کرنے دیا جائے۔

ترجمہ چٹھی منجانب ہز ہائینس امیر صاحب افغانستان بخدمت ہز ایکسیلنسی وائسرائے ہند مورخہ ۱۹۔ اگست ۱۸۹۷ء

بعد مراسم۔ میں یور ایکسیلنسی کو اس امر سے مطلع کرنیکا فخر حاصل کرتا ہوں کہ میرے

پاس مسٹر آربانڈ نے کمشنر پشاور کا خط مورخہ ۱۳۔ اگست ۱۸۹۶ء وارد ہوا ہے۔

× × × × × × × × × × × × × × × ×

جب صاحب کمشنر کی چٹھی مذکور جسمیں انہوں نے یور ایکسلنسی کی ہدایات درج کی ہونگی تہیں مجھے موصول ہوئی۔ تو مینے اُسکے جواب میں اُنکو صحیح حالات لکھے تھے اور صدق دل اور اتحاد سے لکھے تھے۔

مشفق من۔ یہ صاحب کمشنر کی چٹھی کی حقیقت مندرجہ مع اُس جواب کے ہے جو مینے اُنکو لکھا ہے۔ اور اب میں یور ایکسلنسی کی اطلاع کے واسطے لکھتا ہوں۔

اگر جھوٹے بیانات اور مصنوعی رپورٹوں کی دوستانہ طور پر تحقیقات کیجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ اِن دونوں گورنمنٹوں کے ارتباط یکجہتی اور اتحاد ہمیشہ زیادہ تر مربوط ہوتے جائینگے۔

معہٰذا میں آپکو اطلاع دیتا ہوں کہ مجھے ملا نجم الدین ساکن ہڈا کی ایک دستخطی چٹھی ملی ہے جو اس نے بطور اعلان کے ننگرہار کے لوگوں کو تحریر کی تہی اور جو اس قسم کی اُن چٹھیات میں سے ایک ہے جو اُس نے ملک کے دیگر حصوں میں فرقوں کو بہیجی ہیں میں یہہ چٹھی جو بطور اعلان کے ہے بجنسہ ایک لفافہ میں علیحدہ بند کرکے اس لفافہ کے اندر بہیجتا ہوں جسمیں یور ایکسلنسی کے نام میری چٹھی بند ہے اور جو میری اپنی قلمی تحریر ہے۔

محب من۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اسنے ایسی صدہا چٹھیاں اپنے معتقدوں کے نام افغانستان کے فرقوں کو بہیجی ہونگی۔ لوگ بہی اسکو اپنے نبی کا رتبہ دیتے ہیں ملا اور اسکے پیروؤں کا بھی حال ہے جو مینے اوپر بیان کیا ہے۔

ترجمہ چٹھی منجانب پولٹیکل ایجنٹ کابل بخدمت ہز ہائینس میر صاحب افغانستان

مورخہ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۲- اگست ۱۸۹۷ء-

بعد آداب و کورنشات- بموجب اُن معلومات کے جو یور ہائینس کے شاہ غاسی کی وساطت سے حاصل ہوئے ہیں- میں عرض پرداز ہوں کہ مینے یہہ افواہ سنی ہے کہ بگمیان غازبین- اور سوربین وغیرہ کے لوگ غازی ہونے کے واسطے مُلّا ہڈا کے ساتھ شامل ہونیوالے ہیں- اور مینے یہہ بھی سُنا ہے کہ خان لالپورہ اُسکو آرد- گھی- اور دیگر اشیاء سے مدد بہم پہنچا رہا ہے- جو اِس غرض کے واسطے مختلف دیہات سے جمع کیا جاتا ہے-

مینے یہہ بھی سُنا ہے کہ باقاعدہ افواج کے بعض آدمی جو اِس وقت اسمار میں مقیم ہیں- ایسا ہی کرنیوالے ہیں- اگر یور ہائینس مناسب سمجھیں تو کوئی ایسا انتظار فرمائیں کہ زیادہ تر لوگ مُلّا ہڈا کے ساتھ شامل ہونے سے رُک جائیں-

---

ہز ہائی نس امیر صاحب کا برٹش ایجنٹ کو جواب-

بعد ما وجب- جشن متحدہ کے روز آپ بھی موجود تھے اور اِس موقعہ پر مینے جو کچھہ کہا تہا وہ آپنے خود سن لیا تہا-

مسلمان مُلّا کے صدق دل سے عقیدتمند ہیں لیکن میرے خوف سے اُسکو کسیطرح برملا نہیں دیسکتے- لیکن میں اِس مدد کی نسبت کچھہ نہیں کہہ سکتا- جو وہ خفیہ دیسکتے ہیں-

یہہ خبر صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر مُلّا کے پیرو اُسکی مدد نہ کریں تو اُسکو کھانے کے واسطے کسیطرح خوراک ملسکتی ہے؟ تاہم میرے ڈر سے اِسکے معتقد بہی اُسکو علانیہ کوئی شے نہیں دیسکتے- یعنی ننگرہار میں تمام افسر میرے نام مدح اپیلیں جاری کر رہے ہیں اور وہ خفیہ تجہیز کی کر رہے ہیں-

مُلّا کے ایک مرید نے جو لمکان میں رہتا ہے اور مُلّا کا خلیفہ ہے لمکان کے باشندوں

کو بہکا کر پانسو آدمی جمع کر لیئے تہے سب منتشر کر دیئے۔ اور انہیں سے چالیس گرفتار کر لیئے خلیفہ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتہہ بہاگ گیا ہے۔ لیکن اسکی گرفتاری کے واسطے تدابیر عمل میں لائی جا رہی ہیں نجم الدین کے ہزارہا مرید اور خلیفے افغانستان میں موجود ہیں۔ حتی الامکان میں انکی حرکات وسکنات کی نگہبانی کرونگا انشاء اللہ تعالیٰ وہ کھلے طور پر کچہہ بہی نہیں کر سکتے۔ لیکن جو کچہہ خفیہ کیا جائے اسکا روکنا میرے امکان سے باہر ہے۔ کیونکہ اگر میں کسی شخص کو شبہہ میں گرفتار کروں تو وہ فوراً اس طرح کی شمولیت سے انکار کریگا۔

اس طرح کوئی شخص علانیہ کچہہ نہیں کرسکتا۔ اور میں انکو شبہہ میں قابو نہیں کر سکتا ملا۔ اسکے خلیفوں مریدوں کے بہی حالات ہیں جو میں نے اوپر بیان کیئے ہیں۔

انکے کوئی علانیہ مخالف کارروائی کرنیکا مطلق اندیشہ نہیں ہے اگر انہوں نے کچھ کیا ہے تو خفیہ کیا ہوگا۔ وہ میرے خوف سے برملا کچہہ نہیں کرسکتے۔ یہی حالات ہیں جو اب تحریر کرتا ہوں۔

منجانب ہز اکسیلنسی وائسرائے وگورنر جنرل ہند بخدمت ہز ہائینس امیر صاحب افغانستان جی۔ سی۔ بی۔ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ مورخہ ۶ستمبر ۱۸۹۷ء

بعد مراسم آداب میں اپنی چٹہی مورخہ ۲۳۔ اگست میں جو یور ہائینس کیجانب تہی آپکی چٹہی مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۸۹۷ء کا جو صاحب کمشنر پشاور کے نام تہی صادر ہونیکا تذکرہ کر چکا ہوں۔ جسمیں یور ہائینس سرحد ہند پر فساد میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ اب میرے پاس یور ہائینس کا دوسرا عنایتنامہ مورخہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۹۔ اگست ۱۸۹۷ء صادر ہوا ہے جو کوئٹہ ملک بلوچستان کی راہ سے بہیجا گیا ہے۔

اس چٹھی کے ساتھ یور ہائینس نے مجھے اعلان کی ایک چٹھی بھیجی ہے۔ جو ملا بڈا نے ننگرہار کے لوگوں کے نام جاری کیا تھا۔ میں یور ہائینس کا یہہ معلومات بھیجنے کی تکلیف اٹھانیکا مشکور ہوں۔ میں پہلے ہی یہہ اعلان دیکھ چکا ہوں۔ اور مجھے اطلاع ملی تھی کہ اس شخص کو جسے یہ ہی والی کاپی حاصل کیگئی تھی۔ ملا کا یہہ اشتہار یور ہائینس کے عامل نے دیا تھا۔

میں تہ دل سے یور ہائینس سے اتفاق کرتا ہوں کہ "خود غرض لوگوں کے جہوٹے بیان کو اور مصنوعی رپورٹوں کی دوستانہ طور پر تحقیقات ہونی چاہئیے اور کسی ایسی رپورٹ کی پیش بندی کے خیال سے جو یور ہائینس کے گوشگذار کیجائے میں آپکو مطلع کرنے کے لیئے لکھتا ہوں کہ میری افواج ملا ہاڈا اور اسکے لشکر کی تلاش اور اسکو منتشر اور تباہ کرنے کے واسطے مہمند ہی ملک میں داخل ہونے والی ہیں۔ اس چٹھی میں جو یور ہائینس نے ۲۸ ربیع الاول کو صاحب کمشنر پشاور کے نام لکھی تھی۔ یور ہائینس نے بیان کیا ہے کہ ملا نجم الدین نے اب ایسے ملک میں رہائش اختیار کی ہے۔ جو کابل سے خود مختار ہے اور پشاور کے پڑوس میں ہے۔

یور ہائینس نے یہہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "میں اس بارہ میں دلائل مذکور پیدا اور کیا ایزاد کرسکتا ہوں بلحاظ اسکے ملا آپکے قریب ہی ایسے ملک میں ہے جو سرحدی لائن کے مطابق برٹش گورنمنٹ کی حدود میں ہے"۔

بیشک یہہ صحیح ہے کہ ملا نے ایسے ملک کی حدود کے اندر معاندانہ کارروائی کی ہے جسکا برٹش حدود کے اندر داخل ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر وہ میری افواج کو وہاں ملگیا تو وہ جلد اپنے کیئے کا خمیازہ اٹھائیگا۔ لیکن میں نے سنا ہے کہ ملا نے موضع جاروبی میں بود و باش اختیار کی ہے۔ لیکن یور ہائینس کو معلوم ہے کہ ملک کا وہ حصہ ویران جنگل ہے جسکی ابتک پیمائش نہیں ہوئی اور نہ اس طرف مستقل طور پر سرحدی مینار قایم کیئے گئے ہیں

جو حسب منشا میری چٹھی مورخہ ۲۱ نومبر ۱۸۹۶ء کے افغانستان کی حدود میں آئیگا
یور ہائینس اس امر میں میرے ساتھ متفق الرائے ہونگے کہ چونکہ اس شخص نے برٹش
گورنمنٹ کو ایسی ہی تکلیف دی جیسی کہ یور ہائینس کو لہذا مناسب ہے کہ یہ اپنی
کیفر کردار کی سزا پانے کے بغیر نہ رہے۔ اگر ملا میری فوج کے پہنچنے سے پہلے چارمنگ
یا کسی دیگر ایسے ہی مقام کو بھاگ گیا تاہم میری فوج کو اختیار ہوگا کہ انتہا تک
اسکا تعاقب کرکے اسکو اور اسکے مسکن کو تباہ کرے۔ میں نہیں چاہتا کہ یور ہائینس کی
فوج کیطرف سے کسی ایسی کارروائی کو جسکے خلاف حکم بھیجیں۔ جو کچھ میں نے [illegible]
میں طے کیا ہوا ہے میرا یہ ارادہ نہیں ہے کہ میری افواج اسمار میں
ٹھہریں۔ اور وہ یقیناً اس سے آگے نہیں بڑھیں گے جسقدر کہ وہ مدعا جسکے واسطے
بھیجے جاتے ہیں پورا کرنیکے لیے ضروری ہوگا۔ قطع نظر اسکے اگر ملا وادی کنارہ
میں پہاڑوں کے پار بھاگ گیا تو میری افواج کو حکم ہے کہ اسمار سے آگے نہ بڑھیں
لیکن مجھے یور ہائینس سے توقع ہے کہ آپ اپنے اہلکاروں کو ہدایت فرمائینگے کہ وہ اسکے
ساتھ ایسا سلوک کریں جسکے وہ لائق ہے۔ اور اسکو معاندانہ کارروائی کے واسطے
فرقوں کو ابھارنے کا موقع نہ دیں۔

میں نے یور ہائینس کے ساتھ خط و کتابت کرنے میں ہمیشہ صاف دلی سے کام لیا ہے
تاکہ کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہ ہو اور میں امید کرتا ہوں کہ یور ہائینس بھی سمجھیں گے
کہ اس موقع پر بھی میری ایسی ہی دلی تمنا ہے۔

چٹھی منجانب برٹش ایجنٹ کابل بخدمت صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہند
فارن ڈیپارٹمنٹ مورخہ ۱۸۔ اگست ۱۸۹۷ء۔

کل بعد دوپہر میں بالا باغ میں ہز ہائینس امیر صاحب کے سالانہ دربار میں شامل

ہوا جو ہز ہائینس کے مذہبی خطاب ضیاءالملت والدین لینے کی تقریب سے ہوا تھا۔ یہہ بار بہت بھاری تھا۔ اسمیں سول و ملٹری افسر اور دیگر اصحاب شریک تھے۔ ملک کے مختلف حصوں سے بڑے بڑے خان اور ملا بھی اسمیں شریک ہونیکے لیئے مدعو کیئے گئے تھے۔

قریباً چار بجے شام کے ہز ہائینس امیر صاحب نے تمام درباریوں کو اپنے پاس بلوایا۔ اور سب سے پہلے مجہہ سے دریافت فرمایا کہ آیا ملا ہڈا کی بغاوت کی نسبت میرے پاس صاحب کمشنر کی کوئی چٹھی پہنچی ہے؟ چونکہ میرے پاس کوئی چٹھی نہیں پہنچی تھی لہذا میں نے نفی میں جواب دیا۔ اسکے بعد ہز ہائینس امیر صاحب نے ہز ایکسیلنسی حضور والیسرائے کی تار کا ترجمہ پڑھا۔ جو صاحب کمشنر پشاور کی وساطت سے پہنچا تھا۔ اور اسمیں ملا ہڈا کی بغاوت وغیرہ کے حالات درج تھے۔

جب ہز ہائینس امیر صاحب نے اس تار کا آخری حصہ پڑھا تو اسکا انکے دل پر بہت اثر ہوا۔ جسکا ماحصل یہہ تھا کہ جنرل غلام حیدر خاں سپہ سالار نے بعض سپاہیوں کے شنیقدر میں ایک سرکاری موضع جلانے میں مدد دینے سے جس سے سخت نقصان لاحق ہوا مساعدت کی۔ لہذا اسکو سپہ سالاری پر کسی دوسری طرف بھیجا جائے۔ اور جو مساول وغیرہ کے رہنے والے لوگ ملا سے جا ملے ہیں۔ وہ واپس طلب کیئے جائیں۔ ورنہ ہز ہائینس امیر صاحب انکی کارروائیوں کے ذمہ دار ہونگے۔

امیر صاحب نے اپنی تخت نشینی کا پرانا افسانہ دہرایا ہے۔ اور اسکے متعلق سب واقعات بیان کیئے۔ اور تمام حاضرین کو یقین دلایا کہ میں ہمیشہ اپنے قول و اقرار پر قائم رہا ہوں۔ اور میری خواہش کبھی برٹش گورنمنٹ کے خلاف کارروائی کرنے کی نہیں ہوئی اور میں نے کبھی اپنے سپاہیوں یا رعایا کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر کوئی باغیانہ کام کرنیکی ترغیب و تحریص دی ہے۔

اپنی اس سپیچ کے دوران میں انہوں نے یہہ بھی بیان کیا کہ وہ کوئی بہانہ

تلاش کر رہے ہیں"۔ جس سے شاید یہ مراد تھی کہ گورنمنٹ ہند انپر کوئی الزام عائد کرنیکا موقعہ تلاش کر رہی ہے۔ اور اسکے ساتھہ پھر فارسی تمثیل پڑہی۔

ندانی کہ چوں گربہ عاجز شود برارد بچنگال چشم پلنگ

جہانتک انہوں نے حاضرین کو مخاطب کیا اس سے ظاہر تہا کہ انہوں نے اپنی رعایا یا سپاہیوں کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ پر آنیکا کوئی ایماء نہیں کیا تہا۔ اور انہوں نے تمام مجمع کے روبرو ایک سے زیادہ دفعہ حلف اٹھائی کہ انہوں نے برٹش گورنمنٹ کے ساتھہ ہمیشہ ارتباط و اتحاد قایم رکہی۔ اور کبہی اسکی برائی نہیں چاہی۔

ترجمہ چٹھی ہز ہائینس امیر صاحب افغانستان بخدمت ہز اکسیلنسی حضور وایسرائے

مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۸۹۷ع۔

بعد مراسم۔ یور اکسیلنسی کا شفقت نامہ مورخہ ۳۰ اگست ۱۸۹۷ء صادر ہوا کوائف مندرجہ معلوم ہوئے جو حسب ذیل تہے۔

مینے یور ایکسیلنسی کی چٹھی کے محبت آمیز فقرات کا مفہوم سمجہا ہے۔

اِس خبر کی نسبت جو یور اکسیلنسی کے پاس اسبارہ میں پہونچی ہے کہ میری رعایا کے لوگ علانیہ جمع ہو کر جھنڈوں اور ڈہولوں کے ساتھ دریائے کابل گذر کر ملا ہڈا کی پارٹی کے ساتھ جاملے ہیں۔ اور معرکہ شبقدر کی بعد اپنے مردے لیکر اور اپنے زخمیوں کو امداد دیکر اپنے اپنے مقامات کو لوٹ چلے گئے ہیں اور یور ایکسیلنسی چاہتے ہیں کہ میں اپنے مقامی افسروں کو حکم دوں کہ وہ میری رعایا کو سرحد گذر کر برٹش گورنمنٹ کے خلاف کسی بدنیتی سے ملا ہڈا کے ساتھہ شامل ہونے سے روکیں۔ بلکہ دریائے کابل کے ساتھہ ساتھہ اور دیگر مقامات کے لوگوں کو دریا گذرنے سے روکنے کے واسطے پہرے تعینات کریں۔ محب من یور ایکسیلنسی کے تحریر کرنے کے بعد کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا

یعنی کہ افغان رعایا مانہ تو علانیہ جمع ہوئی ہے - اور نہ لہرائے ہوئے جھنڈوں کے ساتھ سرحد پار ہوئی ہے - اصلیت واقعات یہی ہے جو میں یور ایکسیلنسی کو اپنی پہلی چٹھی میں بتا چکا ہوں - ملا نجم الدین ساکن جاروبی نے اپنے مکر و تزویر کا جال پھیلا کر مختلف افغان فرقوں کے لوگ اپنے مرید بنا لیئے ہیں - اور وہ اسکے احکام کی بدرجہ غایت تعمیل کرتے ہیں - ان ایام میں جبسے وہ باعث ضرر اور فساد ہوا ہے اسنے ہر طرف چٹھیاں بھیجکر تمام لوگوں کو اپنے ساتھ شامل ہونے کو بلایا ہے - یعنی اسکی ایک چٹھی بہم پہنچا کر یور ایکسیلنسی کے ملاحظہ کے واسطے بھیجی تھی - جو کچھ عرصہ سے یور ایکسیلنسی کے پاس پہونچ چکی ہوگی -

میں نے اپنے مقامی افسروں کو حکم دیا ہے کہ حتے الوسع افغان رعایا کی نگہبانی کریں اور اسکو ملا مذکور کے ساتھ شامل ہونے نہ دیں - اس طرح ممکان (رگمان) کے لوگوں نے قریباً ۳۰ ہزار آدمی جمع کر کے جھنڈے تیار کیئے تھے - لیکن جب افسروں کے پاس میرے احکام پہنچگئے انہوں نے حتی المقدور کوشش کر کے انکو منتشر کر دیا - اور وہ سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے - بلاشبہہ سرحدی اخبار نویس نے یور ایکسیلنسی کو اسکی اطلاع دی ہوگی -

میری سلطنت کا کوئی آدمی علانیہ ایسا نہیں کرسکتا تاہم انمیں سے بعض ملا کے بہت معتقد ہیں - اور ممکن ہے کہ انہوں نے رات کیوقت چوروں کیطرح گمنام سڑکوں سے اسکا ساتھ دیا ہو - ایسے وسیع ملک میں راتوں کے وقت چوروں کی نگہبانی کرنا کسطرح ممکن ہے -

یور ایکسیلنسی لکھتے ہیں کہ دریاء کابل کے ساتھ ساتھ اور دیگر سڑکوں پہ پہرے تعینات کیئے جائیں تا کہ کسی کو دوسری طرف جانیکی اجازت نہو -

میرے عنایت فرمائے من ایسا انتظام صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ قریب

۱۰ ہزار سپاہی اس ضلع کے تمام پہاڑوں کی چوٹیوں اور دریا کے گذرگاہوں پر تعینات ہوں بجز ایسے احکام کے ہیبات تعمیل ہونی ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کو روکنا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے جو ان سے بخوبی واقف ہیں؟ اگر مشہور و معروف سڑکوں پر انکے واسطے پہرے تعینات کیئے جائیں۔ تو وہ اپنی واقفیت کیوجہ سے پہاڑوں اور ریگستانوں کے بیچ سے سرحد کو گذر جائیں گے تاہم مقامی اہلکار حتی الامکان نگھبانی کر رہے ہیں۔ اور فرقوں کے لوگوں کی علانیہ حرکات کو خوب دیکھتے رہیں گے۔

ان مقتولوں اور مجروحوں کی نسبت جو یور ایکسیلنسی فرماتے ہیں کہ یہ لوگ معرکہ شبقدر کے بعد اوٹھا کر گئے ہیں میں عرض گذار ہوں کہ اگر وہ مردوں کو خفیہ اٹھا لائے ہیں۔ تو اب انکا سراغ ملنا محال ہو گیا ہے۔ اگر مجروحوں کی نسبت سوال کیا جائے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے فرقہ کے ساتھ ہمیشہ لڑتے رہتے ہیں اور مجروحوں کو اس طرح زخم آئے ہیں اور چونکہ وہ لوگ بھی انہیں کے آدمی ہیں۔ لہذا انکا بیان برعکس ثابت کرنا ناممکن ہے۔

یور ایکسیلنسی نے بنظر شفقت مجھے بتایا ہے کہ سرحدی فساد بلا اشتعال برپا ہوئے ہیں اور ان فرقوں کو سزا دینے کے واسطے فوج تعینات کیگئی ہے کہ جنہوں نے ملاکنڈ اور چکدرہ کے حملہ میں حصہ لیا۔ یہ فوج بالائی وادی سوات تک گئی تھی۔ جہاں اسنے فرقوں سے اطاعت قبول کرائی ہے۔ ان آفریدیوں نے جو کئی سالوں سے برٹش گورنمنٹ کے ساتھ عہد و پیمان کیئے ہوئے ہیں۔ عناد پر تلے بیٹھے ہیں۔ اور جو شخص اس کارروائی کا بانی اور ذمہ وار ہے۔ وہ ملا سید اکبر اور اکاخیل اور ملک بشیر ملک دین خیل ہیں۔ ان لوگوں نے خیبر میں بعض چوکیاں جلا دی ہیں۔ سڑک غیر محفوظ پڑی ہے۔ جہاں سے کوئی قافلہ نہیں گذر سکتا۔ اسلئے موجودہ حالت میں قیمتی مال۔ بالخصوص جنگی ذخائر کا بھیجنا ملتوی کرنا ضروری ہے۔ آفریدیوں کو سز

دیگر فرقوں کو جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کی چوکیوں پر حملہ کیا ہے۔ ایسی عبرتناک سزا دیجائیگی جو برٹش گورنمنٹ کی فضیلت کو نمایاں طور پر مشہور کرے۔

میں نے اِن حالات کے واقعات سمجھ لیئے ہیں جنکی ہز ایکسلنسی نے تصریح کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ جن فرقوں نے فساد برپا کیا ہے اور جنہوں نے جنگی سامان اور اسلحہ کے بغیر گورنمنٹ کے مقابلہ پر معاندانہ کارروائی شروع کر دی ہے وہ منتشر اور پائمال کیئے جائیں گے۔

میں اُنمیں سے بعض لوگوں کو ملا تھا اور اُنسے بطور نصیحت کے دریافت کیا تھا کہ وہ کیوں ناموربرٹش گورنمنٹ کا مقابلہ کرنے سے نقصان اُٹھاتے ہیں اور اپنے آپ کو اضحوکہ روزگار بناتے ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہہ کارروائیاں سخت مایوسی کی حالت میں جسکے ہم مورد ہیں کرنیکے بغیر چارہ نہ تھا اور اُنہوں نے حسب ذیل حالات بیان کیئے یعنی کہ ماقبل سالوں میں ناموربرٹش گورنمنٹ کیطرف سے ہمارے ساتھہ پختہ وعدہ تھا کہ ہم قوم اِنہیں گورنمنٹ کی پابندیوں سے مستثنے رہیں گے۔ اور اپنے ملک میں آزادی سے بسر کرینگے اور جب اِس گورنمنٹ عظیم کیطرف سے ہمارے پاس ایسے احکام پہونچے۔ ہمارا کلی اطمینان ہوگیا تھا۔ اور ہمنے کوئی ٹیکس کسی شخص کو ادا نہ کیا لیکن اب ہمیں ہماری افسروں نے گورنمنٹ کی اِن احکام کی پرواہ نہ کرکے جو ہمارے نام جاری کیئے گئے تھے ہمارے ملک میں سڑکیں بنانی شروع کیں اور پھر ہم سے مالیہ مانگنے لگے۔ اور ہمیں جرمانہ وغیرہ کیئے جتنے کہ ہمارے ساتھہ ایسا ہی سلوک ہونے لگا جیسا کہ ہندوستان کے پرانے باشندوں کے ساتھہ ہوتا ہے۔

پہاڑی مقامات کے لوگ عموماً غریب ہوتے ہیں اور اُنکے پاس کوئی جائداد نہیں ہوتی۔ لہذا ہم مرنے پر تیار ہوگئے ہیں۔ اور ہماری صرف یہی خواہش ہے کہ سرحدی فرقے اِس معاہدہ کے مطابق کاربند ہوں جو گورنمنٹ ہند ہم سے کرچکی ہے۔ تب میں نے اُنسے کہا کہ اپنے بیانات کی تائید کے واسطے کوئی " سند "

پیش کریں۔ اور انہوں نے کئی ایسے چھپے ہوئے اعلان دکھائے جو عظیم الشان گورنمنٹ ہند نے ان فرقوں کو آزادی قائم رکھنے کی نسبت جاری کیئے تھے۔ چونکہ مینے حالات مذکور بعض متذکرہ بالا فرقوں سے لیئے ہیں اور بعض اعلان بھی دیکھے ہیں جو انکے قبضہ میں تھے لھذا مینے یور ایکسیلنسی کی اطلاع کے طور پر ایزاد کرتا ہوں۔ ظاہر ان لوگوں کی شکایتیں ہند کے سرحدی مقامی افسروں کی نسبت ہیں ممکن ہے کہ یور ایکسیلنسی کے پاس بھی ایسے حالات پہنچے ہوں۔

لھذا سڑک خیبر کے بند ہونے اور بعض ملاؤں کی ترغیب سے اسکے غیر محفوظ رہنے کی نسبت یور ایکسیلنسی نے مجھے ان بواعث سے اطلاع دی ہے جو درہ کے بیچ سے مال تجارت اور بالخصوص قیمتی مال اور جنگی ذخائر کی ترسیل کے مانع ہو رہے ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ یہہ خود مختار فرقے لوٹ لیتے ہیں چنانچہ کچھ عرصہ گذرا ہے کہ محمد حسین عامل ڈکہ کو بعض کشمکش اور بکریوں کے خام چمڑوں کی قافلہ یا مختنی کا اہتمام سپرد کیا گیا تھا۔ لیکن بعض شریر مال مذکور چھین کر لیگئے۔ اور ایک قافلہ سوداگران کا چھ لاکھ روپیہ لیجا رہا تھا۔ اور وہ ڈکہ میں پہنچ چکا تھا۔ مگر بسبب ڈاک کا یہہ محال دیکھکر ڈکہ سے واپس بلوایا گیا تھا۔

اسلیئے مینے یہہ اہتمام کیا ہے کہ جو شئے بھیجنی ضروری ہو وہ سڑک خیبر کے پھر کھلنے تک کراچی اور ہرات کی راہ سے روانہ کیجائے۔

علاوہ اسکے یور ایکسیلنسی اس فسانہ کا حال لکھتے ہیں جو بعض مختری لوگوں نے اس قسم کا گھڑ لیا ہے کہ پشاور میں جو افواج جمع ہیں وہ کابل پر حملہ کرنے کے واسطے ہیں اور کہ گورنمنٹ ہند میری مدد کیلئے معاہدہ پر اعتماد از دو قرارت سے قائم رہیگی میرے پیارے مہربان ایسی خودغرض اور احمق آدمی ہر ایک جگہہ ملتے ہیں۔ اور جو کچھ انکے ذہن میں آتا ہے لکھتے پھرتے ہیں۔ لیکن ایسے احمقوں کے بیانات کو

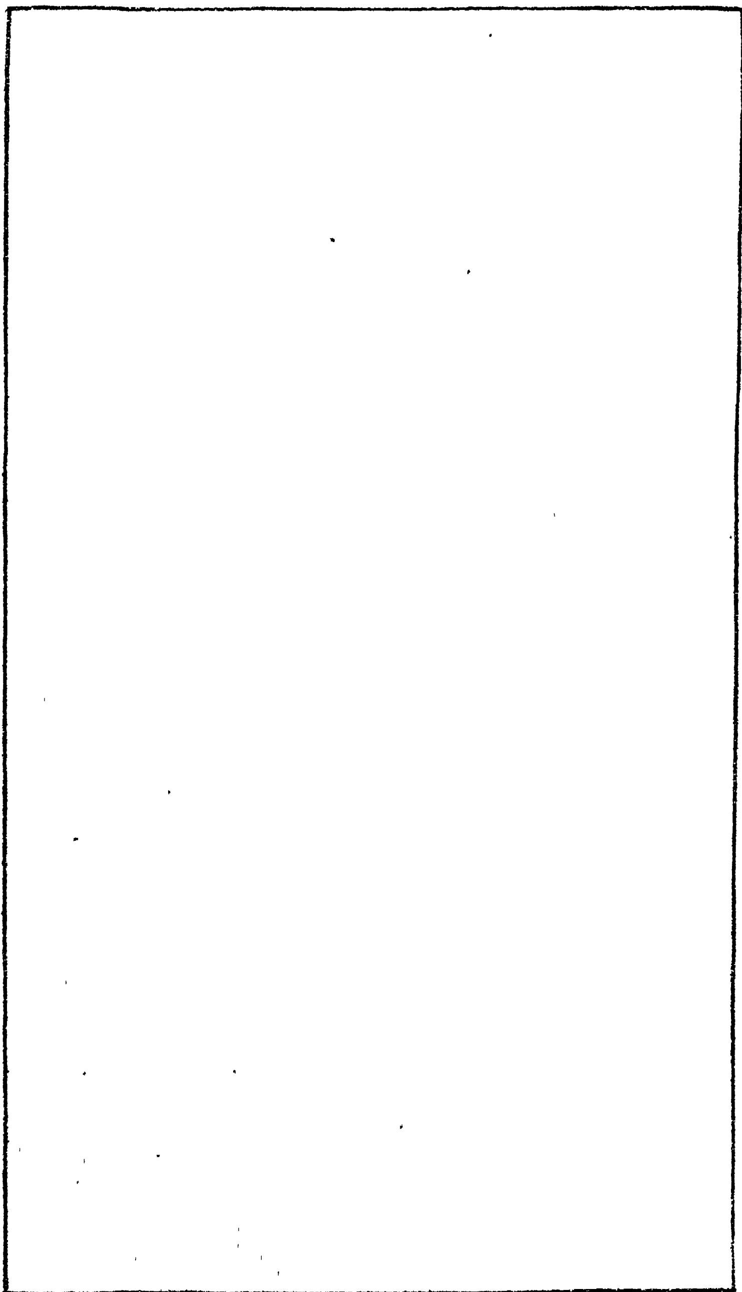
کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ جو صرف بیرونی باتوں کو دیکھتے ہیں اور ہمیشہ ضرر رسانی کے درپے رہتے ہیں۔ پشاور ایک ایسا مقام ہے جو گورنمنٹ کے قبضہ میں ہے۔ اور گورنمنٹ کو اختیار ہے کہ جو انتظام یا تدبیر چاہے عمل میں لائے۔ اِس طرح ہماری دو نوں گورنمنٹوں کو ایسی تدابیر پر عمل کرنیکا اختیار ہے جو وہ اپنی ممالک کے واسطے ضروری خیال کریں۔ لهذا ابتک کوئی ایسا معاملہ ظہور میں نہیں آیا جو ایسی غیر ضروری ترمیمات پیدا کرنیکا موجب ہوں۔ اگر ایسا ہی ہونا خیال کیا جائے تو سب سے پہلے اِسطرف سے اسکی وجہ دریافت کرنی ہوگی۔ جہاں یہ وقوع میں آئی۔

اگر یہہ معاملہ ایسا ہو کہ اسکے واسطے خط وکتابت ضروری ہو تو بیشک خط وکتابت ہونی چاہیئے۔ ورنہ خود غرضوں کی باتوں سے کیوں کان آشنا کیئے جائیں۔

اسی طرح جسطرح کہ یور ایکسیلنسی نے تحریر کیا ہے جبتک برٹش گورنمنٹ خیالات عمدہ اتحاد اور یگانگی مشعر اتحاد و اتفاق دولت خداداد رکھتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہمیں بھی پورے وثوق کے ساتھ حسب شرائط عہد نامہ نامور برٹش گورنمنٹ کے اتحاد پر ثابت قدم ہوں۔ اِن شتروں کی نسبت جو وزیری ریزرو فوج سرکار کے چورا کر لیگئے اور خوست میں لا کر باشندوں کے پاس فروخت کر گئے میں مطلع کرتا ہوں کہ سردار شیر بندل خاں نے مالکوں کو اُنکے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے اگر یور ایکسیلنسی اُنکے واپس لینا ضروری خیال کریں تب چونکہ باشندگان خوست نے وزیری چوروں سے قیمتاً خرید کیئے ہیں لهذا اُنکو قیمت مروجہ ادا کر کے اونٹ اُنسے واپس لیئے جائیں تاکہ خوست کے غریب لوگوں کا نقصان نہ ہو۔

ترجمہ چٹھی امیر افغانستان بخدمت ہز ایکسیلنسی حضور وائسرائے مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۸۹۶ء

بعد مراسم اتحاد - میں یور اکسیلنسی کو اطلاع دیتا ہوں کہ یور اکسیلنسی کا الطاف نامہ مورخہ ماہ حال شرف صدور لایا اسمیں لکھا ہے۔ اول ملا مذکور میرے ملک میں داخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسنے بیجا کارروائی کی ہے۔ لیکن اگر وہ پھر بھی آئے میں اسکو اپنے ملک سے نکال دوں تاکہ وہ عرب کو چلا جائے۔ کیونکہ وہ بہت شریر شخص ہے مگر یور اکسیلنسی کی فوج کو بہت پیشقدمی نہیں کرنی چاہیے تاکہ حدود کنار کے اندر یا اُن افواج میں جو کنار میں ہیں کوئی اضطراب پیدا نہ ہو۔ ملا بڑا مکار ہے اسکو ننگرہار کے لوگوں اور افواج کو جو شہر میں انکا موقعہ نہ ملے احتیاط ضروری ہے۔ مبادا کہ گورنمنٹ عظیم کی افواج پیشروکس میں کوئی جوش اور کھلبلی نہ مچائیں اور ملا لوگوں کو جوش دلا کر باعث فتور نہ ہو۔ اسی ضلع کے باقی حصہ کی نسبت جہاں سرحد قائم نہیں کیگئی یور اکسیلنسی لکھتے ہیں کہ اسکا تا جار جو بلی حدود افغانستان میں واقع ہے۔ چونکہ اِن مقامات کی نسبت تاحال کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ لہذا بیشک ویسا ہی ہوگا جیسا کہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔



ضمیمۂ چہارم

امیر افغانستان

[یہ مضمون سر لیپل گریفن صاحب نے اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدات پر مشتمل رسالہ نارتھ امیریکن ریویو میں طبع کرایا تہا اور اب انگریزی سے ترجمہ کیاجاتا ہے ۔ ایڈیٹر]

فی الحال جبکہ روس اپنے لمبے ہاتہہ افغانستان کی حدود کیطرف پہیلا رہا ہے اور امیر عبدالرحمن خاں کو برٹش کمانڈر انچیف کے ساتہہ گفتگو کرنیکے لیئے بلایا گیا ہے مجہہ سے تحریک کی گئی ہے کہ اس مشرقی فرمانروا کے گذشتہ حالات پبلک کے سامنے پیش کروں تاکہ انگریز بخوبی سمجہہ لیں کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے اور آیا اُس کا مستقل ارادہ ہے کہ انگلینڈ اور روس کے مابین براعظم ایشیا میں برتری حاصل کرنیکے لیئے جو جنگ جدل بالضرور ہونیوالا ہے خواہ وہ ایک دوسرے کی بہ دانشت استیاد زمعقول تیاریوں کے باعث کتنی مُدت تک ملتوی ہے اسمیں وہ اپنی قسمت کو انگریزوں کے ساتہہ شریک کریں ۔ اصل بات یہ ہے اِن امور میں مینے کوئی نیا تذکرہ نہیں کرنا یعنی امیر صاحب کو ۱۱ - اگست ۱۸۸۱ء سے مطلق نہیں دیکھا - اس وقت ایک طول طویل اور متردد عہد و پیمان کے خاتمہ پر جبکہ وہ افغانستان کے بادشاہ تسلیم ہوچکے تہے - شہر کابل کی فصیل تک پہنچے تہے اور جنرل سر ڈونلڈ

سٹیورٹ نے شاہی عروج سے استقبال کیا۔ اور انکی ملاقات کے بعد ہم فی الفور لشکر کے پیچھے روڑے جسنے واپس گھر کی راہ لی تھی۔ اسکے چند سال بعد جب وہ لارڈ ڈفرن کی ملاقات کے لیئے راولپنڈی میں آئے مجھے اُنسے ملاقات کا موقعہ نہ ملا۔ اور دوستانہ خط کے سوا میری انسے زیادہ خط وکتابت بھی نہیں ہوئی۔ اس طرح پر میں اس قابل نہیں رہا کہ امیر صاحب کے مزاج اور انکی تدابیر ملکی میں کسی قسم کے تغیر کو بہت عمدہ طور سے معلوم کر سکوں جو اس وقت اُن افسروں کا کام ہے جو کہ کابل کے ساتھہ گورنمنٹ کی موجودہ تعلقات کو نباہ رہے ہیں۔ لیکن قطع نظر اسکے ان عہد و پیمان کے اختتام پر جسنے اُنہوں نے افغانستان کا حاکم ہونا منظور کیا۔ میں انکے چال چلن اور طبیعت کی نسبت ایک بہت ہی عمدہ خیال پیدا کرنیکے قابل ہوا۔ اور کسی امر سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے کسی اہم خصوصیت سے اپنے تدبر کو بدل دیا ہو۔ مینے مقام زمہ میں انکے ساتھہ پہلی ملاقات کرنیکے بعد گورنمنٹ انڈیا کو جو رپورٹ دی تھی۔ اسمیں یعنی انکو صاحب فراست و ذکا اور بارعب بیان کیا تھا۔ اور وہ خاندان بارکزئی میں بہترین اور برگزیدہ زمین پائے گئے تھے جسکی تصدیق گذشتہ گیارہ سال کی تاریخ سے ہوتی ہے اگر اس وقت امیر صاحب اپنا اختیار و اقتدار کھو بیٹھیں دیگر میں اسپر یقین نہیں کرتا اور اپنے دشمنوں کے نرغہ میں پھنسکر معزول ہوجایں تاہم وہ اپنے بعد ایک ایسی نظیر چھوڑ جاینگے جو بلحاظ شجاعت اور استقلال اور اپنے ملک کے مفسدوں کی سرکوبی کے واسطے بہترین معلومات رکھنے میں کسی مشرقی حکمران سے دوسرے درجہ پر نہیں ہونگے۔ یہہ دعوے نہیں کیا جا سکتا جو اصول ملکداری امیر صاحب کو عمل میں لانے پڑیں گے وہ مغربی یورپ کے نزدیک پسندیدہ ہونگے۔ یہ سخت ظالمانہ اور وحشیانہ ہیں۔ انمیں رعایا کی جان و مال

کی مطلق پرواہ نہیں وہ ایسے حاکم کی سراپا اطاعت کے مقتضی ہیں جسکا یہہ دعویٰ ہو یا شاید انکا اسپر یقین ہی ہو کہ وہ اپنے تخت پر الہی حق سے قابض ہیں اور اس بات کو بہول گئے ہیں کہ پہلے روسیوں کے پاس پناہ گزین تہے اور برٹش گورنمنٹ نے انکو اپنے ظل حمایت میں لینا مناسب سمجہا۔ لیکن امیر صاحب کی شدید و ستور العمل اور متواتر لوگوں کو بر سر دار چڑہانا ہی شاید ایسے وسایل ہیں جنسے کہ وحشی اور متمرد پٹہان انسانیت کے جامہ میں آئیں۔ اور انمیں ایسا وہ قومیت پیدا ہو جائے کہ وہ یکجہتی اختیار کرکے غیر ملکوں کے دباؤ یا حملے کو روک سکیں پیشتر اسکے کہ ہم امیر صاحب کی وحشیانہ سیاست کی سختی سے نکتہ چینی کریں۔ واجب ہے کہ ان لوگوں کی فطرت کو سمجہیں جنکے ساتہہ انکا سابقہ ہے۔ اور ان نتائج کو دیکہیں جو وہ منتج کیا چاہتے ہیں تمام قوموں میں سے جنکے ساتہہ انگریزوں کو قریبی لگاؤ ہوا ہے۔ افغان اپنی سرشت اور جبلت میں سب سے زیادہ غیر مہذب ہیں۔ وہ تند مزاج۔ خونخوار۔ اور مذہبی جوش سے سرشار اور دغا باز ہیں۔ انکی صفات حسنہ ابتدائی اور خانگی قسم کی ہیں اور انکی سب سے اعلے خوبی شجاعت ہی جو انمیں نمایاں درجہ میں پائی جاتی ہے وہ ان معنوں میں غیر مہذب ہیں کہ وہ کسی قومی وابستگی اور رجوابدہی سے مبترا ہیں ہر ایک شخص اپنے ہم جنسوں سے سرکش ہے جتنے کہ اپنے فرقہ کے سرغنوں کا حکم بہی نہیں مانتا۔ کوئی شک نہیں کہ ہر گروہ اور قبیلہ میں ایسے آدمی بہی ہیں جو تمول جوانمردی اور حیلہ بازی میں دوسروں پر فوق رکہتے ہیں اور انکو بعض آدمیوں پر اقتدار بہی ہوتا ہے۔ لیکن انکا رعب ذاتی اور عارضی ہوتا ہے۔ اور وہ ایسی ہی جلدی معلوم ہوجاتا ہے جیسے کہ سرعت سے پیدا ہوتا ہے کسی خیالی ملک میں جہاں کہ ہر فرد بشر کو نہایت تسکین کے ساتہہ نشو و نما پانے کی اجازت ہو۔ اس غایت درجہ کی شخصیت سے کسی قسم کا نقصان متصور نہیں ہے لیکن افغانستان جیسے ملک میں یہہ حال نہیں ہے جو اندرونی نا چاقی سے پارہ پارہ ہوگیا۔ اور طاقتور ہمسائے اسکو بنظر غیرت دیکہتے ہیں اسلیئے قومی [illegible]

کی مداومت کے لیئے بھی ایک چارہ ہے کہ اس ملک کے لوگوں کو امیر عبدالرحمن خاں
جیسا حاکم ملجائے جو رعایا کو ایک ایسے سانچے میں بزور ڈھالے جسمیں وہ ڈھلنے
کی عادی نہیں ہیں۔ اور انکو ایک سرسری کارروائی سے یہہ درس دے کہ انکا پہلا
فرض سلطنت سے متعلق ہے اور انکی اپنی ذات اور اہل وعیال اور بہائی بندوں
سے نہیں جبتک یہہ ابتدائی سبق حاصل نہ ہو کسی ملک کے لوگ جہالت کی وادی
سے نہیں نکل سکتے۔ اور عقلمند انسانوں کے زمرہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ مہاراجہ
رنجیت سنگہ نے بہی سکھوں کو پڑہایا تہا جو افغانوں کے مساوی خود سر اور قانون
پر نہ چلنے والے ہیں۔ اور انکو ایک طاقتور تربیت یافتہ سپاہیوں کی قوم بنا دیا۔
یہی سلوک امیر صاحب اپنی رعایا کے ساتھہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن
انکو قبائل کی تنفر اور انکے حسد و رقابت کی باعث زیادہ تر مشکلات پیش آئی
ہیں جنکے باعث ایسی لڑائیاں وشورش سے خون ریزیاں رہتی ہیں۔ کہ اہل کارسیکا
بہی انکو نہیں پہنچ سکتے۔ جب ہم افغانستان میں تہے ہمنے سرداران قبائل کے
کسی ایک جتہے سے اضلاع کوہستان کابل۔ جلال آباد یا غزنی میں عہد و پیمان
کرنا قریباً ناممکن پایا تہا۔ ہر ایک سردار کی اغراض جداگانہ تہیں اور اسکی پاس
دوسروں سے علیحدہ بجانا پڑتا تہا۔ معلوم کرنا بہت ہی مشکل تہا کہ اس سردار
کا کس فرقہ پر کسقدر اقتدار ہے جسکے لیڈر ہونیکا اسکو دعوے تہا۔ افغانوں
میں کسی کے قابو میں رہنے کی بے صبری علی العموم ہے اور انکا بہاری قومی خاصہ یہی
ہے۔ بلوچ قومیں جو کہ افغانستان کے جنوب اور جنوب مشرق میں رہتے ہیں انکے
سرداران کے ایک [illegible] مطیع اور باتمیز دار ہیں جیسے کہ افغان اسکے برخلاف ہیں اول الذکر
[illegible] حکومت [illegible] پر موقوف ہے اور وہ اپنے موروثی سرداروں کی پوری
اطاعت [illegible] انکا قابو میں رکہنا بہت ہی آسان ہے سر رابرٹ سینڈمن
مرحوم نے جنکی [illegible] نہیں ہو سکتی اپنی اعلے قابلیت سے بلوچ قبیلوں کی
[illegible] پایا تہا کہ سرداران انکو اپنا مشیر

سمجھتے تھے اور اپنے اہم معاملات میں ان سے استصواب کیا کرتے تھے اور جب انمیں سے
کوئی سرکش ہوتا تھا دوسرے جھٹ اسکو دبا دیتے تھے۔ لیکن مجھے بہت شک ہے کہ
انگریز کبھی شمالی افغانستان کو چین سے قابو کر سکیں۔ یہاں کوئی آدمی بھی ایسا
صاحب اقتدار نہیں ہے جو گورنمنٹ اور رعایا کے مابین توسل ہو سکے اور ذمہ دار
گورنمنٹ جسکے پیچھے نکتہ چینی کرنے والے لوگ۔ آزاد پریس اخبارات کے نامہ نگار لگے
ہوئے ہوں۔ ایسے قواعد عمل میں نہیں لا سکتی جو امیر صاحب کو بالعموم کافی معلوم
ہوئے ہیں۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ روس جو کابل کی موجودہ گورنمنٹ
کیطرح اپنے آئین وضوابط میں غیر مہذب اور سخت ہے اور جسکو ایسی رکاوٹیں
مثلاً کانشینس۔ عام لوگوں میں شہرت یا نکتہ چینی گرانبار نہیں ہیں۔ ہمارے
دعوے سے بڑھکر افغانوں کو عمدہ طور پر ماتحت رکھ سکتا ہے۔ زار روس نہایت
احتیاط کے ساتھ کسی مشہور مقام میں کھیل کے طور پر بغاوت بپا کریگا اور پھر
نہایت سختی سے اسکی خبر لیگا۔ اور زن و مرد اور بال بچے کسیکو بھی رہنے کے لئے جگہ
نہیں دیگا۔ جب چند ہزار انسان اس طرح قتل کئے جا چکیں گے اس سانحہ سے ایسا
اثر پیدا ہوگا کہ اس سبق کے دہرانے کی ضرورت عرصہ دراز کے بعد پڑیگی جو لوگ
زار روس کی تدابیر ملکی پر غور و خوض کرنے والے ہیں وہ بخوبی واقف ہیں کہ
اس قسم کی تجاویز کمپنی کے کھیل کرنے کے طور پر وہ سوچ سمجھ کر اور جان بوجھکر کیا کرتا
ہے جسکے واسطے گیوک ٹیپی کا قتل عام عمدہ مثال ہے جہاں تقی ترکمان بالکل تباہ
کر دیئے گئے تھے۔ حالانکہ ابھی بیس سال ہی گذرے ہیں کہ ترکستان اور اورنبرگ
کے گورنر جنرلوں کی خط و کتابت سے ہمیں معلوم ہوا تھا کہ فقرہ "پروگرام کو وسعت
دینے" سے یہ مراد تھی کہ ان علاقوں کے لوگوں کو اشتعال دیکر لڑائی پر آمادہ
کیا جائے اور انکا ملک روس سے الحاق کر لیا جائے۔ لیکن شائستہ ملک کی
گورنمنٹ اور اس طرح کے بہانے جبراً اپنے معمولی عمل درآمد و ضابطہ میں استعمال
کرنا سہل خیال نہیں کرتی۔ جب تک گناہ بے گناہ بالقصد ایسا عمل میں لاتی ہے تو اسکا

اثر بھاری ہوتا ہے کیونکہ جو طاقت بے ارادہ ظاہر ہو وہ بھی دنیا پر اپنا بہت رُعب ڈالتی ہے۔ مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم انگلستان کی فارن پولیسی یہہ تھی کہ سکندریہ پر گولوں کی بوچھاڑ کرائی گئی جسکی کوئی خاص وجہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔ لیکن اسکی وجہ سے مشرقی لوگوں کے دلوں پر بھاری اثر ہوا تھا مگر اسکے بغیر لارڈ سیلسبری وزیر اعظم انگلستان کے زمانہ میں مصر کا بندوبست ایسا مشہور آفاق نہ ہوتا جیسا کہ اب یورپ والوں نے تسلیم کیا ہے۔ یہہ ریمارک شمالی اور وسطی افغانستان پر صادق آتے ہیں۔ جنوبی اور مغربی افغانستان کے لوگوں پر آسانی سے حکومت کیجا سکتی ہے اور قندہار اور ہرات لوگوں کی بغاوت کے خطرہ کے بغیر قبضہ میں رہ سکتے ہیں تاجک اور اُزبک لوگ جو کہ افغان ترکستان کی محنت کش آبادی کا بڑا حصہ ہیں اور دریائے جیحون کے جنوب میں سکونت پذیر ہیں۔ نہ تو لڑاکے اور نہ ہی جوش تعصب سے بھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ہندوکش کے اس پار انگریزوں کے مداخلت دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اگر انگلینڈ اور روس میں لڑائی ہوکر افغانستان انمیں تقسیم ہو جائے تو قدرتی طور پر ترکستان اور ہرات روس کے حصے آئیگا اور کابل و قندہار انگلینڈ کو نصیب ہونگے۔ اس صورت میں ہمیں نہایت پُر خار اور خالی از منفعت حصہ اس تقسیم سے ملیگا۔ لیکن جب تک امیر صاحب حال تخت پر ہیں اور انگریزوں کے رفیق اور معاون ہیں اس طرح پر اس ملک کی تقسیم کے بارہ میں بحث کرنیکا موقعہ نہیں ہے۔ کچھہ عرصہ گذرا کہ یہہ خبر انگلستان میں پہونچی تھی کہ امیر صاحب کی باغی رعایا نے اسکو سخت تنگ کر رکھا ہے اور اسکے ظالمانہ برتاؤ سے اسکے قلمرو کے مختلف حصوں میں بغاوت پھیل گئی ہے۔ اُنہوں نے ملکی فسادوں کو پشاور یا جلال آباد میں کمانڈر انچیف کے ساتھہ ملاقات کو ملتوی رکھنے یا اس سے بالکل اجتناب کرنیکا عذر پیش کیا۔ لیکن میں بوثوق یقین کرتا ہوں کہ امیر عبد الرحمن خاں اس بلوے کو جو کہ عام بلوؤں سے خطرناک معلوم ہوتا ہے اسیطرح فرو کرینگے جسطرح کہ انکے عہد حکومت میں مع سرسری جنگی کارروائیوں میں کامیابی ہوتی رہی ہے۔ اس ملک کا خواہ کوئی

فرمانروا ہوا اسکے عہد میں سخت بغاوت کا بھڑک اُٹھنا کوئی نئی بات نہیں بلکہ قاعدہ کلیہ ہوچکا ہے۔ اور ملک کے کوہستانی حصہ میں مالیہ مسلح فوج کی مدد کے بغیر جمع نہیں کیا جاسکتا۔ ملک کے میدانی حصوں میں یعنی میدان۔ لوگہار۔ کابل اور قندہار کے گردونواح میں رہنے والے اپنی ضروریات کی وجہ سے مالیہ سرکار ادا کرتے ہیں باقاعدہ ہیں۔ لیکن ہزاری لوگوں تک جن پر یورش کیگئی ہے اور جو غزنی اور ہرات کے جنگلوں اور جبال میں آباد ہیں بمشکل سے رسائی ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ بہت دیر تک تربیت یافتہ لشکر کو بھی روک سکتی ہیں۔ حالانکہ انمیں نہ تو کوئی قومی وابستگی ہے اور نہ وہ باقاعدہ تربیت یافتہ ہیں۔ اور ایسے کوہستانی ملک میں وہ اپنی جان کی حفاظت کے لئے جو لڑائی کرتے ہیں وہ نہایت خطرناک ہوتی ہے۔ قوم ہزارہ کو مطیع کرنا خواہ کیسا ہی مشکل اور طویل کام ہو۔ لیکن یہہ سمجھنے میں مطلق تامل نہیں کہ یہہ قوم کامیابی کے ساتھ مطیع کیجائیگی۔ اور اسکا انجام ویسا ہی ہوگا جو زیادہ تر جنگجو غلزئیوں کی سرکوبی کا ہوا تھا۔

برلن کے ایک نامہ نگار نے ۱۵ نومبر کو لنڈن کے ایک اخبار کو اس مضمون کا تار دیا ہے۔ کہ قوم ہزارہ نے ۵ اضرب توپ غالباً بوساطت فارس روس سے حاصل کی ہیں۔ اور انکا ارادہ اس مقابلہ کو جاری رکھنے کا ہے۔ دوسری طرف سے امیر صاحب کو بحالت مجبوری آٹھہ ہزار بھادر حملہ آور لشکر میں بڑھانے پڑے ہیں۔ روس کی توپوں کے متعلق جو افواہ ہے وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ اور ممکن نہیں کہ افغانستان کے متعلق سب سے تازہ خبر ہمکو برلن سے پہونچی۔ لیکن یہہ خبر ایک اندیشہ پہلو سے پُر معنی ہے کیونکہ اس سے بر اعظم یورپ کے لوگوں کی رائے اس بارہ میں ظاہر ہوتی ہے کہ زار روس امیر عبدالرحمن کے دشمنوں کو مدد دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یقین ہے کہ یہ رائے صحیح ہو۔ اور مجھے شک نہیں کہ زار نے امیر صاحب کے ساتھہ رابطہ اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور یہہ تعلق انکے چچا شیر علی کے عہد حکومت میں بہت دیر تک رہا۔ لیکن اب امیر صاحب

کیطرف سے نہایت بے توجہی ظاہر کیجاتی ہے۔ زار روس بخوبی سمجھ گیا ہے کہ آخر میں
امیر صاحب انگلینڈ کے رفیق صادق ہوجائینگے اور روس کے ساتھ عہد و پیمان کرنے
کیطرف مانوس نہیں ہونگے۔ امیر صاحب کی غالب پالیسی کا معلوم کرنا نہایت ضروری
ہے۔ کیونکہ ایسی پیچیدگیاں جو کسی وقت نازک اور خطرناک ہوسکتی ہیں۔ انگلینڈ اور
روس میں پیدا ہونی ممکن ہیں جسکی نظیر ۱۸۸۵ء کا پنجدہ والا معاملہ ہے۔ اگر گورنمنٹ
اس وقت اس جگہ سے نہ ہٹتی۔ جسکو اسنے قبضہ میں رکھنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ تو اعلان
جنگ ہونے میں شبہہ نہ تھا۔ یہہ سوال ایسا دلچسپ ہے۔ اور افغانستان اور انگلستان
کے آئندہ تعلقات یہانتک اسکے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور اسی سے ہماری شمالی
مغربی حدود پر لشکرکشی کی حالت کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان دلائل کا امتحان
کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا جن سے اس رائے کی تصدیق ہوتی ہے کہ امیر صاحب
برٹش گورنمنٹ سے تعلق رکھنے میں ثابت قدم ہیں۔ اور ہمارے زیادہ تر حوصلہ
دلائے جانے اور حمایت کے مستحق ہیں۔ اس غرض کے واسطے ان ایجنٹوں کی رپورٹوں
کو دیکھنا لازم ہوگا۔ جو مینے وائسرائے کے فرمان سے امیر عبد الرحمن صاحب
کی ملاقات کیواسطے بھیجی تھیں جبکہ وہ تاشقند سے روس کی حفاظت کو چھوڑ کر
جیحون گذر کر افغان ترکستان میں چلی آئی ہے۔ ان رپورٹوں کو میں اس اندازے کے ساتھ
مقابلہ کرونگا جو مینے امیر صاحب کے ارادوں اور روس کی نسبت انکے خیالات کا انکے ساتھ
بہت طویل گفتگو کرنیکے بعد لگایا تھا جہانتک میں خیال کرسکتا ہوں امیر صاحب کی پالیسی عموماً اسی کے
مطابق رہی ہے جو انہوں نے تخت نشین ہونے سے پہلے صداقت سے ظاہر کی تھی۔ جب مینے انسے
پہلی ملاقات کی ممکن ہے کہ لوگ اسکو بے زر جانباز رکھتے ہوں امراء کی بڑی تعداد او
اسکی مخالف تھی۔ انکے بوقلموں لباس لئے ساتھی قصہ لباس سے ملبوس او خراب اسلحے
مسلح تھے سوا انکے پر دست انگریزی لشکر قابض تھا تاہم امیر عبد الرحمن خان اسوقت عظیم تر
جیسے انکی قسمت کا فیصلہ کرتا تھا۔ ایسی قدلی استقلال اور آئندہ نیک و بد قسمت سے مستغنی
ملے کر علی العموم اسکی طرف توجہ معطوف ہو رہی تھی۔ اسکے مزاج اپنے ہموطنوں سے

اسقدر مختلف تہی کہ وہ ذرا غلگوئی یا ذو معنی باتوں کو اپنے خلاف شان سمجھتے تہے حتے کہ انہوں نے روسیوں کے برخلاف کوئی لفظ زبان سے نہ نکالا اور نہ ہی انسے عداوت رکہنے کا اقرار کیا حالانکہ کمزور دل خیال کر لیتا کہ اپنے انگریز ہمسایوں کا منظور نظر ہونے کے لیئے یہہ سب سے بہتر ڈہنگ ہی - ہر ایک سوال پر خواہ وہ ملکی انتظام یا فارن پالیسی یا تقسیم افغانستان - یا جنوب و مشرقی حصوں کو کابل سے علیحدہ کرنے کی بابت یا وظیفہ کی مقدار - یا اسلحے کے متعلق تہا - جو انکو ملنے تہے یا مخالف اور مشتبہہ برادروں کو ملک سے نکالنے کے متعلق تہا - انہوں نے اپنے خیالات کو ایسی صفائی اور پُر زور الفاظ میں بیان کیا کہ وہ سب صداقت سے مملو تہے اور اس دن سے آجتک میں نے انکی پالیسی میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جو ان یقینوں کے متضاد ہو جو تخت نشینی سے پہلے ہمیں دلائے گئے تہے بیشک بہت ایسی باتیں ہیں جو امیر صاحب کے سلوک اور دستور العمل سے برٹش گورنمنٹ مستثنے کریگی - لیکن یہہ سب بجائے خود معقول وجہ رکہتے ہیں مثلاً سب سے پہلے عمدہ طور پر یہہ بحث کیجا سکتی ہے کہ انکی یہہ کارروائی اتحاد سے بعید نہی کہ وہ ہمیشہ برٹش حدود پر اُن قبایل اور خوانین میں اپنا رسوخ بڑہانے کی کوشش میں لگے رہے جو بار ہا افغان رسوخ کے احاطہ سے باہر قرار دیئے جا چکے ہیں - چترال اور سوات اور باجور اور یاسین اور درہ خیبر کے قبایل سے بہی وہ کچھہ نہ کچھہ سازشیں کرتے رہے ہیں - اور بعض دفعہ انکے مداخلت بیجا کرنے والے ہاتہوں کو روکنے کے لیئے کہلم کہلا کہنے کی ضرورت ہوئی - اس قسم کے واقعات کو زیادہ وقعت دینی نہیں چاہیئے - اس بات کو خیال رکہنا چاہیئے کہ کل پنجاب جسمیں کشمیر بہی شامل ہے کسی وقت افغانوں کے زیر حکومت تہا - اور سنہ ۱۸۴۸ء میں ہماری جو آخری لڑائی گجرات میں ہوئی تہی اسمیں افغانوں کی فوج کا ایک وستہ فتح مترقبہ کی لوٹ کا حصہ لینے کی خاطر موجود تہا - صرف ستر سال گذرے ہیں کہ مہاراجہ رنجیت سنگہ صاحب نے افغانوں

کو علاقہ کشمیر سے نکالا تھا۔ پھر صرف ۱۸۳۶ء کا یہہ واقعہ ہے کہ افغانوں کو ایک
بڑی خونریز لڑائی کے بعد جسمیں سردار ہری سنگھ نلوہ جو ایک نامور سکھ سپاہ سالار
آیا پشاور سے نکلنا پڑا۔ اس طرح والئ دولت خداداد افغانستان خیالات اور
روایات سے پنجاب کے ساتھ براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ اور بلا شبہہ چاہتے ہیں
کہ انکے ہمقوم وہم مذہب فرقے جو انگریزی حدود پر رہتے ہیں۔ انکی رعیت میں
شمار ہوں۔ حالانکہ سچ بات یہہ ہے کہ ان وحشی لوگوں نے کابل کے کسی حاکم کی طاعت
کا جوا کبھی اپنی گردن میں نہیں پہنا۔ ہمارے نیک اور قابل اغنیا رفیق امیر
دوست محمد خاں جنہوں نے ایام غدر میں عظیم خدمات کیں۔ امیر عبدالرحمن خاں کی
طرح حدود پر دست اندازی کرنے کے مشتاق تھے اور لارڈ لارنس نے جو اندنوں
پنجاب کے فرمانروا تھے ایک سے زیادہ دفعہ انکو تاکید اکید سے اس امر کیطرف توجہ
دلائی تھی۔ ۳۰ مارچ ۱۸۵۵ء کو برٹش گورنمنٹ اور دوست محمد خاں کے مابین
یہ عہد نامہ ہوا تھا اسمیں وہ کابل اور اضلاع گردنواح کے جو واقعی انکے قبضہ
میں تھے حاکم تسلیم کیئے گئے تھے۔ لیکن ۱۸۵۵ء و ۱۸۵۶ء میں علاقہ جات افغان خیز زمین
کی نسبت اسکے دعاوی ناجائز اور باطل کیئے گئے تھے۔ لیکن یہہ فرقے برٹش گورنمنٹ
کی حمایت کے بغیر بھی اپنی حفاظت کر سکتے ہیں۔ مثلاً آفریدیوں کو ہی دیکھیئے جو درۂ
خیبر میں رہتے ہیں اور ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ ہم بادشاہوں کو اپنے پہاڑوں میں
آتے اور جاتے دیکھتے رہے ہیں۔ لیکن ہمنے کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا۔ اور
انہوں نے اپنے اس فخر کی تائید میں امیر شیر علیخاں کا اسباب اس وقت لوٹ لیا
جب وہ آخری دفعہ انکے ملک سے گذرے۔ دوسری بات یہہ ہے کہ جب سے برٹش گورنمنٹ
نے امیر کو والئ کابل نامزد کیا ہے وہ گورنمنٹ سے عموماً ایسا سلوک کرتے رہے
ہیں جو قابل اصلاح معلوم ہوتا ہے۔ اور اسمیں ذرہ بھی درگذر نہیں ہونا چاہیئے
اور رویہ جو دیکھ انکا انداز ایسے شخص کیطرح ہونا چاہیئے تھا کہ گویا جو کچھ انکے پاس
ہے اسکے واسطے وہ برٹش گورنمنٹ کے ممنون ہیں۔ اور انہیں جو بھاری وظائف

اُنکو ملتے ہیں وہی اُنکے عروج کا باعث ہو رہے ہیں تاہم اُنہوں نے ایسا متکبرانہ
انداز اختیار کیا ہوا ہے جو فارن آفس کلکتہ کو نہایت شاق گذرتا ہے کسی افغان
سے مشکور رہنے کی توقع کرنا محض تمسخر ہے۔ جب ہیں امیر صاحب سے پہلی دفعہ ملا انہوں
نہایت احتیاط سے اس بات کیطرف اشارہ کیا تہا کہ ہم تخت اُنکے پیش کرنے والے
بنے کنندہوں کو اس بوجھ سے سبکدوش کیا چاہتے ہیں جسکو ہم زیادہ تر برداشت
کرنیکے قابل نہیں ہے۔ بیشک ہماری حالت یہی تہی اور امیر صاحب ایسے آزاد مشرب
ہیں کہ اُنہوں نے اس سے اغماض کرنا نہ چاہا۔ اسکے ساتھ ہی بعد خط و کتابت میں
اُنکو باادب ہونا چاہیئے تہا۔ اسکے بعد اس امر کی شکایت کی جاتی ہے کہ امیر صاحب
نے ان تمام سرداروں کو جنسے اُنکو کینہ تہا چُن چُن کر قتل یا جلا وطن کرایا حالانکہ
اُنکو معلوم تہا کہ انہیں سے بہت انگریزوں کے دوست ہیں اور ہمنے خصوصیت کی
ساتھ نظر شفقت رکھنے اور اُنکی حفاظت کرنے کی امیر صاحب سے سفارش کی تھی
لیکن ہم بدقسمتی سے اس سفارش کی تعمیل نہیں کرا سکتے تہے کیونکہ ملکی ضروریات
کی وجہ سے ہماری واپسی ایسی عجلت اور تعجیل سے ہوئی کہ برٹش گورنمنٹ کا کوئی
بھی فوجی اقتدار قائم مقام کابل میں نہ رہا۔ اس طرح ہم اپنے دوستوں کی حفاظت
کا کما حقہ بندوبست نہ کرسکے۔ اسلئے انہیں سے اکثر لوگوں نے ہمارے ساتھ افغانستان
کو بالکل چھوڑنا ہی مصلحت وقت سمجہا جس سے عورتوں بچوں اور ہمراہیوں کی تعداد
کثیر کے باعث واپس آنے والی فوج کی مشکلات بہت بڑہ گئیں۔ جو پیچھے رہگئے انمیں سے
تمام ایسے لوگوں کو جنہیں امیر صاحب نے اپنے یا اپنے باپ کے یا اپنے خاندان کے دشمن
خیال کیا بیدریغ تباہ کیا۔ ہر جگہہ اور بالخصوص وحشی ملکوں میں جہاں تہوڑی
دیر کے لیئے قبضہ رہتا ہے ایسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے چنانچہ اُس
وقت جو کچھہ افغانستان میں واقع ہوا تہا ویسا ہی اوگنڈا میں ہوا۔ اگر گورنمنٹ

اِس جگہ کو چھوڑنے کا فیصلہ کرے - جہاں یہ اِسوقت قابض ہے - انگلینڈ کے تمام
دوست تہ تیغ کیئے جائیں اور انگریزوں کا اقتدار وسط افریقہ سے اُٹھ جائے -
لیکن امیر صاحب کو اِس بارہ میں بہت سخت متہم نہیں کرنا چاہیئے - وہ اپنے
دوست اور دشمنوں کو بخوبی جانتے تھے اور تاشقند اور سمرقند میں عرصہ دراز تک
قیام کرنے میں وہ اپنی مصیبتوں پر سوچتے رہے - اِسلیئے تسلط پاتے ہی انتقام لینے کے درپے
ہوئے - افغانوں کو کسی سے جو رنج پہنچا ہو اُسکو خوب یاد رکھتے ہیں اور جب کبھی
موقعہ ملتا ہے اُسکا انتقام لینے سے باز نہیں رہتے - ہمارے افغان دوستوں
کی ہلاکت کی ذلت امیر صاحب کے سر نہیں ہے بلکہ گورنمنٹ انڈیا کے ماتھے ہے -
ہمارے تجارتی شکایت گو بہت بھاری ہے تاہم وہ خط و کتابت سے دور ہو سکتی
ہے - اور وہ یہ ہے کہ برٹش مال تجارت پر جو محصول لگایا جاتا ہے وہ اسقدر زیادہ
ہے کہ اُسنے افغانستان اور وسط ایشیا کے ایک حصۂ عظیم کے ساتھ ہماری تجارت کو
قریباً بند کر دیا ہے - اگر ہم افغانستان کو چھوڑنے میں ایسی جلدی نہ کرتے اور امیر
صاحب کے ساتھ ایک عہدنامہ کر آتے تو اسمیں آسانی سے یہ درج ہو سکتا تھا کہ
تجارتی مال پر صرف واجبی محصول لگائے جائیں گے - اِس طرح پولان خیبر اور گومل
کے دروں کی راہ سے ہماری تجارت کو گذشتہ دس سال میں اِس وقت تک بہت کچھ
فروغ ہوا ہوتا -

اِسکے باور یقین کہ پہنچنے سے پہلے کہ عبدالرحمن خاں خلف الصدق عظیم خاں
وغیرہ امیر دوست محمد خان نے روسی ملک چھوڑ دیا ہے - انگلا رڈ لٹن نے قندہار
اور ہرات چھوڑ کر شمالی افغانستان کا حاکم متصور کرنیکا خیال پیدا کیا مگر وائسرائے
کی اِس پولیسی کی اور نیز برگزیدہ فارن سکرٹری نے اسیطرح عملدرآمد کیا
انکی کملہ بیغی واد دینی دیگئی تھی - بلاشبہ اِس سے بڑھکر کوئی بہتر اور معقول انتخاب

نہیں تھا۔ اور گو بادی النظر میں اسکا پورا کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ تاہم اسمیں پوری
کامیابی نصیب ہوئی۔ ڈالیئس کو اس بات کی اچھی طرح واقفیت تھی کہ جب شیر علی
صاحب تخت کابل پر حکمران تھے عبدالرحمن خاں سردار شیر علی والی قندہار سے
ملکر امیر فرمانروا کو اس غرض سے نکالدینے پر راضی تھے کہ سردار مذکور مغربی افغانستان
پر اور عبدالرحمن خاں کابل اور ترکستان پر قبضہ کریں مگر سردار شیر علی نے جو شاہ فرمانروا کے
کا وفادار رفیق تھا ان خرخشوں کو نامنظور کیا۔ امیر روسیوں نے اسکی خبر پاکر عبدالرحمن
کو ایسے وقت میں جبکہ وہ لڑائی کے لئے تیار نہ تھے اُنپر دھاوا کرنے کی اجازت نہ
دی۔ اسلئے اسکو سمرقند سے تاشقند لیگئے۔ مگر ڈالیئس نے خیال کیا کہ شاید اس تحریک
امیر صاحب سے کوئی بند وبست ہوجائے۔ اسلئے اُنہوں نے مجھسے اس غرض سے اُنکے
ساتھ سلسلہ جنبانی کرنیکا ایماء فرمایا اور یہ ٹھان لی کہ اگر اس طرح پر اتحاد بذریعہ
خط وکتابت سے کام نہ نکل سکا تو بڑے بڑے سرداروں کا ایک مشن تاشقند کیطرف
بھیجکر شمالی صوبجات اُنکے پیش کیئے جائیں گے کیونکہ اُنکو یقین تھا کہ اس قسم کی علانیہ
مشن کی نسبت روسیوں کو کچھ اعتراض نہیں ہوگا اور وہ عبدالرحمن خاں کو
اسکے منظور کرنے کی اجازت دیدینگے۔ اور نیز وہ امید کرتے تھے کہ امیر صاحب انگریزوں
کے ایسے ہی دوست ہوجائیں گے جیسے کہ اُنکو کسی اور جگہ سے ملسکتے ہیں۔ پہلا قاصد
جسکو میں نے امیر عبدالرحمن خاں کے پاس خط دیکر بھیجا وہ محمد سردار نامدار اُنکا ایک ذہین
و فہیم دوست تھا جو بعد میں ہرات کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ وہ ماہ اپریل کو کابل سے
روانہ ہوکر قندہار پہنچا جو جیحون کے جنوب میں واقع ہے اور اس وقت امیر عبدالرحمن
خاں علاقہ روس کو چھوڑکر وہاں خیمہ زن تھے وہاں چند یوم ٹھہر کر اُسنے عبدالرحمن
خاں کے ساتھ کئی ملاقاتیں کیں اور آخر اُسنے فائز المرام رخصت ہوکر کابل واپس
آیا۔ اور اپنے ساتھ میری چٹھی کا ایک باقاعدہ جواب لایا۔ اور ساتھ ہی زیادہ تر

ضروری امور کا زبانی جواب لایا جنکی بابت قاصد کو زبانی واقعات پیش کرنے کی ہدایت کیگئی تھی۔ جو معلومات اِس جنٹلمین کی وساطت سے حاصل ہوئیں وہ بہت دلچسپ اور ضروری تہیں لیکن یہاں جس امر کو ہمنے واضح کرنا ہے اور جسکا میں تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ امیر عبدالرحمن خاں کا چال چلن اور روس کی نسبت اُسکے خیالات پر روشنی ڈالنا ہے۔ وہ برٹش گورنمنٹ کی خط و کتابت سے نہایت مطمئن ہوئے اور انگریزوں سے دوستانہ خیالات کا اظہار کیا اور نہایت صداقت سے وہ حالات بالتفصیل بتائے جو اُنکے علاقہ روس کو چھوڑنیکا باعث ہوئے۔ اُنہوں نے کہا کہ جب میں پہلے سات برس روس میں مقیم رہا۔ روسی اِس امر پر مصر ہوئے کہ میں افغانستان سے مطلق کوئی سروکار نہ رکھوں۔ کیونکہ اُنہوں نے انگریزوں کے ساتھہ عہد کیا ہوا ہے۔ وہ افغانستان میں کوئی مداخلت نہیں کرینگے۔ بعد میں اُنہوں نے مجھے یہ بتایا کہ امیر شیر علی نے اُنکے ساتھہ رفاقت پیدا کی تھی اِسلیئے وہ اپنے رفیقوں کے امن میں خلل اندازی کرنے کی مجھے اجازت نہیں دینگے۔ جب شیر علی نے میمنہ پر حملہ کیا میں نے باہر آنے کی اجازت چاہی لیکن اُنہوں نے انکار کیا۔ جب میرے ساتھہ اِس طرح ہونے لگا۔ یعنی شیر علی کی وفات پر خفیہ بھاگنے کی تیاری کی۔ لیکن پیشتر اسکے کہ میری تجاویز پختہ ہوں روسی میرے ارادوں سے واقف ہوگئے اور اُنہوں نے مجھے مع اپنے عیال کے تاشقند بھیجدیا۔ اسکے بعد جب یہ تار آیا کہ انگریز یعقوب خاں کو ہندوستان لیگئے ہیں اُس وقت جنرل کاف مین اورنبرگ میں تہا۔ اِس طرح سکرٹری مقیم تاشقند نے عبدالرحمن خاں کو اپنے پاس بلوا کر کہا کہ تمہیں ہمیشہ اپنے وطن کو لوٹنے کا اشتیاق رہا ہے اب انگریز لوگ یعقوب خاں کو ہندوستان لیگئے ہیں اِسلیئے واپس جانیکا بہترین موقعہ ہے۔ اگر تم جانا چاہو تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ عبدالرحمن خاں نے جواب دیا کہ میں اِس امر پر غور کرونگا۔ مگر اِسکے تین یوم بعد سکرٹری نے اسکو پہر بلوا بھیجا اور پوچھا کہ تم کس فکر میں ہو؟ جانے

کیوں نہیں۔؟ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام بھی رہو تو چنداں مضائقہ نہیں تم ہمارے پاس آکر اپنے موجودہ وظائف لے سکتے ہو۔ لیکن پھر تمہیں ایسا موقع نہیں ملنے کا پس اگر جانا چاہتے ہو تو ابھی جاؤ۔ تم یقیناً جنرل غلام حیدر کو نکال کر ترکستان پر متسلط ہوجاؤ گے" عبد الرحمن خاں نے مکرر کہا کہ میرے پاس اسلحہ۔ گھوڑے۔ ساز و سامان اور روپیہ موجود نہیں ہے۔ آخر بذریعہ تار جنرل کاف مین سے خط و کتابت کرنیکے بعد قرار پایا کہ ۲۰۰ بندوق اور فی بندوق ۱۰۰ گولی اور ۱۰۰ پیادہ اور ایک سو سوار مع سامان حرب انکے ساتھ کردیئے جائیں۔ مزید براں ۵۰۰ بخارا کی اشرفیاں جو تقریباً ۳۰۰۰ روپیہ کے مساوی ہوتی ہیں پیش کیگئیں۔ یہہ رقم اور وہ نقدی جو انہوں نے وظیفے سے بچاکر پس انداز کی تھی انکی تمام و کمال جمع جتھا تھی اور وہ سب لیکر روانہ ہوئی۔ عبد الرحمن خاں نے روسیوں کی نسبت اظہار اتحاد کیا اور لکھا کہ مینے انکے ساتھہ کوئی تحریری یا مخفی عہدنامہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی میں کسی حلف یا معاہدہ کا پابند ہوں۔ لیکن چونکہ میں ۲ رسال انکی میزبانی سے مستفید ہوتا رہا ہوں اسلیئے میں انکے مقابلے پر آنا پسند نہیں کرتا۔

انگریزوں کے بارے میں امیر صاحب کے جو خیالات ہیں انکی بابت قاصد نے رپورٹ دی۔ انہوں نے کہا کہ "میری اس سے بہتر کیا خواہش ہوسکتی ہے کہ میں ایسی فیاض اور طاقتور گورنمنٹ کا جیسی کہ انگریزوں کی ہے نوکر رہوں"؟

افغانستان میں جو قباحتیں سرزد ہوئی ہیں وہ افغانستان کے لوگوں اور انکے حکام کی جہالت اور بیوفائی کا نتیجہ تھیں۔ انگریز انکے واسطے متہم نہیں ہو سکتے مینے اسلام میں اپنے دوستوں کو لکھا ہے کہ انگریزوں کی مخالفت کرنا اپنی تباہی کا مورد ہوتا ہے۔ انگریز بردبار صلح پسند اور اپنی بات کے سچے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ وہ افغانستان کا اپنے علاقہ سے الحاق کرنا نہیں چاہتے۔ انشاء اللہ ہمارے

اور ہمارے ملک کے لیئے عالم الغیب میں بہتر ایام ہیں۔ اس طرح سردار خاں نے جو گفتگو شروع کی تھی وہ تین دیسی شرفا کی ایک مشن بھیجنے سے جاری رکھی گئی۔ انمیں سے دو سردار محمد افضل خاں اور ابراہیم خاں میرے ذاتی سٹاف سے اور تیسرے شیر محمد خاں امیر صاحب کے چچا زاد بھائی خان آباد کو جہاں امیر صاحب پہونچگئے تھے شمالی افغانستان کا تخت پیش کرنیکے لیئے بھیجے گئے تھے۔ انکے حالات اور رپورٹیں بہت ہی دلچسپ ہیں۔ لیکن اس آرٹیکل میں انکا ذکر کرنے کی گنجایش نہیں ہے۔ وہ امیر کے چال چلن اور ڈیل ڈول سے سخت متحیر ہوئے۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ انکی عمر چالیس برس کی ہے اور وہ نہایت قوی ہیکل متحمل مزاج ذہین اور زیرک ہیں۔ وہ تمام کام بذات خود انجام دیتے ہیں۔ اور نہایت ضروری خطوط کا مسودہ خود تحریر فرماتے ہیں۔ اور کام کی تمام فروعات سے بذات خود واقف ہیں۔ انکو انہی طاقت اب محسوس ہونے لگی ہے۔ آبادی کا ایک بڑا حصہ انکے ساتھ شامل ہوگیا ہے اور انکی ملنساری سے انکے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع ہوگیا ہے۔ البتہ سوداگران سے ناراض ہیں جنکو حسب استطاعت لشکر کی ضروریات بہم پہنچانے کے واسطے چندہ دینے کا ایما ہوا ہے۔ اُنہوں نے بھروسا کے ساتھ اپنے تعلقات کا آزادی سے تذکرہ کیا۔ اور صاف صاف کہدیا کہ میں اپنے ملک میں روسیوں کی مداخلت سے کبھی رضامند نہیں ہونگا مشن کے دل پر عبدالرحمن خاں کی آزادی اور دوسروں کی رائے سے مستغنی مزاجی کا بہت بھاری اثر ہوا ابراہیم خاں نے مجھکو حسب ذیل خط لکھا:۔ "عبدالرحمن خاں بیباک طور پر حلیم المزاج کم گو اور روتا سا ہیں۔ انکے دربار کے آداب امیر محمد یعقوب کوش بیگی یار قندی۔ حاکم قوقند اور امیر بخارا کے مشابہ ہیں۔ گو ابتدا میں انکا حسب رواج اور عادات اسلامیہ ملک پر قبضہ کرنیکا دستور رضامندی مفید پایا گیا تاہم میری رائے میں اگر وہ آیندہ اسی طرح مدت تک کاربند رہے تو ملک کے رؤسا عظیم اور افسران جنگ انسے کبیدہ خاطر ہوجائینگے

افغانستان کے فرمانرداؤں کا اب تک یہہ دستور رہا ہے کہ وہ بڑے بڑے سرداروں اور سن رسیدہ ارکان سلطنت میں اپنا وثوق پیدا کرکے اُنکے صلاح و مشورہ کو اپنا رہبر بناتے رہے ہیں۔ لیکن عبدالرحمن خاں اپنے خیالات کے مطابق کام کررہے ہیں اور جو لوگ صلاح دینا چاہتے ہیں کہ وہ نرم الفاظ سے کیسو کیئے جاتے ہیں۔ میری رائے میں عبدالرحمن خاں افغانستان پر حسن وخوبی سے حکومت اور امن قایم رکھنے کے واسطے اعلےٰ قابلیت رکھتے ہیں۔ لیکن ہمیشہ کسی عہدنامے کی شرائط پر اعتراض کرنیکے لیئے مُصر ہونگے۔ اُنکو ہرحال میں اپنا مفاد ملحوظ رہتا ہے۔ اِس وقت وہ غالباً روسیوں کے مشورہ سے کانوں کو آشنا کرتے ہیں کیونکہ اُنکا امیر صاحب سے کوئی مطلب نہیں ہے اور وہ اُنکو ہماری گورنمنٹ سے ایسا ملکی فایدہ اُٹھانے کے لیئے صلاح دے رہے ہیں جسنے قندہار اور دیگر مقامات کو جدا کرنے سے افغانستان کی طاقت کو ضعیف کردیا ہے۔ اِسکے بعد اگر کبھی روسیوں نے اُنسے چھاونی وغیرہ کے لیئے جگہہ مانگی تو وہ غالباً مایوس کرینگے۔

امیر صاحب کے چال چلن کا یہ اندازہ سراپا صحیح ہے۔ چنانچہ مقام ذمۃ میں امیر صاحب کے ساتھ اُن ملاقاتوں کے اور ان میں جنھیں کابل کی امارت کا کامیابی کے ساتھ تصفیہ ہوا میرے دل پر جو اثر ہوا۔ وہ ہرطرح سے امیر صاحب کے حق میں مفید ہے گو اِس وقت عبدالرحمن خاں کی عمر ۴۰ برس کی تھی۔ مگر صورت سے وہ پچاس برس کے ظاہر ہوتے تھے۔ جلاوطنی تنہائی اور ابتدائی زندگی کی صعوبتوں نے اُنکو قبل از وقت سن رسیدہ کردیا تھا۔ بایں ہمہ وہ اعلےٰ درجہ کے دورباری۔ زندہ دل ذہین ظریف۔ چابکدست اور فصیح بلیغ تقار رہیں۔ اِنکے زندگی اور طاقتور ہونے میں مطلق شک نہیں ہوسکتا جنکو اپنی رائے پر بہت بڑا اعتبار ہے اور ترقی کرنے کے بہا ہی ذرائع رکھتے ہیں۔ اُس وقت میں اِنکو ایشیائی مدبروں میں

سب سے سرکردہ خیال کرتا تھا۔ اور اب بھی میری رائے میں ویسے ہی ہیں افغانستان
کے انتظام کی مشکلات انگلستان کو معلوم نہیں۔ اور گو امیر صاحب سے بہت سہو سرزد
ہوئے ہیں اور انکی خودرائی اور خودسری نے انکو بارہا گمراہ کردیا ہے۔ تاہم آج ایسے
ہی ہیں جیسے کہ پہلے تھے وہ بلاشبہہ انسانوں کے حاکم اور تخت افغانستان کے ان
امیدواروں کے ہجوم سے بہت ہی اعلے اور برتر تھے جو انکے موقعہ پر پہنچتے ہی نسج
ہو کیلے گئے۔ جب امیر صاحب منتخب کئے گئے تھے دوسرے امیدواروں کو پہلے آزمایش کرنیکا
موقعہ ملچکا تہا۔ اور وہ یکے بعد دیگرے رد ہوچکے تھے۔ اور لارڈ لٹن کو بخوبی معلوم
ہو گیا تھا کہ امنیں سے کوئی بھی اپنے آپ کو انگریزی سنگینوں کی مدد کے بغیر سنبھل
نہیں سکے گا۔ پہلا امیدوار سردار ولی محمد خاں خلف دوست محمد خاں کابل کا
گورنر تھا۔ وہ وجیہ بوڑھا آدمی تہا۔ جسکے اطوار پسندیدہ اور شکل مقبول تھی
جسمیں اسکو بہت سے محمدزئی سرداروں کی بڑی جماعت پر ترجیح تھی۔ اسکا اقتدار
شہر میں بہت ہی کم اور شہر سے چہہ میل باہر بالکل نہیں تہا جس سے اسکو خود بھی
انکار نہ تھا۔ دوسرا سردار ابراہیم خاں خلف سردار شیر علیخاں مرحوم تھا۔ جسکی
زبان میں سخت لکنت تھی۔ اور کوئی لیاقت یا وصف نہیں رکھتا تہا۔ اور نہ کوئی
پارٹی اسکی مخالف یا طرفدار تھی۔ بہرامیر شیر علی خاں کا بہتیجا سردار محمد ہاشم خاں
کے وقت ہر ولعزیز امیدوار تھا۔ لیکن وہ بے سروسامان منصوبے کرنیوالا
نوجوان تہا۔ جسمیں مطلق استقلال نہیں تھا۔ حالانکہ اسنے اپنے دعاوی کی اعانت
کے لیئے ایک جماعت اپنی بہم پہنچالی تہی۔ امیر سابق یعنی یعقوب خاں کا سب سے بڑا
بیٹا موسیٰ خاں بہت ہی موزون امیدوار ہوتا۔ اگر وہ کم سن اور ضعیف العقل
نہ ہوتا۔ سب امیدواروں سے بہتر سردار ایوب خاں گورنر ہرات تہا جو
امیر سابق محمد یعقوب خاں کا چھوٹا بہائی تہا۔ یہ بیس سالہ نوجوان تہا اور افغانستان

میں اسکے بہت مددگار تہے۔ شرائط ہوتے کے دوران میں کئی بار جب امیر عبدالرحمن خان نے ہمارے اس تجہاد کی منادی کرنے سے روکنے کی کوشش ہے۔ میں ایوب خان کو امیر تسلیم کرنے کے لیئے رضامند ہوتا۔ مگر باوجود شبہ چال چلن کے عبدالرحمن خان کے ساتھ رسل و رسائل کے سلسلہ کا نتیجہ بہت عمدہ پیدا ہوچکا تہا۔ اور ایوب خان ہند میں ایک ناقابل جنرل پر فتح پانے سے دربار سے باہر ہوگیا تہا۔ اور اپنی نوبت میں سر فریڈرک رابرٹ کے قندہار کیطرف تاریخی کوچ کے اختتام پر ایک مشکل نرغہ میں پہنس گیا تہا۔ دوران گفتگو میں امیر عبدالرحمن خان نے جس ڈہنگ سے کاروائی کی اس سے انکا چال چلن نہایت صفائی اور موثر طریق سے ظاہر ہوتا ہے اس سے بڑھکر کسی امر سے انکے ذاتی مفاد کا خیال اور کھُلے طور پر اپنے ہی مطلب کے حصول کو مدنظر رکہنا اور جو کچھہ ممکن ہو انگریزوں سے حاصل کرتے پر ثابت قدم رہنا اور اپنی طرف سے حتی المقدور کم رعایت دینا امیر صاحب کا ہی حصہ تہا۔ وہ فوراً کل معاملات کی تہ کو پہنچ گئے۔ اور ہمارے عام اشاروں سے انکو اس بات کا بخوبی علم ہوگیا تہا کہ برٹش فوج پہلے ہی موقعہ پر کابل سے لوٹ جائے گی۔ حتی کہ اگر تخت کابل کے واسطے کوئی موزون امیدوار نہ بہی ملا تاہم یہ واپس جانے میں تاخیر نہیں کریگی۔ اس بات کا یقین تہا کہ اگر امارت کو قبول کرلیا تو انکو ہر طرح سے اپنے ہی سہارے پر انگریزی فوج کی اعانت کے بغیر کاربند ہونا پڑیگا۔ انکی پالیسی کا لب لباب تھا۔ اور گو جنگ افغانستان کے تمول کو ترقی دی تہی اور اسکو ہرگز مفلس نہیں کیا تہا۔ تاہم یہہ جنگ کرنے سے تہک گیا تہا اور اس وقت تمام پارٹیوں کو جو کچھ مطلوب تہا وہ یہی تہا کہ انگریز جلد ملک سے چلے جائیں۔ حالانکہ اس ملک کے لوگوں کی ایک تعداد کثیر ہمارے جلد واپس آنے کی خواہاں تہی۔ لہذا امیر عبدالرحمن خان نے خیال کیا کہ ایسے موقعہ پر سب سے بہتر

عام پسند طریق یہی ہے کہ میں مذہبی پیشواؤں اور اسلام کی عظمت اور شوکت کا اشتیاق ظاہر کروں۔ اس طرح مذہبی جوش والوں کی بڑی تعداد خود بخود اس طرف مانوس ہوگی جسکو میرے یہہ کہنے سے کہ کافروں کو سلطنت اسلامیہ کے کسی معاملہ میں دخل نہیں ہونا چاہئیے۔ بہت بھاری مدد ملیگی۔ اس مآل اندیشی پر اُنہوں نے ہر ایک باوقعت شخص کو خواہ وہ واعظ یا امیر کبیر تھا مگر اُنکی دانست میں لوگوں پر اپنا رسوخ عمل میں لاسکتا تھا۔ اشتعال دلانے والے خطوط روانہ کیئے اور اُنکو کافروں کے برخلاف جہاد کے واسطے اُبھارا اور رکھلا بھیجا کہ ملک کے تمام لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کردو۔ تاوقتیکہ انگریزوں کے ساتھہ اطمینان بخش انتظام نہ ہولے۔ اِسکے ساتھہ ہی ہم لوگوں سے شرائیط صلح طے کرنیکا اشتیاق ظاہر کیا تاکہ وہ عہدوپیمان مدت مدید تک قایم رہیں۔ جسکی توڑنے کا وہم گمان بھی نہ تھا۔ بس اسطرح تمام حسن وقبح سوچکر اُنہوں نے دریائے جیحون سے کابل کے گردونواح کیطرف کوچ کیا۔ اور جوں جوں وہ نزدیک آتے گئے توں توں شمالی افغانستان پرجوش ہوتا گیا۔ کوئی سردار اُنکے ارادوں سے واقف نہ تھا اور غالباً امیر صاحب انگریزوں کیطرف سے بدظن تہے۔ کابل میں اُنکے طرفداروں نے امیر کو یقین دلایا کہ ہم صرف اُنکو جال میں پہنساکر امیر یعقوب خاں کیطرح ہندوستان میں بحراست رکھنا چاہتے ہیں۔ تاہم عبدالرحمن خاں کی پالیسی بخوبی عیاں تھی۔ وہ ہماری مشکلات کو بھانپ گئے تھے اور تاڑگئے تہے کہ اُنکو تاخیر سے بہت زیادہ حاصل ہوگا۔ بہ نسبت اِسکے کہ جو شکار اُنکے پیش تھا اُسپر ہی بہتر پڑتے۔ کابل سے قندہار کا جدا ہونا اُنکو بہت ناگوار گذرتا تھا۔ کیونکہ وہاں کا حاکم شیر علی جس نے موروثی حکمران ہوجانا تھا اُنکا دشمن تھا۔ اُسکی تحریک سے روسیوں نے عبدالرحمن خاں کو قندہار کا قبضہ بھیجدیا تھا۔ قندہار کے معاملے میں قسمت عبدالرحمن خاں کی طرف

لڑ رہی تھی۔ کیونکہ شیر علی جو بالکل کمزور اور نالایق شخص تھا اور سردار ولی محمد ان گورنر کابل کیطرح اُس وقت بگڑ گیا تھا جس وقت ایوب خاں نے بمقام میوند انگریزوں کی فوج کو شکست دی تھی۔ زاں لعد کوئی امر بجز اسکے کہ برٹش فوج مستقل طور پر قابض ہوتی اسکو قندہار میں رہنے کی ترغیب و تحریص نہ دلا سکتا مگر یہہ ایسا بیڑا تھا جو گورنمنٹ ہرگز اُٹھانا نہیں چاہتی تھی۔ لہذا قندہار نئے امیر کے زیر نگین آیا۔

چونکہ تمام افغانستان کے بڑے خاندانوں اور ذی اقتدار رؤساء کے ساتھہ ہمارے جاسوس اور تنخواہ دار ایجنٹ تعینات تھے۔ اسلیئے امیر صاحب کے کئی اشتعال دلانے والے خطوط مذکور ہمارے پاس پہونچے جن سے حوصلہ پاکر یعنی پوری کامیابی کے ساتھہ امیر صاحب کو فہمایش کی اور عبدالرحمن خاں کی اپنی چٹھیوں کے جواب میں انکو ایسی تحریر بھیجی جو اپنی اصلی معنوں میں "الٹی میٹم" تھی جسکو امیر صاحب نے یہہ سوچ کر کہ مزید تاخیر یا تامل تحصیل حاصل ہے۔ بڑی معقولیت کے ساتھہ اسکو قبول کیا۔

اس برتاؤ میں جو ہمارے لیئے کابل میں بہت ہی متردد اور اضطراب پیدا کرنے والا تھا۔ میں ہند میں کوئی ایسا امر نہیں پاتا جسکی بابت شکایت بجا ہو عبدالرحمن خاں کو اپنی طاقت کا بہت ہی خیال تھا۔ انکو صرف انگریزوں ہی سے اسقدر پیچھا رنا مد نظر نہیں تھا جسقدر کہ ممکن ہو۔ بلکہ وہ اپنی اُسی حالت کو بھی تقویت دیا چاہتے تھے جسمیں ہمنے انکو وایسرائے ہند کا ملازم یا نامزد شخص نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ افغانستان کے لوگوں کی عام صدا سے کافروں کی تمام سلطنتوں کے مقابلہ پر اسلام کے ڈنکہ سے ملک کی حفاظت کیواسطے منتخب کیئے گئے تھے اس مدعا کے واسطے امیر صاحب نے جو حکمت سوچی بہت عظیم اور موثر تھی۔ خواہ وہ اسکو اس حد تک بڑھا نہ گئے جسمیں حفاظت معرض خطر میں ہو گئی تھی

مگر اُنکی قسمت کا ستارہ اوج عیوق پر تھا۔ اور برٹش گورنمنٹ نے عین وقت پر اُنکی
غلطی کی اصلاح کرکے اُنکو بڑے وقار سے امیر مشتہر کیا اور تب سے اُنھوں نے اپنی
اِس منزلت کو نہایت کامیابی اور وقار کے ساتھ بحیثیت بادشاہ متحد افغانستان
قایم رکھا ہے اور انگلستان کے وظیفہ خوار معاون ہونیکی حیثیت میں اپنی خارجہ پولیسی
کو گورنمنٹ ہند کے ماتحت رکھنے کی پابند ہیں اور جبتک وہ اِس اقرار کے پابند ہیں گورنمنٹ
ممالک غیر کی مداخلت یا حملہ کے مقابلہ پر اِسکی مدد کرنیکی کفیل ہے۔ اگر یہہ خیال کیا جائے
کہ ابتدائی گفتگو کے دوران میں اُنکا وقار سے گرا ہوا برتاؤ اِس رائے کا متضاد تھا۔
جواب اُنکی عام صداقت اور دیانتداری کی نسبت ظاہر کیجاتی ہے۔ تو یہ یاد رکھنا چاہئے
کہ ایک بہت ہی مشکل کام اُنکے پیش تھا۔ اگر وہ شروع میں ہی انگریزوں کے ساتھ
بہت وابستگی ظاہر کرتے تو اُنکے اپنے مذہبی جوش والے ہموطن ہی اُنسے بیگانہ ہوجاتے
گو یہ نوٹ بالکل تھوڑے اور نامکمل ہیں۔ تاہم اُنسے انگریز ایسے شخص کے چال چلن
کی بابت کچھہ نہ کچھہ سمجھہ سکیں گے جسکی زندگی اور پالیسی پر بہت کچھہ دارومدار ہے۔ امیر
صاحب کا رجحان طبیعت روسیوں کیطرف نہیں ہے کیونکہ وہ روسیوں کو ایسی اچھی
طرح جانتے ہیں کہ وہ انپر اعتبار نہیں کرسکتے۔ فارس۔ بخارا۔ خیوا اور خوقند کے
سبق اُنکے پیش نظر ہیں اور اُنکی بڑی خواہش اپنے ملک میں روسیوں کی دست اندازی
کو روکنے کی ہے اور اُسکے ساتھہ ہی انگریزوں کی علانیہ مداخلت کو بھی مخل ہیں وہ بخوبی
جانتے ہیں کہ ہم اُنسے نسبتاً اچھا سلوک کرتے ہیں۔ اور ہمارا افغانستان لینے کا ارادہ
نہیں ہے۔ کیونکہ ہم اسکو دو دفعہ اُس وقت چھوڑ آئے ہیں جبکہ اُسکا الحاق کرلینا
آسان اور جائز تھا۔ لیکن اُنکا فخر اور اپنی ذات پر اعتبار اِس درجہ کا ہے کہ وہ
چاہتے ہیں کہ اپنی طرز پر حکومت کرنے کے لیئے تنہا چھوڑے جائیں۔ اگر وہ دن
آجائے کہ اُنکو مجبوری انگلینڈ اور روس میں سے ایک کو سلطنت منتخب کرنا پڑے

تو اسمیں کچھہ شک نہیں کہ وہ اپنی قسمت کو اس قوم کے ساتھہ شریک کرینگے جس نے فتح کے وقت فیاضی - اور اعتدال سے کام لیا ہے - اور جبیر وہ افغانستان کی آزادی کو قایم رکھنے کیواسطے اعتبار کر سکتے ہیں - لیکن امیر صاحب اس بات کو فراموش کر رہے ہیں - دو بڑی بڑی اور رقیب طاقتوں کے مابین ایسا نہیں ہے کہ وہ پولیٹکل علیحدگی کو قایم رکھہ سکیں اور ایک کے ساتھہ ملکر بمقابلہ دوسرے کے کارروائی کریں اور بمعاوضہ میں کوئی سروس کرنیکے بغیر انگلستان سے بھاری وظائف لیتے رہیں -

افغانستان سلطنت ہند کا ایک بڑا بھاری مورچہ ہے اور ہم گوارا نہیں کر سکتے کہ یہہ اسطرح ہمارے مقابلہ پر بند رہے جیسا کہ یہہ اب ہے جس بات کی ہمیں ضرورت ہے ہم اس سے بخوبی واقف ہیں - سب سے پہلے ضروری ہے کہ انگریزی منسٹر کابل میں اور انگریزی افسر بحیثیت ایجنٹ ہرات اور قندھار میں رہیں - اگر امیر صاحب بخوبی طاقتور ہونگے تو یہہ افسر بالکل محفوظ رہیں گے اور کوئی کے دلخراش واقعہ کے بھر ظہور میں آنیکا کھٹکا نہیں ہوگا - دوم ریلوے کو قندھار تک وسعت دیجائے اور سلسلۂ تار مابین کابل ہرات اور برٹش انڈیا کے قائم کیا جائے - اخیر میں انگریزی تجارت کو مسدود کرنیوالے محصول موقوف کرانے ضروری ہیں - گو یہہ امور امیر صاحب کی نگاہ میں پسندیدہ نہ ہوں - لیکن عہد و پیمان کی منشا کے مطابق ہیں - شمالی افغانستان - وخان - شگنن - روشن - اور کوہستان اور پامیر میں حدبندی کے سوالات پر اسجگہہ بحث نہیں کیجاسکتی - مگر امیر صاحب کو انکی نسبت کوئی اعتراض نہیں ہوگا -

یہہ سخت غلطی ہے کہ ہندوستان میں کمانڈر انچیف امیر صاحب کے ساتھہ جلال آباد میں یا کسی دوسری جگہہ گفتگو کرنے کے لیئے مقرر کیا جائے - اسلیئے امیر صاحب جنت المکان ملاقات سے گریز کرینگے - کیونکہ کمانڈر انچیف کا منصب ہی ایسا ہے کہ اسکا ایسے ڈیپوٹیشن پر تعینات ہونا روس یا کابل کے لیئے بین دھمکی سمجھا جائیگا - اور

انگلستان کی شان سے بعید ہے کہ ایسی بات پر کوئی مخبر کرے۔ امیر صاحب کو یہہ خیال پیدا ہوگا کہ ایسے سفیر کے انتخاب سے اُنکے شان کے خلاف کارروائی کیگئی ہے اور گو انکو کیسی ہی بھاری مصروفیت ہوتا ہم انکا برٹش سفیر کے ساتھہ ملاقات کرنا ممکن ہے۔ تاہم اگر کوئی منتخب پولٹیکل افسر گمنٹریٹ اور جیسا اس کام پر تعینات کیا جائے جسکو ڈپلومیٹک کارروائیوں کا تجربہ بہی ہوتا ہے تو اس سے بڑھکر عمدہ نتائج پیدا ہوں۔ طاقت یا طاقت کا جھلک اُس وقت تک باز رکھنا چاہئیے جب تک کہ اسکا نظارہ ثمرہ ثابت ہونیکا یقین نہ ہو۔

افغانستان کی قسمت میں جو کچھہ لکھا ہے اُسکی نسبت پیشین گوئی کرنا آسان بات نہیں ہے اور یہہ پولٹیکل طور پر صاف صاف بتایا جاسکتا ہے کہ آئندہ کیا کچھہ وقوع میں آنا قرین قیاس ہے۔ امیر صاحب بوڑھے اور نحیف ہیں لیکن وہ وجع المفاصل اور زین قیل و دیگر عوارض میں مبتلا رہتے ہیں جن سے اُنکے متعلقین بعض بعض دفعہ بہت ہی مشوش ہوجایا کرتے ہیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ کوئی شخص بھی افغانستان میں اپنی طبعی موت سے نہیں مرا۔ اگر گورنمنٹ کو اس بات کا یقین ہوجائے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ تخفی قرار دادیں اور در پردہ انتظام ناموزون سمجھکر بالائے طاق رکھی جائیں اور افغانستان کے ساتھہ یہہ معاہدہ ہے کہ کسی دشمن پر چڑھائی کرنے یا دشمن کے سر پر آنے کی صورت میں گورنمنٹ اسکو مدد دیگی اور امیر صاحب کے منتخب وارث کی رعایات مذکور کے بدلمیں کفیل ہو تو میں خیال نہیں کرتا کہ ہمارے لئے آئندہ ایام میں کوئی بدمزگی نہیں پائی جائیگی۔ اسمیں ذرہ بھی شک نہیں ہے کہ ہم پھر افغانستان پر قبضہ کرنا نہیں چاہتے۔ اور یہہ ویسا ہی یقینی امر ہے کہ اگر ہم قبضہ کریں تو ہمیں اسملک کا الحاق کرنا ہوگا۔ مستقل اور پختہ الحاق کے بغیر ہم اسملک میں کوئی دوست موجود نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ گذشتہ مہم میں ہمارے دوستوں نے ہماری وفاداری کے واسطے

اپنے مال یا جان یا دونوں تصدق کیئے۔

اِس آرٹیکل کے چھپتے ہوئے چترال کی چھوٹی پہاڑی ریاست کیطرف بہت توجہ معطوف ہو رہی ہے۔ جہاں افضل الملک اپنے چچا شیر افضل کے ساتھ وراثت کیواسطے معرکہ کرتے ہوئے کام آیا۔ اور تازہ خبروں سے واضح ہوا ہے کہ شاہزادہ متوفی کے برادر نظام الملک نے شیر افضل غاصب کی افواج کو شکست دیکر چترال پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور شیر افضل نوک دُم بھاگ گیا ہے۔

ان واقعات میں خاص دلچسپی امیر صاحب کابل کے معاملات چترال میں دست اندازی کرنے اور انکے غاصب شیر افضل کو مسلح افغان فوج سے مدد دینے میں پائی جاتی ہے اور یہہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شیر افضل بدخشاں سے آیا تھا۔ اِسلیئے ممکن ہے کہ روسی اسکے حامی ہوں۔

میں اسقدر کہونگا کہ دور پہاڑی ریاستوں کے جھگڑے بہت وقعت کے قابل نہیں ہیں اور بلا شبہ اِس توجہ کے لائق نہیں ہیں جو اِنکی طرف معطوف کیجا رہی ہے۔ اور گو چند افغان شیر افضل کے ہمراہیوں میں شامل تھے تاہم اِس امر کا یقین دلانے کے واسطے کوئی وجہ نہیں ہے کہ روسیوں نے یا کہ امیر کابل نے اسکو ریاست مذکور غصب کرنیکی ترغیب و تحریص دلائی۔ امید نہیں کہ امیر صاحب نے علانیہ یا بلا واسطہ کوئی قرار داد کی ہو۔ اگر وہ کسیقدر پولیٹکل معاملات چترال میں اُلجھے بھی ہوں تو یہہ کابل کا معمولی قاعدہ ہے۔ امیر صاحب کی طرف سے کوئی نئی بات وقوع میں نہیں آئی۔ اور نہ ہی کوئی معقول گورنمنٹ ایسی باتوں کی طرف بہت کچھ متوجہ ہو سکتی ہے۔ پہلے ایام میں جب سر ہنری ڈیورنڈ اور سر رابرٹ ایجرٹن پنجاب کے لفٹنٹ گورنر تھے۔ اور میں انکی گورنمنٹ کا سکرٹری تھا۔ لارڈ لارنس کی پالیسی کے مطابق ان چھوٹے چھوٹے خانوں کے معاملات سے بالکل اغماض کیا جاتا تھا۔

اُس وقت چترال ایک پُرانے شریف اور جابر امان الملک کے زیر حکومت تھا۔ اور جسکا انگریزوں کے ساتھہ عمدہ سلوک تھا۔ اب بھی میرے پاس اسکے محبت آمیز اور دوستانہ خط موجود ہیں۔ ایکدفعہ وہ امیر کابل سے بڑھکر مہاراجہ صاحب کشمیر سے برافروختہ ہوا۔ تاہم اسکی یہی خواہش تھی کہ اسکے معاملات میں کوئی دخل نہ دے۔ کیونکہ اسکو یقین تہا کہ اسکے اپنے لوگ تمام مداخلت کرنے والوں کا مقابلہ کرسکینگے اسکے مرنیکے بعد حسب معمول طوفان بے تمیزی مچگیا ہے۔ اور صرف اس وقت امن قایم ہونے کی توقع ہے جب کوئی ایسا دعویدار اسکا وارث قرار پائے۔ جسکے جائز حقوق عملی طور پر مساوی ہوں۔ اور وہ بزور بازو اپنے حقوق قایم کرلے۔ جو چاہے اسکا وارث ہو اسنے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ نظام الملک جو دراصل امان الملک کا بڑا بیٹا ہے۔ اور جسنے اپنے چچا کو ملک سے نکال دیا تہا۔ وہ انگریزوں کا دشمن بیان کیا جاتا ہے۔ مگر یہ غالباً صحیح نہیں ہے۔ یہہ شخص بھی اپنی قوم کے دوسرے لوگوں کیطرح آزاد رہنا چاہتا ہے اور شاید ہمیں اپنے آدمیوں کے ساتھ سر ولیم لوکھارٹ کی مدد کیواسطے جانا چاہتا تھا مگر برٹش ریزیڈنٹ کشمیر نے اسکو ان بہادر ارادوں سے غیر ضروری طور پر باز رکھا ہمیں شمال و مغربی سرحد کے خفیف خرخشوں کیساتھ امیر صاحب کو شامل کرنیکی پولیسی کا سخت مخالف ہوں۔ سچلے ایام میں انکی اطلاع بذریعہ تار کلکتہ بھیجنے کا ہمیں کبھی خیال بھی نہ ہوتا۔ اور لنڈن بہنچانیکا وہم ہمارے فرشتوں کو بھی نہ گذرتا۔ پیغامات تار اور خاص نامہ نگار چترال کے ایسے معاملات کو بالکل مبالغہ آمیز اور مصنوعی رنگ دیتے ہیں گورنمنٹ ہند کی سروس میں کئی ایسے سیاسی ملٹری اور ڈپلومیٹ ہو چکے ہیں جن کی شیفتگی کا اندازہ نہیں اور وہ اسلامیہ مشتہر ہستی نتیجہ نکالتے ہیں جو کچھ ہم روسی افسروں کے سیاسی انداز کی نسبت سنتے ہیں کلکتہ میں دوست گورنمنٹ کو بھی لا دیکر غیر محتاط مزاج والوں کو کس طرح تھامنا سکتا تھا۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ عبدالرحمن خان نے گذشتہ سالوں میں کئی دفعہ انتحاد و وفاداری کا ثبوت دیا۔ اور اسکی حقانی مقصود کو نظر انداز کرنا تھا اسکے تحفظ کی کبھی اشتعال والا معاملہ

ضمیمہ پنجم

ممکن نہیں کہ روس ہندوستان پر حملہ کرسکے

[۲ مارچ ۱۹۰۱ء کے پیسہ اخبار سے نقل کیا گیا]

آج کے پیسہ اخبار میں کسی دوسری جگہ ایک نقشہ ہندوستان کی سرحد شمالی و مغربی کا درج کیا جاتا ہے کہ جو ۹ فروری ۱۹۰۱ء کے اخبار لنڈن سٹار میں شائع ہوا ہے اور اسکے ذریعہ سے ہندوستان پر روسی حملہ کا ہونا محال بلکہ ناممکن ثابت کیا گیا ہے۔ اخبار سٹار لکھتا ہے کہ یہ نقشہ جو بہت بھاری خونریزی اور بربادی اخراجات کا ذمہ وار ہے۔ اسکا نام سرحدی پیشقدمی کی مصلحت رکھا گیا ہے۔

نقشہ میں غرض کیا گیا ہے کہ اب ہم اسی مقام میں ہیں جہاں ہم ۱۸۷۸ء میں تھے اور اسوقت ابھی لارڈ بیکنسفیلڈ۔ لارڈ سالسبری۔ لارڈ لٹن نے پیشقدمی کی پولیسی کو ہند میں رواج نہیں دیا تھا اسی وقت ہندوستان کی حفاظت کیواسطے تین بڑی قدرتی مدیں تھی یعنی ایک ریگستان۔ ایک بہت بھاری سلسلہ کوہ وجبال۔ اور ایک وسیع تیز رو دریا۔ پشاور سے لیکر داور تک سلسلہ پہاڑ جو حفاظت ہند کی پہلی حد ہے ۶۵۰ میل لمبا ہے۔ اور یہاں صرف پانچ درے ہیں۔ کہ جنکے صرف بیچ سے ہو کر آدمیوں کی کسی بڑی تعداد کا گذرنا ممکن ہے۔

یہ پانچ راستے یعنی بولان۔ تہل چٹیالی۔ گومل۔ کرم۔ اور خیبر نقشہ پر افغانستان کے پہاڑوں اور چٹانوں کی بیچ پانچ سفید دھاریوں کے طور پر اس نقشہ میں ظاہر کئے گئے ہیں۔ انکو دکھانے کے لئے سفید چھوڑنا ضروری تھا۔ تاکہ ایک ہی نظر سے ذہن نشین ہو جائیں لیکن یہ

قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ یہ راستے بخوبی ہموار اور آسانی سے قابل گذر ہیں - بلکہ برعکس اسکے انمیں سے
کسی ایک کی راہ سے سڑک کی مشکلات بڑی بھاری فوج سے بھی مغلوب ہونیکے ناقابل ہیں جیسا کہ
کرنل ایچ بی ہنا کے اعلےٰ درجہ کی چھوٹے سے رسالہ موسومہ "کیا روس ہند پر حملہ کر سکتا ہے" سے
بخوبی ثابت ہوگا -

یہہ یاد رکھنا چاہئے کہ انگلو انڈین فوج کا ان دروں میں سے کسی سے گذرنا ایک بات ہے اور روسی
فوج کا گذرنا بالکل امر دیگر ہے کیونکہ ہماری اصلی بنیاد دینا و یا راولپنڈی یا ملتان میں ہے - حالانکہ
روس کا سفر یا تو قندہار سے یا اوکسس سے شروع ہوگا - کابل کو ہر موسم سرما میں قحط سے تکلیف ہوتی ہے اور
اسکو ہمیشہ اپنی خوراک کا ذخیرہ غزنی سے بہم پہنچانا پڑتا ہے - لہذا یہ روس کیواسطے موزون بنائے جنگ
نہیں ٹھہر سکتا یہی بات قندہار اور اوکسس پر صادق آتی ہے لیکن سٹار کا مضمون نگار لکھتا ہے
کہ ہم اپنی تحقیقات کو افغانستان میں نازل ہونیوالی مشکلات کے باہر نہیں لیجائینگے -

اگر اس نقشہ کے بائیں طرف نیچے سے شروع کیا جاوے تو پہلا رستہ بولان اور بلوچستان کے ریگستان کے
بیچ سے قندہار کیطرف سے ملتان کو آتا ہے جسکا بعد ۵۰۷ میل ہے - قندہار سے روانہ ہوکر یہ رستہ ۳۰ میل تک
سنگلاخ ویرانہ ہے اور سلسلہ خواجہ عمران کے ڈھلوانوں کے وادی پشین میں قطع کرتا ہے جو رسالہ کی ایک رجمنٹ
کے واسطے بھی خوراک بہم نہیں پہنچا سکتا ہے اور اسکا پانی بھی شور ہے - درہ بولان فی نفسہ ۶۰ میل لمبا
ہے اور ابتدا سے انتہا تک حتیٰ کہ ویران و سنسان ملک ہے جہاں مطلق پیداوار نہیں ہوتی اور کہیں
بھی کیمپ کے لائق میدان موجود نہیں ہیں - یہ موسم گرما میں تنور سے اور موسم سرما میں طوفان سے
پر رہتا ہے - پھر حملہ آور فوج کو سندھ پہنچنے سے پہلے ۱۶۰ میل خشک ریگستان پست جنگل اور دریائی
دلدل طے کرنے پڑتے ہیں جنکی پانی اسقدر تلخ اور نمکین ہیں کہ پیاسے گھوڑے بھی انکو منہ نہیں لگاتے
پس بمشکل صرف ایسی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بھوکی پیاسی رہکر مشکل سے طے کر سکتی ہیں کہ جنکو
منتظر افواج سہولیت سے شکار کر لینگی -

دوسرا راستہ جو تہل چوٹیالی کا ہے - وہ خوجک وادی پشین کاکر بیالہ بیلوا ڈیرہ غازیخان

سلطنت روس
افغانی ترکستان
دریائے آکسس
بخارا
سمرقند
درہ بامیان
چترال
افغانستان
درہ بروغل
سرحد ۱۸۶۷ء
دریائے سندھ
پشاور
جہلم
ڈیرہ اسمٰعیل خاں
زمین زیر طغیانی
سندھ ساگر ریلوے
دریائے جہلم
دریائے چناب
دریائے راوی
ملتان
نارتھ ویسٹرن ریلوے
دریائے ستلج
ڈیرہ غازی خاں
بہاولپور
صحرا

کی راہ سے قندھار سے ملتان تک ہے۔ اسکی لمبائی ۴۵۹ میل ہے۔ یہ بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ پہلا وادی پشین تک ہے پھر یہ ٹوٹی پھوٹی پہاڑیوں پر سلسلہ بسلسلہ چلا آتا ہے اور اسکے آگے گرم خشک جنگل ہے۔ ۱۸۷۹ء میں جو برٹش فیلڈ فورس اس راہ سے آئی تھی۔ اسکو تمام قسم کی معمولی خوراک کے علاوہ حیوانوں کیواسطے دانہ تک ساتھ اٹھانا پڑا تھا۔

تیسرا راستہ غزنی سے درہ گوالری۔ دریا گومل اور ڈیرہ اسمعیل خان کے راستہ ملتان کو ہے اسکا طول ۴۶۶ میل ہے یہ ایک طرف تو موسم گرما کی سخت تمازت اور دوسری طرف موسم میں سخت سردی کے باعث کسی بھاری فوج کو ناقابل گذر ہے یہ ایک خشک بیابان جا ملتا ہے جسکو طے کرنیکے بعد حملہ آور کو دریائے سندھ پیش آئیگا

چوتھا راستہ غزنی اور قابل کیطرف درہ شتر گردن اور درہ پیوار۔ وادی کرم تھل کوہاٹ اور خوشحالگڑھ سے ہوتے ہوئے راولپنڈی کو آتا ہے جسکی لمبائی ۳۴۹ میل ہے یقین نہیں کہ کوئی بڑی فوج اس راستہ کو ویسا ہی خطرہ اٹھانیکے بغیر طے کر سکے جو اسکو سر فرانسیس کے [illegible] کے موقعہ پر ظہور میں آیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ نپولین کی فوج کی کامل تباہی کرنیوالا تھا۔ پانچواں راستہ۔ ۳۰۹ میل غزنی۔ کابل لنڈی جلدبک اور خیبر کیطرف سے قندھار سے پشاور کو آتا ہے اور یہ راستہ جو سر سبز وادی پشاور سے ملتا ہے قریباً تمام حملہ آور سکندر اعظم سے لیکر نادر شاہ تک استعمال کرتے آئے ہیں لیکن کوئی بڑی قوت مقابلہ میں یہ راستہ اور [illegible] فوج کی مدد پر جمع نہیں ہو سکتی اگر [illegible] کے بعد آب ہوا کی مشکلات جھیلی ہوئی ہیں۔ [illegible] جہاں ہماری بہت سی فوج پشاور میں پاس ہی ہوگی۔ اب دیکھو کس قدر مضبوطی کیساتھ [illegible] جیسی دشمنوں کی ایک بھی رجمنٹ اس راستہ سے سر نہیں نکال سکیگی۔ لیکن [illegible] حملہ آور [illegible] یا سوال [illegible] پر غور کئے جانیکا بھی متقاضی ہے کہ روسیوں کی فوج کو [illegible] کم [illegible] منقسم ہونا پڑیگا۔ (الف) چالیس ہزار آدمی یعنی ہرات میں (۱۰۰۰۰) قندھار میں (۱۰۰۰۰) اور کابل میں (۲۰۰۰۰) کرنی ہونگی۔ (ب) تیس ہزار (۳۰۰۰۰) مابین ہرات قندھار و میدان کابل [illegible] مقامات پر [illegible] دونوں مقامات کے مابین راستے کھلے رکھنے ہیں۔ (ج) (۱۵۰۰۰) جو [illegible] درکار ہونگے اور (د) (۰۰۰۰) [illegible] جنکو فوج کا انتظام [illegible]

لے جانے کے واسطے بقول ملٹری مرّ اتھ فکار دوسے ۲۳۰۰۰۰ کمپ کے ملازم جنکی شاگرد پیشہ وغیرہ مطلوب ہونگے۔ اِسقدر بھاری فوج
کو خوراک بہم پہنچانا کس طرح ممکن ہوگا۔ حملہ آور فوج کو درہ بولان گذر کر قندھار سے ملتان پہنچنے میں ۱۰۰ دن درکار ہونگے
اور ہر ایک دستہ کو بحساب اوسط ۵۰ دن خوراک پہنچانی پڑیگی۔ اسقدر فوج کیواسطے زندگی کی معمولی ضروریات اٹھانیکے
لئے ۳۲۵۰۰۰ شتر یا ۵۰۰۰۰ خچر درکار ہونگے علاوہ انکے خیمے یا سٹیل اور دیگر سامان اٹھانے کیواسطے کم سے کم
۷۰۵۰۰۰ اونٹ یا ۵۰۰۰۰ خچر مطلوب ہونگے۔ حالانکہ ان زیریوں میں سے تیس فیصدی خچروں کا چارہ اٹھانے کیواسطے
کم سے کم ۲۱۲۳۳۴ شتر یا ۲۶۵۶۲ خچر درکار ہونگی۔ دوسرے الفاظ میں حیوانات باربرداری کا
چارہ اٹھانیکے سامان شمار میں لینے کے بغیر اگر شروع سے اخیر تک کوئی قوت و قعہ نہ ہو تو حملہ آور فوج کو
۱۰۸۲۱۵ شتر یا ۱۲۷۵۴۲ خچر چاہئیں۔ یہ سب کچھ ایسے حملہ کو ناممکن ثابت کرنیکے لئے بیان
کیا گیا ہے جسکا بہت بھاری ریلوے لینوں کے تیار کرنے سے علاج نہیں ہو سکیگا کیونکہ ۲۰ مہینوں سے کم
اس مہم عظیم کیواسطے درکار نہیں ہونگی اور اس کام پر ایک سو دن لگیں گے اور ان ممالک میں پلوں کا نہ بہنا
یا نہ تباہ ہونا اور بندوں کا پانی سے کمزور نہ ہونا یا نہ ٹوٹنا اور ریلوں کا نہ اکھڑنا اور اخیر
میں تمام ملٹری پلان کا نہ بگڑنا معجزہ سے کم نہ ہوگا۔

الغرض قدرتی سامان ہماری تائید میں ہیں۔ روسیوں کا ہند پر حملہ آور ہونا
ناممکن ہے۔ بقول سر ہنری ڈیورینڈ بعینہٖ وہ خاصیت رکھتا ہے جو فرانس کے ہنری اول نے ہسپانیہ کی
بتائی تھی۔ اگر بہت بھاری فوج کیساتھ حملہ کروگے تو بھوکے مروگے اور اگر تھوڑی فوج لیجاؤگے
تو دشمنوں کی فوج کے ترغہ میں پھنس کر مغلوب ہو جاؤگے۔

اخبار رشتارک کے مضمون کو زبردست دلائل اور واقعات بخوبی ثابت کر دیتے ہیں کہ اس صدی میں تو
روس سے ہندوستان پر حملہ کرنیکی امید نہیں۔ اسلئے روس کے حملہ کے اندیشہ سے جسقدر زر کثیر ہندوستان
کی محصول دینے والی رعایا کا ضائع ہو رہا ہے اور سرحدی جنگوں میں بیش قیمت یورپین افسر دیسی جانوں کا نقصان
ہو رہا ہے کیسا کام معقول نہیں آتا اور بقول سر لیپل گریفن کے آئندہ روس ہندوستان پر اس حد کیطرف سے حملہ
کرنا معلوم نہیں ہوتا بلکہ اندازی دریاہا کی قریب حملہ کریگا بہت بعید از قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

افغانستان کے نشیب و فراز کا سرسری نظارہ

تاریخہائے تالیف وطبع تذکرۂ امیر

قطعۂ تاریخ طبع تذکرۂ امیر نتیجۂ خیال شاعر بیمثال جناب مرزا بسم اللہ بیگ صاحب بسمل دہلوی

نام عالم میں جو ہے محبوب عالم آپکا — واقعی اوصاف ہیں محبوب عالم آپکے

کیوں نہ ہو محبوب عالم آپ کا اخبار بھی — کر لیا تسخیر عالم آپکی تحریر نے

سب مفید ملک ہیں سبکا رنامے ہیں بہت — کارنامے ہیں سوا اخبار کے بھی جو لکھے

تذکرہ بھی کیا مبارک آپنے لکھا ہے یہ — جسمیں ہیں حالات امیر صاحب توقیر کے

چرخ پر نام آوری کے وہ سر افراز جلیل — نام روشن تر ہے جسکا مہر پُر تنویر سے

تھا بڑا اندھیرا علمی کے تاریک ابر میں — رہتے احوال ایسے بیشک مہر کے یوں ہی چھپے

یاں بھی کام آ ہی گئی مگر روشن دماغی آپکی — کر دیے روشن چراغ آپ ہی نے معلومات کے

طبع کی تاریخ بسمل نے بھی اسکی فی البدیہہ — یہہ کہی اللہ وبھی کس صنعت سے اور کس لطف سے

بے تکلف معنوی دیکھو تو ہجری ہے یہی — عیسوی صوری ہے سن اٹھارہ سو اٹھانوے

دیگر

باسمی ہیں اسم میں اپنے — منشی محبوب عالم اہل کمال

انکی تقریر آپ کہتی ہے — ہے بلند انکی فکر انکا خیال

نہیں تحریر کی ہے انکی نظیر — نہیں اخبار کی بھی انکی مثال

تذکرہ بھی امیر کابل کا — خوب لکھا انہوں نے بھی فی الحال

یہہ وہ نایاب شے ہے تھی لاریب — ملک کو جسکی احتیاج کمال

حکم تاریخ پہونچا تو مجھ سے — بمتکلم ہوا یہ میرا خیال

کہیئے تاریخ آپ ہی بسمل — پر یہہ سن لیجیے میری عرض حال

دونوں صفت ہوں معنوی صوری
ایسی تاریخ تم سے کیا ہے محال
کچھ تو جدت ہو یعنی ہو جس سے
آپکا کچھ تو امتیاز کمال
کہا میں نے بھی ہے سر اُنکا
تیرہ سو پندرہ ہیں ہجری سال

تاریخ تیسری

جو لیئے کامل امیر ذی وقار و ذی حشم
عزّ و جاہ و شان و شوکت جسکی ہیں خیل و خدم
تذکرہ اک حضرت محبوب عالم نے لکھا
اور کیا اچھا لکھا کیں لطف و خوبی سے لکھا
جسمیں ہیں حالات مذکور اُس جلیل الشان کے
جنکے تھے مشتاق رہنے والے ہندستان کے
پہنچی جب تاریخ کی فرمایش اور پہنچی خبر
مینے بھی دل سے کہا بسمل کر تو ہی فکر
بول اُٹھا دل تیرہ سو پندرہ ہجرت کا سن
اور اسی میں عیسوی سن کہہ گیا وہ خوش سخن
ہجری و صلوی اور اسی میں معنوی ہیں عیسوی
تام کو تخمیں نہیں ہے کوئی بیشی اور کمی

تاریخ تالیف تذکرہ امیر مصنفہ ناظم قابل و نا نزلائق منشی سید صادق حسین صاحب صادق بلندشہری محرر تحصیل سرسہ ضلع حصار شاگرد مرزا الٰہی بیگ بسمل الٰہی

جناب منشی محبوب عالم
زمانے میں غنیمت جن کا ہے دم
پسند خاص و عام انکی ہے تقریر
مفید عام ہے اک اُن کی تحریر
لکھا ہے تذکرہ بھی الحق ایسا
کہ ہاں لکھنے کا حق ہوتا ہے جیسا
ہے ایک عالم میں مشہور انکا اخبار
ہے جسکا نام نامی پیسہ اخبار
اور اب لکھا ہے اسکا تذکرہ بھی
ہے جسکا نام نامی و گرامی
خدا صادق نے بھی جس وقت پڑھکر
تو غور اگر کرتے ہی تاریخ کی فکر
کہیں یہ آپ ہی محبوب عالم
ہے یہ اخبار بھی محبوب عالم
امیر عبد الرحمن خاں جناب عرش
امارت کے صدقے کا ہے جلوہ

خزانہ ایک معلومات کا ہے (۱۳۱۷ - ۲ = ۱۳۱۵)	اٹھا کر بحث کا سر یہ کہا ہے

تاریخ چکیدۂ قلم جادو رقم جناب مرزا عباس بیگ صاحب متوطن بلدۂ پشاور از تحصیل مردان

ز خالق بر تو اے محبوب عالم آفریں بادا — معین و یاور تو ہر دو رب العالمیں بادا
ز حالات امیر ابن امیر آں والی کابل — ضیاء الملت و الدین کہ حق ورا معین بادا
عجب مجموعۂ از سعی بے پایاں بہم کردی — الٰہی دوستانش شاد و اعدایت حزیں بادا
امیر آں حامی اسلام و دین احمد مرسل — ظفر یارش بود دائم و گر نصرت قریں بادا
بحلق دشمنانش زہر مرگ از قہر یزدانی — ز فضل حق بکام دوستانش انگبیں بادا
علو پایۂ احباب او ہر دم چو کیواں باد — بخاک مدبری اعدائش دائم ہمنشیں بادا
بہی خواہان اقبالش چو صبح عید خنداں باد — ببد خواہان دولت شاں غم بر آستیں بادا
پئے تاریخ چوں محبوب از احباب پرسیدہ — بتعمیلش بگفتم سن کہ تاریخ ایچنیں بادا

سر اعدا بے او ببرید و اللہ گفت العباس
ضیاء الملت و الدین امیر المومنیں بادا

سر اعدا الف ہے باشارہ ببرید ساقط کیا گیا یعنی بحساب جمل الف کا ایک عدد ہے اور سالم مصرعہ ثانی ۱۹۰۰ ہوتا ہے جب ایک منہا کیا تو ۱۸۹۹ء رہا۔

ولہ

کیا عجب یہ تذکرہ ہے بے نظیر — جو کہ خوبی میں ہے اپنا خود نظیر
لائق ہے اسمیں شہ اسلام کی — دھوم ہے عالم میں جسکے نام کی
وہ ظہیر المسلمیں غازی لقب — نام لینا اسکا ہے سوء ادب
والی کابل امیر المومنیں — با مروت بادشاہ مسلمیں
فتح اور نصرت ہیں جسکی یار غار — بخت اور اقبال ہیں دستیار

مخبر ہے عالم کو اسکے نام سے | اور اسکو فخر ہے اسلام سے
یا الٰہی جب تلک عالم ہے | اور عالم پہ فلک ہر دم رہے
نعل ساں دشمن ہو اسکا سرنگوں | ہیچ پیشانی نہیں ہو نہ پڑا کے خوں
مجھسے ہے محبوب عالم نے کہا | جلد اک تاریخ تو اسکی بنا

یہہ کہا عباس نے اے دوستو
تذکرہ تاریخ ہے بس چھوڑ دو

اصحاب بصیرت کو یہہ تاریخ بہت پسند ہوگی کیونکہ تخلیہ باشارہ تخرجہ کیا گیا ہے
تذکرہ [illegible] = ۱۳۲۵ اب اسمیں ۱۰ زیادہ ہیں باشارہ
چھوڑ دو لفظ دو مساوی ہے [illegible] = ۱۰ کے چھوڑ دو یعنی منہا کرو

قطعہ تاریخ از طبع وقار سید عبد القادر نور اللہ القادری تخلص شیدا ساکن سورت فی الحال ڈاکٹر للنگہ بمقام واڑیہ علاقہ ریوا کانٹھا پولیٹیکل ایجنسی ضلع گجرات

الٰہی شور و غل از چیست این چہ غوغا ہے | اگر شوق طبع بسوئش ہمی شود مائل
چہ گل شگفتہ بہ بستان عالم است امروز | کہ بوئے تذکرہ اش شد بجا رسو مائل
نسیم مژدہ دو رخبار پیعش کناں | کہ بود تازہ کن مغز فکرت سائل
ز راہ چشم سوئے عین گوشہائے دماغ | رسید تا پئے تسکین دل شود مائل
حیات دائمی کامل ضیائے ملت ہیں | نقاب از رخ روشن کشید و شد زائل
کہ پردہ از رخ خود برفگندہ ام امروز | بیا بہ بین کہ چہ محبوب عالم کامل
بیا بیا و مرا حرز جان خویش بکن | نشاط تازہ شود از مطالعہ حاصل
بسعی گشت ز محبوب عالم لاہور | بقید تذکرہ حالات روشن و کامل
سزد کہ فخر کنم بہ وجود او در ہند | کہ قوم ملت خود راست خادم کامل

نگام همت خود در گرفته لیل و نهار
خیال خدمتِ خلق است در سرش داخل

چو نهر گلشن اخبار پیسه جاری از دست
بهارِ تازه از ین است پر چه را حاصل

بجمع کیفیت عمری جناب امیر
نهاد بر سرِ مشتاق منتِ کامل

هزار جان سخن باد نذر تذکرهٔ
کتابش آمد با نام صاحبش شامل

نثار باد برین تذکره جواهر فکر
که شد بهائے هدے بے بها از و باطل

الهی لطف و کرم از تو بر جناب امیر
و ز اهل قدر برین تذکره شود نازل

سر ز کر فکر و دریغ از کند ز تاریخش
با انتقام سلوکش ز دل شوم مائل

بدانکه گوشش که با نگہے ز فکر مے آید
که نیستم ز سرِ فکر سال آں غافل

ندا رسید بہ بشید از ہاتفِ غیبی
که قصد لطف و کرم شد بہ تذکره شامل

۱۹۳ ۱۱۹ ۲۶۰ ۱۳۲۵ء

بضرب پنج دگر بانگ از جرس نجما خاست
که سال هجری شد از بهر تذکره کامل

ایضاً

چوں ز محبوبِ عالم لاهور
شهرهٔ تذکره بگلشن رفت

نه ز احوالِ والیِ کابل
شور در گوشهٔ نشیمن رفت

که ز حسنِ بیانِ حالاتش
وجد در بلبلانِ گلبن رفت

از ضیائے ضیائے ملت و دیں
ضو مهر فلک بدامن رفت

از بیان شجاعتِ ذاتش
زلزله در رها و جوشن رفت

در صلائے نگاه لطف و کرم
هوش گستاخ از سر و تن رفت

دست مجنوں بشوق خدمت او
گر سوئے جیب گه بدامن رفت

حق دهد عمر نوح مر او را
این دعائیست کز دل من رفت

بهر تاریخ طبع تذکره اش
جنبش فکر چوں بگلشن رفت

هر گل و برگ و غنچه از هار
بهر امداد فکر من رفت

مرتبش با شگفتہ خاطر و شاد	بیخ بار از زبان سوسن رفت

ایضاً

زینت تخت و تاج سلطانی	آنکہ فرمانروائے کابل ہست
عبد الرحمن نام نامی او	نقش ہر سکہ ہائے کابل بست
آنکہ محبوب عالم است بدہر	زد بر او راق ہائے کابل دست
جمع آورد تذکرہ کہ دراں	حال فرمانروائے کابل ہست
دل ز فریاد رفت و سالش گفت	تذکرہ از برائے کابل ہست

ایضاً

چو محبوب عالم بدور امیر	زہے تذکرہ تازہ ایجاد کرد
خدا ایش رساند بہ نیل مرام	کہ ایں تذکرہ قابل داد کرد
دراں درج حال جناب امیر	چناں شد کہ ہر مشتری صاد کرد
امیرے پئے ملت و دیں ضیا	کہ ھدلش بن ظلم برباد کرد
ز حالش شد و زینت تذکرہ	ہراں نقش و تصویر ایراد کرد
زہے نخسہ حاصل بدیں تذکرہ	کہ بروے مہ و مشتری صاد کرد
سپردم بخامہ چو تاریخ آں	نگوں سر بفضل خدا داد کرد
دل از حال بر داشتہ گفت سال	بریں تذکرہ صاد و ایجاد کرد
وگر از لب بلبل آمد بہ سال	کہ ایں تذکرہ خوب ایجاد کرد
دل از حال رفت و بسال دگر	حسابے ز زیبائی صاد کرد
وزیں نقرہ ذیل تاریخ گفت	کہ ایں خدمت قابل صاد کرد

نتیجہ طبع موزون منشی قادر علی صاحب تحصیلدار ریاست بھوپال

سراپا ہنر منشی محبوب عالم	جو ملک سخن میں ہیں شہرت پذیر

سخن فہم و فاضل ادیب لبیب — ذہین و ذکی طبع و روشن ضمیر

ہوئے مستعد اور لکھی کتاب — کیئے جمع ذکر امیر کبیر

امیر عبد رحمان خاں ذی حشم — کہ ہیں عقل و دانش میں اپنی نظیر

لکھی طبع قادر نے تاریخ طبع — ہے ذکر جلیل جناب امیر

۱۳۱۵ ہجری

رشحۂ کلک گوہر سلک مولوی محمد تقا صاحب کاکوروی اسسٹنٹ ہیڈ ماسٹر مہاراجہ کالج جے پور

منطبع شد چو ایں کتاب عجیب — گشت مطبوع ہر امیر و فقیر

ذکر احوال والیئے کابل — عبد رحمان امیر خوش تدبیر

آں امیر فلک جناب کہ ہست — در زمیں بہر دیں نصیر و ظہیر

ہست ذکر جمیل شاہ جلیل — دانش آموز ہر صغیر و کبیر

بہ تمنائے سیر ایں گلزار — میزدے مرغ دل ز شوق صفیر

چہ اثر داشت نالہ اش کہ رسید — بوئے گل باغ بے تاخیر

روز ہجراں بشام وصل کشید — بہر ما شد یسیر یوم عسیر

جلوۂ شاہد جمال افزود — بہ دل و دیدہ فرحت و تنویر

ایں عجب نسخہ مرتب شد — کش بہ ملک مثال نیست نظیر

کرد محبوب عالم از قلمش — یکجہاں اہل عقل را تسخیر

نیتش را جزا ثواب عظیم — ہمتش را سزا ثنائے کثیر

اے تقا چوں بفکر سال شدم — ہاتفم شد بیان ز غیب بشیر

سال ہجری بشنو و بخوان — محفل عیش داستان امیر

۱۳۱۵

از پئے سال عیسوی دم زد — چوں مسیحائے فکر عرش مسیر

سر خدا کرد و سال گفت انجم — ذکر جاوید امیر با توقیر

۱۸۹۸ع

دیگر

اے مسلمانو ہے کیا تاخیر اب چھپ گیا
تذکرہ اُردو زباں میں حامیٔ اسلام کا

سچا سچا اسمیں ہے ادس بندۂ خالق کا ذکر
نقد عیش زندگی ہے ورد جسکی نام کا

دیکھکر اُسکو نہ کیونکر ہمت جرأت بڑھے
ہے یہ نقشہ بیشۂ اقبال کسے رغام کا

اِس طرح لکھا ہے باتصویر شرح و لبط سے
ملتا ہے آغاز میں جسکے مزہ انجام کا

سال ہجری طبع کا میری قلم نے ای بقا
لکھدیا ہے کیا ہی خاکہ سطوت اسلام کا

۱۳۱۵ ہجری

قطعۂ تاریخ از نتائج فکر جناب شیخ فرید الدین صاحب متوطن قلعہ روہتک

سپاس خدائے کہ بعد از تمنا
بروں کرد از پردہ مطلوب عالم

چو ایں تذکرہ طبع گشتہ بجولی
شد از حسن خود بسکہ مرغوب عالم

پئے سال طبعش ندا کرد ہاتف
چہ زیباست تاریخ محبوب عالم

۱۸۹۶ء

ولہ

کیوں نہ محبوب اہل عالم ہو
کیسی یہہ باکمال ہے تاریخ

سب سے بہتر یہہ علم ہے واللہ
کشف ماضی و حال ہے تاریخ

سچ تو یہہ ہے امیر کابل کی
واقعی حسب حال ہے تاریخ

اِسکی تاریخ کیا لکھوں میں فرید
یہہ عجب بے مثال ہے تاریخ

۱۸۹۶ء

ولہ

حالات امیر ملک کابل
بس دلکش و خوب و دلپذیر است

آں شاہ ضیائے ملت و دیں
کو صاحب تاج و هم سریر است

در جملہ امور ملک داری
واللہ کہ مرد بے نظیر است

ایں فتح و ظفر کہ شد بکاشش
از قدرت خالق قدیر است

از قیصر ہند امیر ذی شان
مجموعہ ایں کتاب نایاب
گویم کہ مولف ہمہ داں ؎
شد فکر برائے سال تاریخ
گفت از سر مین ہاتف غیب

صد شکر کہ دوست ہم صفیر است
حالات امیر شیر گیر است
لبیار او یب ہم دبیر است
زیرا نکہ کتاب بے نظیر است
مکتوب سوانح امیر است

قطعات تاریخ نتیجۂ طبع جناب محمد علاء الدین صاحب شاطر رئیس ملتانی ضلع بیتول ملک متوسط شاگرد حضرت خان محمد صاحب افتخار الشعراء استاد نواب صاحب مرحوم ریاست بھوپال

خوب تر گفت ست چوں محبوب العالم تذکرہ
آں رموز مملکت را المعی بے مثل
بہر تحصیل سعادت از رہ اخلاص خاص
ہاتف غیب او بگفت از کلک شاطر بشنوید

از امیر عبد الرحمٰن شاہ کابل خوش لقب
عاقل و دانشور و فرزانہ یکتا لبیب
فکر تاریخش نمودم سال ہجری حبیب
یادگار شاہ مدقق سانحۂ عمری عجیب
۱۳۱۵ھ

ثانیہ

تصنیف کرد سانحۂ عمری امیر را
آں میر نامدار کہ توقیع عدل او
در ملک خویش نصفت نوشیرواں نمود
تدبیر ملک رست ارسطوئے روزگار
آرے ضیائے ملت و دین نقش بجا نوشت
ما ائمہ بے نوا ہمہ محتاج غوث پاک
در واقعہ حکایت قیصر چہ آمد ست
چیند حاسداں زمانہ ہزار عیب

محبوب عالم از سر تحقیق دلپذیر
رفتہ ست از ولایت کابل بچرخ سیر
اظہار کرد عدل سلیماں فلک سریر
در بند و بست کشور خود جرمنی وزیر
ہستے نہادہ بر سر او شاہ قلعہ گیر
او نیز میر رست مددگار و دستگیر
از فرط اعتبار بہ تدبیر شد شہیر
لیکن امیر و قیصر با شکر ست و شیر

خوش درنوشت تذکره جمیل شرح وسط تام ... یا بذر قدر شاه زمان عطیهٔ کثیر
بودم بفکر سال او از عالم علا ... هاتف ندائے داد سر خامه چون صریر
تاریخ عیسوی ز رو شاطر نوشت و خوند ... ورد دل و زبان بود تذکرهٔ امیر

قطعهٔ تاریخ طبع تذکرهٔ امیر طبعزاد بندهٔ هیچمدان الحکیم محمد عمر فصیح دهلوی مقیم ملازم مراج ناموس الورا

هست حالات ذات با برکات ... آنکه اسلام راست پشت و پناه
تابع شرعت است حامی دین ... صاحب تخت و تاج ظل اله
منصف و دادگستر و عادل ... بندگان را همه نکوئی خواه
بر رعایا شفیق چون اب و ام ... کار آگاه با دل آگاه و
بر نوشته فصیح تاریخش ... ذکر حضرت امیر والا جاه

طریق استخراج تاریخ

حروف غیر منقوطهٔ مصرع تاریخی که سیزده اند در بست ضرب داده شد دو صد و شصت بر آمد چون با فزایش ضابطهٔ مقرره سه عدد افزوده شد دو صد و شصت سه حاصل گشت پس بحروف منقوطهٔ مصرع مذکور که پنج اند دو صد و شصت سه را زدند سنهٔ مطلوبهٔ هجری یکهزار و سیصد و پانزده صورت پیدائی گرفت۔

تاریخ مصنفهٔ منشی عبد الکریم مضطر میرٹھی بازار راولپنڈی

گردید چو طبع این رساله ... بنمود و بدیده ها تجمل
چون نجم ثاقب عیان اعلان ... بشگفت قلوب صورت گل
تحسین بهمت مؤلف ... کو هر شت درین لسان تو غل
حالات ز ابتدا بانیدم ... کردست رقم همه جزو کل

اغلب کہ باشد زہے این گاہ ۔ سازند ز مشتری اقابل

لاریب کہ ہست زینت بیز ۔ زیبندہ مثال دستۂ گل

مضطر تاریخ طبع گفتہ ۔ این تذکرہ امتیاز کابل

ولہ

لکھا گیا تذکرہ یہ منشی محبوب عالم نے ۔ کہ جسکی شائقین دہر کو اب کہ خوشی تھی

امیر عبد رحمن خان ضیاء الملت والدین ۔ تواریخ انکی مثل آئینہ عمدہ مرتب کی

مفصل ابتدا سے آج تک کے واقعہ سچے ۔ ہوں جیسے منکشف دیکھی نہ تھی کبھی کتاب ایسی

مولف نے بڑی کوشش سے کی ہیں درد سے تسلیم ۔ بجا ہے جسقدر تحسین اولی ہیں انکی محنت کی

قلم برداشتہ مضطر نے لکھی اسطرح تاریخ ۔ دکھائی سیر گلہائے نسیم صبح کابل کی

از تصنیف لطیف منشی حبیب علی صاحب جوہر متوطن شہر راولپنڈی

کیا ہی عجیب یہ کتاب چھپی ۔ مژدہ اے ساکنان کابل ہے

ہے مناسب کہ لیجئے ہاتھوں ہاتھ ۔ جو کہ اک ارمغان کابل ہے

عبد رحمن خان کے ہیں حالات ۔ جو کہ اب حکمران کابل ہے

اس سے ثابت یہی مولف خوب ۔ واقف داستان کابل ہے

اہل ہند اسکو کیوں نہ رکھیں عزیز ۔ کشف راز نہان کابل ہے

ہے بجا کابلی جو یوں سمجھیں ۔ بس یہ اک حرز جان کابل ہے

لکھا یوں سال طبع جوہر نے ۔ خوب صفوت بیان کابل ہے

قطعہ تاریخ سال انطباع نسخہ بے نظیر تذکرہ امیر نتیجہ طبع جناب سید شاہ احمد صاحب
رشید متوطن تھانہ بھون نبیرہ زبدۃ [illegible] حاجی [illegible] شاگرد حضرت و استاد سلالۃ الملک محمد تھانوی

مولوی محبوب عالم ذی ہنر ۔ نکتہ پرور نکتہ سنج و نکتہ داں

وہ چہ تاریخے رقم فرمودہ اند	دلپذیر و دلنشین و دلستان
یعنی بنوشتن حالات امیر	نائب پیغمبر آخر زماں
والی کابل امیر المسلمیں	غازی بے مثل و یکتائے جہاں
ہم ضیاء الملۃ و دین متیں	عبد رحمان خان سکندر نشاں
یا الٰہی روز بیش باد اقبول	گفتہ آید ایں گرامی ارمغاں
سال طبعش چوں بپرسیدم رشید	ہاتفے گفتہ چہ مرغوب جہاں

قطعہ تاریخ از نتیجہ طبع منشی گوپالداس صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ضلع الہ آباد

چھپی جب کہ تاریخ کابل عجیب	بفضل خدا و محمد و حبیب و جوب
زروئے جمل ہاتف نے دی صدا	چھپا تحفہ محبوب عالم کا خوب

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع جناب محمد عبد السبحان صاحب المخاطب سرکار عالیہ بیابت تخلص صیغہ دار تال ٹونک

اک روز میرے رفیق و مونس	یعنی سید عبید اللہ
مجھسے جو ملے تو کس خوشی سے	اک مژدہ جانفزا سنایا
ایڈیٹر ہیں جو یہ شہید اب	اک تذکرہ امیر لکھا
تم اسکی اگر لکھو گے تاریخ	میں انکو ضرور ہی لکھونگا
تھے چونکہ میرے رفیق و مونس	جب ہوا مجھکو اسکا لکھنا
سوچا کہ رسا انکا لکھ ہم	کیا تذکرہ امیر لکھا

قطعہ تاریخ از نتیجہ جناب منشی محمد جمیل الرحمن صاحب لکھنوی متخلص حسرت رئیس حال مقیم کلکتہ

لکھی واہ کیا خوب نادر کتاب	ہے علم تواریخ میں لاجواب

بنائی وہ تاریخ افغان کی | کہ حیرت میں ہیں جسکو شیخ و شاب
خدا اسکو محبوب عالم کرے | دعا ہے یہ میری حق ہے یہ بالصواب
جو لا ثانی تاریخ راحت چھپی | لکھو سال طبع ۔ نادر و انتخاب
۱۵ ۱۳ ھ

قطعۂ تاریخ تذکرۂ امیر از طبع موزون محمد عبد اللہ صاحب مشتاق ٹھیکہ دار بخش ساکن قصبہ بروت ضلع میرٹھ از مقام اٹاوہ

کتاب کیا ہے سراسر یہ تختۂ گل ہے | بہار حسن پہ جسکے نثار بلبل ہے
عجیب سین ہے دلکش سطور زیبا کا | روش روش پہ سراسر بہار سنبل ہے
جھکا کے دیکھیے حرفوں کا دایروں کا ذرا | بیاض حسن پہ گویا نثار کاکل ہے
شروع چونکہ ہے الحمد سے بنام خدا | تو مہر خاتمہ پر صاف سورۂ قل ہے
مصنف اسکا وہ محبوب عالم و نوفل | بیان جسکا صحیح و فصیح بالکل ہے
لکھے ہیں واقعی حالات زندگی امیر | کہیں جلال کا نقشہ کہیں تحمل ہے
ہے کیا تلاش غذا کی قسم ا ۲ ۲ ۲ | کہیں ہے طرز تمدن کہیں تجمل ہے
کہیں ہے ذکر شجاعت حضور والا کا | غرض یہ ہسٹری آئینۂ جز و کل ہے
ہے اشتہار مصنف کہ سب لکھیں تاریخ | تو پھر مجھے ہی بھلا اسمیں کیا تامل ہے
لکھو یہ مصرعۂ تاریخ شوق سے مشتاق | عجیب خوب حیات امیر کابل ہے
۱۵ ۱۳ ھ

نتیجۂ طبع وقاد جناب مولوی محمد عبد المجید صاحب عمر لوری از جبل پور

منشی محبوب عالم خوش سیر | بر مسلماناں بیاریدہ گہر
کشت زار فیض را تازہ نمود | اہل دیں را قوت ایمانی فزود
جوئے شیر آوردہ بہر تشنگاں | مرہم آسیر بہر خستگاں
کوہ کندید و بر آوردہ گیا | در میان تیرگی آوردہ ماہ

وجہ تخصیص تاریخ زندہ برنگاشت — رایت اسلام و احسان بر فراشت

حال فخر دین امیر المومنین — عبد رحمان ظل ظہیر مسلمین

والی کابل سراج علم و فن — بلبل بستان لطف ذوالمنن

باطریق شرح و تفصیل کمال — بر نوشتہ از بدایت تا مآل

تذکرہ بے مثل بنمودہ رقم — منتشر شیرازہ را کردہ بہم

بہر تاریخ جاں برنگ گل بود — شاخسار علم را بلبل بود

عاشقان دین حق شادان شدند — دشمنانش در غم خسران شدند

چوں بفکر سال ماندم در محن — ہاتف غیبی بگفت این سخن

قطع کردہ راس اعدا کن ندا — کردہ روشن مشعل از دین ہدی

قطعۂ تاریخ طبع تذکرہ امیر از منشی محمد وجاہت حسین وجاہت صدیقی جھنجھانوی شاگرد حضرت داغ دہلوی

محبوب عالم آپکا ثانی ہو دہر میں — ممکن نہیں خدا کی قسم ہے بہت محال

اب تذکرہ نیا جو بنایا ہے آپ نے — ایمان کی تو یہ ہے کیا ہے بڑا کمال

ایسی کتاب آجتک آئی نہ تھی نظر — لکھا ہے خوب والی کابل کا اسمیں حال

تحریر کی گئی ہیں وہ باتیں نئی نئی — آئے نہ خواب میں بھی کبھی جنکا کچھ خیال

کیونکر نہ علم کی ہو ترقی جہان میں — یہہ وہ کمال ہے کہ کبھی جسکو نہیں زوال

یہہ خیر خواہ ملک سلامت رہے مدام — بدخواہ اسکا رشک سے یارب ہو پائمال

دن دونی رات چوگنی اسکی ہو منزلت — ہر دم شریک حال رہے فضل ذوالجلال

لکھا ہے سال طبع وجاہت نے لاجواب

دیکھی ہے اب جلیلہ یہ تاریخ بے مثال

[یہ تاریخ ۱۳۰۹ھ میں سن کتاب کے لیے لکھی گئی تھی کیونکہ کتاب ۱۳۰۹ھ میں تیار ہو چکی تھی۔ اور ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی]

قطعۂ تاریخ طبع تذکرۂ امیر از حافظ غلام علی صاحب گجراتی امام مسجد میر احمد شفیع قصبہ کوٹلی لوہاراں

چون جناب مولوی محبوب عالم خوش خصال
طبع کردہ با تجسس جملہ حالات امیر

جست حافظ از سر شعر سال طبع او
گفت از رو طبع گو شیشۂ حالات امیر

رشحۂ کلک جواہر سلک طبع جناب مولوی محمد عبد الجبار صاحب عمر پوری نزیل جبل پور

[بزبان عربی]

ألا یا معشر الخلان بشریٰ
تضوّع مسک فخر فی الأنام

شمیم قد سریٰ بمشام ناس
فصیّرهم سکاریٰ بالمدام

جریٰ ینبوع خیر فی الأمانی
فروّی بغتةً ظمأ الهیام

قفار أنبتت خضرا وخصبا
فتاد أزهرت زهر السلام

أدیب مغلق محبوب عالم
أتیٰ بالسفر والحسن الکلام

أتیٰ فیها ببیان عجیب
بتذکرة لسلطان الکرام

أمیر المؤمنین وشمس کابل
ضیاء الدین ذی الهمم السوامی

جزاه الله خیراً کل یوم
وأسکن جنة یوم القیام

تأملت لعام الطبع جداً
ترقبت لرؤیا فی المنام

فنادیٰ هاتف هی شمع فیض
ومصباح توقد فی الظلام

۱۳۱۵ھ

قطعۂ عشرت تاریخ مجوزہ منشی غلام محمد صاحب خانساماں از موضع علا تحصیل ... ضلع گجرات

ذات امیر افغانستان ۱۳۰۹ھ

شہ اقلیم ضیاء الملت والدین سنہ ۱۸۹۸ء

تذکرہ قدوانام بادشاہ کابل سنہ ۱۸۹۸ء

تذکرہ کیوان نگیں بادشاہ کابل سنہ ۱۸۹۹ء

تذکرہ فخر ملک بادشاہ کابل سنہ ۱۸۹۸ء

قطعہ

منشی محبوب عالم چوں نمود — تذکرہ والی کابل را رقم

بہرِ سالش فکر غائر جو شد — آمدے وضیاء الملت آمد با سخم

قطعہ تاریخ تذکرہ امیر از حضرت حمید ساکن بیڈولی

باحسن سعی و محنت و باکوشش بلیغ — محبوب کردہ تو این تالیف بے نظیر

آمد ندا ز غیب بجستہ حمید سال — مقبول باد دائما کیں تذکرہ امیر

۱۸۹۸ء

قطعات تاریخ طبع تذکرہ امیر از نتائج طبع جناب سید مظہر حسین صاحب رضوی حامی لائبریرین ہائی سکول لائبریری جھالراپاٹن

قطعہ

منشی محبوب عالم بالیقیں — صاحبِ عقل است و مرد نکتہ داں

تذکرہ بنوشت در حالِ امیر — آنکہ شد در ملکِ معنی حکمراں

اندریں ایام با طرزِ نکو — طبع شد از فضلِ خلاقِ جہاں

بہرِ سال فصلیش مظہر حسین — بشنو از ہاتف کہ مرغوبِ جہاں

قطعہ دیگر

طبع گردید از تالیفِ محبوب — عجائب تذکرہ چوں دُرِّ خوشاب

لہ وا کے معنی بزبان پشتو میں یہ ہے ؛

سر بر بین پد و گفت حامی	پئے تاریخ آں مرغوب و نایاب ۱۳۱۴

نتیجہ خیال جناب امیر اشرف علیخاں صاحب صاحبزادہ نواب بہرام الملک جانبصر جنگ بہادر

آفریں محبوب عالم آفریں	ذات ہے بیشک تیری جان خیال
تذکرہ دلچسپ کیا لکھا ہے واہ	ہے تمریہ تو گلستان خیال
قابل تحسین ہر فقرہ ہے درج	اس سے بڑھکر کیا ہو امکان خیال
خاطر مدہوش ہیں ہی ہر گھڑی	یک بیک آیا یہ فرمان خیال
چاہیئے تاریخ اسکی بے نظیر	تاشگفتہ ہو گلستان خیال
آسماں سے دی یہ ہاتف نے ندا	لو چھپا اب سنبلستان خیال

موزون کردہ جناب ممتاز احمد صاحب مختار از مقام سہسرام ضلع آرہ

در تذکرہ امیر کابل		اعنی امیر عبد الرحمن
واللہ چہ خوش رسالہ آمد		دلچسپ و پسند حق شناساں
مختار پئے سن سیحش گفت		اپنے تذکرہ امیر دوراں ۱۸ ۹۱
	وله	
تذکرہ والی کابل چوشد		جمع و ہمہ خلق ز دل بر گزید
بندہ مختار بہجری سنش		کرد رقم ذکر امیر سعید ۱۳۱۵

قطعہ تاریخ از نتیجہ طبع جناب حکیم محمد حسن خاں صاحب نامی ساکن جگراؤں ضلع لدھیانہ

کیا خوب ہے کتاب ہے مقبول خاص و عام	شہرہ ہے جسکے چھپنے کا عالم میں چار سو
حال امیر کابل عالی مقام کل	ہے درج اسمیں ٹھیک نہیں فرق ایک مو

نامی یسن عیسوی تاریخ اسکی اب	کہ تذکرہ امیر ہار دیکھا جلد تو

تاریخ طبع زاد جناب منشی آسا رام صاحب بانکوری محرر کوٹ ضلع انبالہ

مرحبا اے منشی صاحب کمال	مرحبا محبوب عالم خوش خصال
جانفشانی عرق ریزی روز و شب	آپ نے کی از پئے تفتیش حال
جب ہوئی تالیف یہ تحفہ کتاب	غیب سے آئی ندا تب بہر سال
دلربا و دلپسند عام ہے ۱۵ ۱۳ ھ	یہ شہر کابل کا ذکر بیمثال

تاریخ طبع زاد جناب منشی فقیر حسین صاحب فیض جونپوری حال وارد بمبئی شاگرد حضرت جلال لکھنوی

سن عیسوی الیے کابل	مصنف جسکے ہیں محبوب عالم
عجب دلچسپ پر مطلب ہوئی ہے	کہ جسسے ہوگئی مطلوب عالم

پئے سن مسیحی فیض یہہ لکھ
چھپا ہے تحفہ مرغوب عالم ۱۸۶۹